تذکرہ مصنفینِ درسِ نظامی

مؤلف

پروفیسر اختر راہی

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرۂ مصنّفینِ درسِ نظامی

مؤلف

پروفیسر اختر راہی

مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار، لاہور

ناشر :- مکتبہ رحمانیہ - اردو بازار - لاہور
طابع :- مقبول الرحمٰن
مطبع :- آر - آر پرنٹرز
سال اشاعت : ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء
تعداد :- ایک ہزار
قیمت :-

مؤلفِ کتاب

قلمی نام : اختر راہی

اصل نام : سفیر اختر

ولادت : ۲۶ نومبر ۱۹۴۷ء (لوہسر شریف۔ واہ کینٹ)

تعلیم : ایم۔اے (سیاسیات) ۱۹۶۹ء

ایم۔اے (تاریخ) ۱۹۷۰ء

مصروفیت : استاد شعبۂ تاریخ گورنمنٹ کالج۔ مری

تصنیفات وتالیفات :-

۱۔ مسعود عالم ندوی (سوانح ومکتوبات) ۱۹۷۵ء

۲۔ تذکرہ مصنفین درسِ نظامی جون ۱۹۷۸ء (طبع اوّل)

۳۔ اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں ۱۹۷۸ء

۴۔ مکتوبات صدر یار جنگ (زیر طبع)

۵۔ نظمِ معنوی (ترتیب وتدوین) (〃)

فہرستِ مطالب

مضمون	صفحہ
فخرالدین زرادی	۱۸۵
فضلِ امام خیرآبادی	۱۹۱
فضلِ حق خیرآبادی	۱۹۶
قاسم بن علی الحریری	۲۰۴
قطب الدین رازی	۲۰۶
لطف اللہ نسفی	۲۰۹
مُحب اللہ بہاری	۲۱۰
محمد بن ابراہیم - صدرالدین شیرازی	۲۱۵
محمد بن اسماعیل بخاری	۲۱۸
محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۲۲
محمد احسن نانوتوی	۲۲۵
میر محمد باقر داماد	۲۳۰
محمد حسن فرنگی محلی	۲۳۲
میر محمد زاہد ہروی	۲۳۴
قاضی محمد مبارک گوپاموی	۲۳۸
محمود جونپوری	۲۴۲
مسلم بن حجاج	۲۴۷
موسیٰ پاشا رومی	۲۵۱
نصیرالدین طوسی	۲۵۳
ولی الدین عراقی	۲۶۲

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مکتبہ رحمانیہ۔ لاہور نے چند سال کے عرصہ میں دین وادب کی اشاعت و ترویج کے لئے جو کوششیں کی ہیں ملک کے عوام وخواص نے انھیں قبولیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اشاعتی سلسلہ کا آغاز مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی تصنیف "اخلاق اور فلسفۂ اخلاق" سے کیا گیا تھا۔ اس کے بعد حدیثِ رسول کے معروف و متداول انتخاب "مشکوٰۃ المصابیح" اور شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی ایک اہم کتاب "غنیۃ الطالبین" کے اُردو ترجمے شائع ہوئے۔ اب مدارسِ عربیہ کے طلبہ کی ایک اہم ضرورت ——— "تذکرہ مصنفینِ درسِ نظامی" پیش کیا جارہا ہے۔

زیرِ نظر اشاعت میں فاضل مؤلف نے کافی اضافے کئے ہیں۔ اور بجا طور پر نقشِ ثانی، نقشِ اول سے بدرجہا بہتر ہے۔

کتاب کو معنوی خوبیوں کے ساتھ صوری طور پر بھی بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مقبول الرحمان عفی عنہ،

نحمدہٗ ونصلی علٰے رسولہ الکریم

افتتاحیہ

جناب اختر راہی صاحب کی کتاب "تذکرہ مصنّفین درسِ نظامی" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مؤلف شہیر دینی اور علمی حلقوں کی ایک متعارف شخصیت ہیں۔ وہ کسی رسمی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ کے وقیع مضامین بار ہا اصحاب فکر ونظر سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ شاذ ہی کوئی ایسا علمی مجلّہ ہو گا جس میں راہی صاحب کے بلند پایہ مقالات شائع نہ ہوئے ہوں یا نقل نہ کئے گئے ہوں۔

رہی زیرِ نظر کتاب تو "مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید"۔ کتاب اور اس کے مؤلف کے لیے یہ امر واقعی باعثِ صد افتخار ہے کہ اس موضوع پر یہ پہلی اور واحد کتاب ہے دینی مدارس سے باہر کی دُنیا تو ایک طرف رہی خود صاحبانِ درس وتدریس بھی اپنی نصابی کتب کے مصنّفین ومؤلفین سے کما حقہٗ باخبر نہ تھے۔ اختر راہی صاحب نے اس عنوان پر مختلف جرائد میں سلسلہ مضامین شروع کیا اور الحمدللہ خود ہی اپنے موضوع کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

درسِ نظامی میں شامل شاذ ہی کوئی ایسی کتاب ہو گی جس کے مصنّف، مؤلف، مترجم، شارح اور محشّی کا تذکرہ، مختصر ہی سہی، اس کتاب میں نہ آگیا ہو، یہ اس عنوان کی پہلی کوشش ہے۔ اس لیے اس کے مکمل ہونے کا ادعا ہرگز نہیں لیکن اوّلیت کا فخر بہر حال حاصل ہے۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

یکم جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ / ۱۲ جون ۱۹۷۵ء

حافظ نذر احمد

حرفِ آغاز

مدارسِ دینیہ کے طلبہ نصابی کتب کے سمجھنے اور یاد کرنے میں جانکاہ محنت کا ثبوت دیتے ہیں۔ مطالبِ کتب اُن کو ازبر ہوتے ہیں مگر اس تمام کمال کے باوجود کسی کتاب کے مؤلف کے بارے میں اُن کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ نصابی کتابوں کے مؤلفین نے اپنے نام کے اظہار اور تعارف کو معیوب خیال کرتے ہوئے سکوت اختیار کیا اور اگر کسی نے اپنے نام کا اظہار کیا بھی ہے تو اس انداز میں "فقیر حقیر پُر تقصیر فلاں بن فلاں"۔

موجودہ علمی اور تعلیمی تقاضوں کے پیشِ نظر کتاب کے ساتھ مؤلفِ کتاب اور اُس کی علمی و ادبی خدمات سے آگاہ ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے اِس لیے ضروری ہے کہ مدارسِ دینیہ کے طلبہ بھی اپنی نصابی کتابوں کے لکھنے والوں سے متعارف ہوں۔ ۱۹۷۰ء میں اِس احساس کے پیشِ نظر اِکّا دُکّا مضامین لکھنا شروع کئے تھے جو ملک کے معروف جرائد و رسائل میں شائع ہوئے۔ اہلِ علم نے ان مضامین کی تعریف کر کے حوصلہ افزائی کی اور بعض مضامین نقل در نقل ہوتے رہے۔ مکرّمی حافظ نذر احمد صاحب مرتّب "جائزہ مدارسِ عربیہ مغربی پاکستان" اور بعض احباب نے اس سلسلہ کو جلد مکمل کرنے پر آمادہ کیا مگر میں اپنی دوسری مصروفیات میں اس قدر اُلجھا ہوا تھا کہ ۱۹۷۵ء سے پہلے یہ کام نہ ہو سکا۔ اسی سال مسلم اکادمی (لاہور) نے "تذکرہ مصنّفین درسِ نظامی" کا پہلا ایڈیشن شائع کیا۔

"تذکرہ مصنّفین درسِ نظامی" ایک طالب علم کی کوشش تھی لیکن دینی و علمی حلقوں

میں ستائش و تعریف کی نظر سے دیکھی گئی۔ رسائل و جرائد نے حوصلہ افزا تبصرے لکھے اور اسے ایک اہم ضرورت کی تکمیل قرار دیا۔ سال ڈیڑھ کے عرصہ میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ یہ قبولیت محض اہل علم کی دلچسپی کا نتیجہ ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

کتاب کی ترتیب و تسوید میں بہت سے دوستوں نے "کتابے، قدمے، سخنے" تعاون کیا۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ناظم کتب خانہ اور مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان کے سابق کتاب دار جناب محمد حسین تسبیحی صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے کتابیں فراہم کرنے میں پورا پورا تعاون کیا۔ خاص طور پر جنابِ تسبیحی کے حسنِ سلوک اور معلومات افزا گفتگو کے لئے اُن کا ممنون ہوں۔ برادرم عبدالسلام برہانی نے مسودہ صاف کرنے میں مدد دی۔ اُن کے تعاون کا بھی شکرگزار ہوں جناب حکیم محمود احمد برکاتی، جناب ماہر القادری اور دوسرے تبصرہ نگاروں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے پہلی اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے مفید مشوروں سے نوازا۔

زیرِ نظر اشاعت میں مناسب اضافے کئے گئے اور تسامحات درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاہم اب بھی یہ ایک طالب علم کی کوشش ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ اگر کوئی غلطی دیکھیں تو اطلاع دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

اختر راہی

مری
یکم ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

نظام الدین محمد سہالوی

برصغیر پاک و ہند کے مدارسِ عربیہ میں مروّج نصابِ تعلیم کو اس کے مرتب مُلّا نظام الدین محمد سہالوی کی نسبت سے "درسِ نظامی" کہا جاتا ہے۔ مُلّا نظام الدین محمد کا سلسلہ نسب صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضؓ (م ۵۱ھ) سے ملتا ہے۔ اُن کے اسلاف میں ایک صوفی بزرگ شیخ الاسلام خواجہ ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری (م ۴۸۱ھ) گزرے ہیں جن کا مزار ہرات میں ہے۔ خواجہ صاحب کی اولاد میں سے ایک بزرگ ملا جلال الدین برصغیر میں آئے اور دہلی میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ یہی مُلّا جلال الدین مرتب درسِ نظامی کے جدِ امجد ہیں۔ بعد میں مُلّا جلال الدین کی اولاد نے دہلی سے ترکِ سکونت کر کے قصبہ سہالی (ضلع بارہ بنکی) میں رہائش اختیار کر لی۔

ملا نظام الدین محمد سہالوی کے والدِ ماجد ملا قطب الدین بن عبدالحلیم بلند پایہ عالم تھے۔ وہ تخمیناً ۱۰۴۰ھ میں پیدا ہوئے انہوں نے ملا عبدالسلام ساکن دیوہ (م ۱۰۴۲ھ) کے شاگرد ملا دانیال چوراسی اور شیخ محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) کے شاگرد قاضی گھاسی الہ آبادی سے اصولِ فقہ، منطق و فلسفہ اور علمِ کلام کی تعلیم حاصل کی تھی۔

تعلیم سے فارغ ہو کر ملا قطب الدین نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اُن سے بارہا ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر انھوں نے بادشاہ کے دربار سے دُور مسندِ علم و درس کی زینت رہنا پسند کیا۔

قصبہ سہالی میں اُن کی کاشت کاری تھی جس پر گزر بسر ہوتی تھی مگر زمینوں کی شراکت کے سلسلہ میں عثمانی برادری کے بعض افراد اور اُن کے خاندان میں جھگڑا

ہوگیا۔ جو کسی طرح طے نہ ہو سکا۔ ایک روز عثمانی برادری کے چند افراد نے اُن کے مکان پر شب خون مارا، انھیں قتل کیا اور مکان نذرِ آتش کر دیا۔ یہ حادثہ ۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ/ ۲۷ مارچ ۱۶۹۲ء کو وقوع پذیر ہوا۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ گھر کے سامان کے ساتھ مُلّا قطب الدین کا "حاشیہ شرح عقائد دوانی" بھی جل کر راکھ ہو گیا

مُلّا قطب الدین کی شہادت پر کسی نے ایک مصرعہ کہا تھا۔ آزاد بلگرامی نے پہلے تین مصرعے لگا کر رباعی بنا دی۔ جو یہ ہے۔

علامۂ بحرِ زاخرِ فضل و ہنر
در دامنِ ارباب طلب ریخت گہر
دل خون شد و تاریخ وفاتش فرمود
قطبِ عالم شدہ شہیدِ اکبر

—— ۱۱۰۳ھ ——

ملا قطب الدین کی مندرجہ ذیل تصنیفات کے نام ملتے ہیں مگر اُن کا کوئی نسخہ کسی معروف کتب خانہ میں نہیں پایا جاتا۔

۱۔ حاشیہ شرح عقائد دوانی
۲۔ حاشیہ تلویح
۳۔ حاشیہ العقائد النسفی
۴۔ حاشیہ تفریعات بزدوی
۵۔ حاشیہ مطوّل
۶۔ رسالہ فی تحقیق دارالحرب
۷۔ حاشیہ شرح حکمت العین[۱]

ملّا قطب الدین کے چار بیٹے۔ ملّا محمد اسعد۔ ملّا محمد سعید، ملّا نظام الدین محمد اور ملّا محمد رضا تھے۔ ملّا محمد سعید نے والدِ ماجد کی شہادت پر بادشاہ وقت اورنگ زیب

---

[۱] الآثار الاول من علماء فرنگی محل، ص: ۴

عالمگیر کے سامنے فریاد کی جس مے اُنہیں سکونت کے لئے لکھنؤ میں فرنگی محل کا علاقہ دے دیا۔ اور ملّا قطب الدین کی اولاد نے یہاں رہائش اختیار کرلی۔

ملّا قطب الدین کے چاروں بیٹے اپنے والد کے صحیح معنوں میں جانشین تھے انھوں نے اپنے خاندان کی علمی و دینی روایات قائم رکھیں۔ تاہم ان میں شہرتِ دوام ملّا نظام الدین محمد کو حاصل ہوئی۔

ملّا نظام الدین محمد، ملا قطب الدین کے تیسرے فرزند تھے وہ ۱۰۸۸ھ/۱۶۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدِ ماجد سے حاصل کی۔ والد کی شہادت کے بعد امان اللہ بنارسی (م ۱۱۳۳ھ) ملّا علی قلی جائسی اور ملّا غلام نقشبند (م ۱۱۲۶ھ) سے استفادہ کیا۔

فارغ التحصیل ہوکر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ سینکڑوں افراد نے اُن سے استفادہ کیا۔ ان کی مجلسِ درس کے سامنے علاقہ بھر کی مجالسِ تدریس ماند پڑ گئیں غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے۔

"امروز علمائے اکثر قطرِ ہندوستان نسبتِ تلمذ بہ مولوی دارند و کلاہ گوشہ تفاخر می کنند و کسے کہ سلسلۂ تلمذ باو می رساند بین الفضلاء بعلم امتیاز می افزاید و مردم بسیار را دیدہ شد کہ تحصیل جاہائے دیگر کردند برائے اعتبار فاتحہ فراغ از مولوی گرفتند"[1]

ملّا نظام الدین محمد نے حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی (م ۵ شوال ۱۱۳۵ھ) سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی۔ شاہ عبدالرزاق بانسوی انہیں ان لوگوں میں شمار کرتے تھے جن کے بارے میں "ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات" کے الفاظ آئے ہیں۔ ملّا موصوف

---

[1] مآثر الکرام ص: ۲۱۲

کو شاہ عبدالرزاق بانسوی سے خلافت حاصل تھی۔ ملّا موصوف علم و فضل اور ہجوم خلائق کا مرجع ہونے کے باوجود سادہ مزاج اور متواضع انسان تھے۔ غرورِ علم سے کوسوں دُور تھے۔ یہی سبب ہے کہ اپنے مرتّبہ نصاب میں اپنی کوئی کتاب شامل نہیں کی۔

۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء کو دردِ گردہ کے عارضہ سے لکھنؤ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے قطعۂ تاریخ کہا ؎

عالمِ کامل، امامِ عصر، استادِ جہاں
طاہر روحش بسیرِ جنت الماویٰ شتافت
سالِ تاریخِ وفاتِ اولبطورِ تعمیہ
گفتہ شد ملانظام الدین دلِ فردوس یافت[۱]

۱۱۵۷ + ۴ = ۱۱۶۱ھ

اُن کی تاریخِ وفات یوں بھی کہی گئی ہے ؎

از وفاتش بے سروپا گشتہ اند
عشق و خیر و فیض و فضل و ہم کمال[۲]

۳۰۰ + ۱۰ + ۱۰ + ۸۰۰ + ۴۱ = ۱۱۶۱ھ

مُلّا نظام الدین محمد کثیر التصانیف عالم تھے۔ اُن کی کتابوں کے بارے میں فضلِ امام خیرآبادی نے لکھا ہے ؎

"تصانیف بسیار در علومِ حکمیہ و اصول دارد"[۳]

---

[۱]، [۲] بحر العلوم، ص ۱۲۰ ،، [۳] تراجم الفضلاء ص: ۴۰

اُن کی تصنیفات یہ ہیں :۔

۱۔ رسالہ فی وضوء الرسول (حدیث)

۲۔ مناقب رزاقیہ (ملفوظات شاہ عبدالرزاق بانسوی)، چند بار طبع ہو چکی ہے۔

۳۔ شرح التحریر فی اصول الدین (اصولِ فقہ) یہ شرح مکمل نہ ہو سکی بعد میں ملا عبدالعلی محمد بحرالعلوم نے پایۂ تکمیل تک پہنچائی۔

۴۔ شرح مسلّم الثبوت (اصولِ فقہ)

۵۔ الصبح الصادق شرح منارالانوار (اصولِ فقہ)

۶۔ حاشیہ علی حاشیہ قدیمہ علی شرح تجرید دوانی (کلام)

۷۔ حاشیہ شرح عقائد دوّانی (کلام)

۸۔ شرح رسالہ مبارزیہ (کلام)

۹۔ حاشیہ شمس بازغہ (فلسفہ)

۱۰۔ حاشیہ شرح ہدایت الحکمت (فلسفہ)

درسِ نظامی

مُلّا نظام الدین محمد سہالوی کا سب سے بڑا کارنامہ "درسِ نظامی" کی ترتیب ہے۔
ان کا ترتیب دیا ہوا نصاب یہ تھا۔

فنون	کتب
۱۔ صرف	میزان، منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصولِ اکبری، شافیہ،
۲۔ نحو	نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی،
۳۔ منطق	صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی مع میر قطبی، سلم العلوم
۴۔ حکمت	میبذی، صدرا، شمس بازغہ۔
۵۔ ریاضی	خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس مقالہ اوّل، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ شرح چغمنی باب اوّل۔
۶۔ بلاغت	مختصر معانی، مطول تا انا قلت۔
۷۔ فقہ	شرح وقایہ، ہدایہ اوّلین، ہدایہ آخرین۔
۸۔ اصول فقہ	نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت۔
۹۔ کلام	شرح عقائد نسفی، شرح عقائدِ جلالی، میر زاہد، شرح مواقف۔
۱۰۔ تفسیر	جلالین، بیضاوی۔
۱۱۔ حدیث	مشکوٰۃ المصابیح۔

گزشتہ دو سو سال سے زائد عرصہ میں ملا نظام الدین محمد کے مرتبہ نصاب میں بعض

کتابیں زیادہ کر دی گئی ہیں اور بعض گھٹا دی گئی ہیں۔ بعض مدارس میں جدید مصری کتابیں بھی شامل نصاب ہیں لیکن ایسے مدارس کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ فی الحال اُن کے مرتبہ نصاب کو عام دینی مدارس میں مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ آج کل مدارسِ عربیہ میں سترہ فنون میں مندرجہ ذیل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

۱۔ صرف

- میزان
- منشعب حمید الدین کاکوروی (م ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۱ء)
- پنج گنج
- صرف میر سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۳ء)
- علم الصیغہ مفتی عنایت احمد کاکوروی (م ۱۷ شوال ۱۲۷۹ھ/ ۲۸ مارچ ۱۸۶۳ء)
- فصول اکبری سید علی اکبر الہ آبادی (م ۱۰۹۰ھ/ ۱۶۷۸ء)
- دستور المبتدی صفی الدین ردولوی (م ۱۳ ذی قعدہ ۸۱۹ھ/ ۱۳ فروری ۱۴۱۶ء)
- زراوی فخر الدین زراوی (م ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۶ء)
- زنجانی عبدالوہاب زنجانی (م ۶۵۵ھ/ ۱۲۵۷ء)
- صرف بہائی بہاء الدین عاملی (م ۱۰۳۱ھ/ ۱۶۲۲ء)
- مراح الارواح احمد بن علی بن مسعود

- نحو میر سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۳ء)
- نظم مائۃ عامل عبدالقاہر جرجانی (م ۴۷۴ھ/ ۱۰۸۱ء)
- شرح مائۃ عامل
- ہدایۃ النحو ابو حیان اندلسی (م ۷۴۵ھ/ ۱۳۴۴ء)

۲ نحو
کافیہ ابن حاجب (م ۶۴۶ھ/۱۲۴۹ء)
شرح جامی عبدالرحمان جامی (م ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء)
تسہیل الکافیہ عبدالحق خیرآبادی (م ۱۳۱۶ھ/۱۹۰۰ء)
حاشیہ شرح جامی عبدالغفور لاری (م ۹۱۲ھ/۰۷-۱۵۰۶ء)

۳ منطق
صغریٰ کبریٰ سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء)
ایساغوجی اثیرالدین ابہری (م ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء)
مرقات فضل امام خیرآبادی (م ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء)
تہذیب المنطق سعدالدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء)
شرح تہذیب عبداللہ یزدی (م ۹۸۱ھ/۷۴-۱۵۷۳ء)
سلم العلوم محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ/۰۸-۱۷۰۷ء)
شرح سلم العلوم حمداللہ حمداللہ سندیلوی (م ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء)
شرح سلم العلوم قاضی مبارک سوم (م ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء)
شرح سلم العلوم ملاحسن لکھنوی (م ۱۱۹۹ھ/۸۵-۱۷۸۴ء)
رسالہ میر زاہد میر محمد زاہد ہروی (م ۱۱۰۱ھ/۹۰-۱۶۸۹ء)
قطبی قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ/۱۳۶۴ء)
میر قطبی سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء)

۴ فلسفہ و حکمت
میبذی (شرح ہدایت الحکمت) میر حسین میبذی (م ۱۰۹۶ھ/۸۵-۱۶۸۴ء)
صدرا صدرالدین شیرازی (م ۱۰۵۰ھ/۴۱-۱۶۴۰ء)
شمس البازغہ محمود جونپوری (م ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۲ء)
ہدیہ سعیدیہ فضل حق خیرآبادی (م ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

تصریح امام الدین ریاضی (م ۱۱۴۵ھ/۳۳-۱۷۳۲ء)

۵-۶ ہیئت وہندسہ	شرح چغمینی	موسیٰ پاشا رومی (م درمیان ۸۲۳ھ تا ۸۴۱ھ/ ۱۴۱۹ تا ۱۴۳۷ء)
	تحریر اقلیدس	نصیر الدین طوسی (م ۶۷۲ھ/۱۲۷۴ء)
	تشریح الافلاک	بہاء الدین عاملی (م ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء)
	خلاصۃ الحساب	بہاء الدین عاملی (م ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء)
۷۔ معانی وبیان	تلخیص المفتاح	محمد بن عبد الرحمان قزوینی (م ۷۳۹ھ/ ۳۹-۱۳۳۸ء)
	مختصر المعانی	سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ/ ۱۳۸۹ء)
	مطوّل	سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء)
۸۔ فقہ	خلاصہ کیدانی	لطف اللہ نسفی
	منیۃ المصلّی	سدید الدین کاشغری (م ساتویں صدی ہجری)
	نور الایضاح	حسن بن عمار شرنبلالی (م ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء)
	قدوری	احمد بن محمد قدوری (م ۴۲۸ھ/۱۰۳۷ء)
	کنز الدقائق	عبد اللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء)
	شرح وقایہ	عبید اللہ بن مسعود (م ۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء)
	ہدایہ	علی بن ابی بکر مرغینانی (م ۵۹۳ھ/۱۱۹۷ء)
	سراجی	سراج الدین سجاوندی (م ساتویں صدی ہجری)
۹۔ اصول فقہ	اصول الشاشی	اسحاق بن ابراہیم شاشی (م ۳۲۵ھ/۹۳۷ء)
	نور الانوار	احمد جیون (م ۶۴۴ھ/۴۷-۱۲۴۶ء)
	حسامی	حسام الدین محمد (م ۶۴۴ھ/ ۴۷-۱۲۴۶ء)
	توضیح	عبید اللہ بن مسعود (م ۷۴۷ھ/ ۱۳۴۶ء)
	تلویح	سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ/ ۱۳۸۹ء)

مسلم الثبوت — محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ/۰۸-۱۷۰۷ء)

۱۰۔ کلام وعقائد
- شرح مواقف — سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء)
- شرح عقائد جلالی — جلال الدین دوانی (م ۹۰۸ھ/۱۵۰۲ء)
- شرح عقائد نسفی — نجم الدین عمر نسفی (م ۵۳۷ھ/۱۱۴۲ء)
- خیالی — احمد بن موسیٰ خیالی (م ۸۷۰ھ/۱۴۶۵ء)

۱۱۔ تفسیر
- انوار التنزیل واسرار التاویل — عبداللہ بیضاوی (م ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء)
- جلالین — جلال الدین محلیؒ (م ۸۶۴ھ/۱۴۵۹ء)؛ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)
- کشاف — جاراللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ/۱۳۴۴ء)

۱۲۔ اصول تفسیر — فوز الکبیر فی اصول التفسیر — شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)

۱۳۔ حدیث
- مشکوٰۃ المصابیح — ولی الدین عراقی
- صحیح البخاری — محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ/۸۷۰ء)
- صحیح المسلم — مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ/۸۷۴ء)
- جامع ترمذی — محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ/۸۹۲ء)
- سنن ابی داؤد — ابوداؤد سلیمان (م ۲۷۵ھ/۸۸۸ء)
- سنن نسائی — عبدالرحمان احمد نسائی (م ۳۰۲ھ/۱۵-۹۱۴ء)
- سنن ابن ماجہ — محمد بن ماجہ (م ۲۷۳ھ/۸۸۶ء)
- شمائل ترمذی — محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ/۸۹۲ء)

۱۴۔ اصول حدیث — نخبۃ الفکر — ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ/۱۴۴۹ء)

۱۵۔ مناظرہ
- رشیدیہ — عبدالرشید دیوان (م ۱۰۸۳ھ/۷۲-۱۶۷۱ء)
- مفید الطالبین — محمد احسن نانوتوی (م ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء)

۱۶- ادب عربی	نفحۃ الیمن	احمد یمنی شروانی (م ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء)
	نفحۃ العرب	اعزاز علی دیوبندی (م ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء)
	دیوان متنبی	احمد بن حسین الکندی (م ۳۵۴ھ/۹۶۵ء)
	دیوان حماسہ	ابو تمام حبیب الطائی (م ۲۳۲ھ/۸۴۶ء)
	مقاماتِ حریری	قاسم بن علی حریری (م ۵۱۶ھ/۱۱۲۳ء)
	سبعہ معلقہ	شعرائے عہدِ جاہلیت
۱۷- عروض	عروض المفتاح	یوسف بن ابی بکر سکاکی (م ۶۲۶ھ/۱۳۲۸ء)

ابنِ حاجب

ساتویں صدی ہجری میں جن اصحابِ علم وفضل نے عربی لسانیات اور فقہ مالکی میں تبحّر کی وجہ سے نام پیدا کیا۔ ان میں سے ایک ابن حاجب ہیں۔ ابنِ حاجب کا نام عثمانؒ کنیت ابوعمرو اور لقب جمال الدین تھا لیکن زمانے نے انہیں "ابن حاجب" کی کنیت سے یاد رکھا۔ تذکرہ نگار اُن کا ذکر جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس کے ذیل میں کرتے ہیں۔

ابن حاجب کُرد قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے والد عمر، "عزالدین" کے حلقہء احباب میں شامل تھے اور حاجب کے منصب پر فائز۔ اِسی نسبت سے وہ ابن حاجب مشہور ہوئے۔

حاجب کا منصب (حجابت) اموی دورِ حکومت میں ایک اہم منصب تھا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں اُن کے گھروں پر کوئی نگران نہ ہوتا تھا اور اُن کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھلے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ خلیفہ دوم تو اس معاملہ میں بڑی سختی برتتے تھے۔ والئی مصر نے اپنے مکان کے سامنے ڈیوڑھی بنائی تو حضرت عمرؓ نے اطلاع ملتے ہی اسے مسمار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

اموی دورِ حکومت میں حضرت معاویہؓ نے حاجب مقرر کیا۔ ابن خلدون نے حجابت کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ سے پہلے تین خلفاء نہایت بے رحمی سے شہید کر دیئے گئے تھے اور پھر جس حالت میں اُن کی اپنی خلافت طے پائی تھی۔ اس کے پیشِ نظر حاجب مقرر کئے گئے بعد میں اسلامی مملکت میں یہ ایک

اہم عہدہ بن گیا۔

ولادت:۔

ابنِ حاجب مصر کے ایک گاؤں "فنا" میں ۵۷۰ھ / ۱۱۷۵ء کے آخری دنوں میں پیدا ہوئے۔

تعلیم:۔

قرآن مجید اور اس سے متعلق علوم کی تحصیل کرنے کے بعد قاہرہ گئے جہاں فقہ مالکی کی تحصیل کی۔ اُن کے اُستادوں میں امام شاطبی (م ۵۹۰ھ) اور ماہرِ قانون ابومنصور انباری شامل ہیں۔

تدریس:۔

ابنِ حاجب نے تدریس کا شغل اختیار کیا چنانچہ قاہرہ سے دمشق گئے۔ جہاں جامع اموی کے زاویہ مالکی میں تعلیم دینے پر مامور ہو گئے۔ یہاں ایک عرصہ تک فقہ مالکی کی تعلیم دیتے رہے۔

وفات:۔

دمشق سے قاہرہ واپس چلے گئے اور قاہرہ سے سکندریہ کی راہ لی جہاں ۲۶۔ شوال ۶۴۶ھ / ۱۱۔ فروری ۱۲۴۹ء میں وفات پائی۔

تصنیفات:۔

ابن حاجب نے عربی زبان کے صرف و نحو، علم عروض اور فقہ مالکی پر تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں لیکن اُن کی شہرت ایک نحوی کی حیثیت سے ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ الکافیہ:۔ ایک رائے کے مطابق جاراللہ زمخشری کی تالیف "المفصّل" کی تلخیص ہے۔ اور نحو کے اہم متون میں سے ہے۔ الکافیہ پر بکثرت شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں۔

۲۔ الشافیہ :۔ عربی زبان کی صرف پر متداول رسالہ ہے۔

۳۔ المقصد الجلیل فی علم الخلیل :۔ علم عروض کا بانی خلیل بن احمد تصور کیا جاتا ہے۔ اس نسبت سے ابنِ حاجب نے عروض کو "علم الخلیل" قرار دیا ہے۔ بحرِ بسیط میں یہ ایک نظم ہے اور بحر بسیط کا وزن مستفعلن، فاعلن، مستفعلن، فاعلن ہے۔ اس کی پانچ شرحیں چھپ چکی ہیں۔

۴۔ القصیدہ الموشحہ بالاسماء المؤنثہ :۔ مذکر شکل کے مؤنث اسماء کے متعلق ہے۔

۵۔ رسالہ فی العشر۔

۶۔ منتہی السؤل والامل فی علم الاصول والجدل :۔ اصول فقہ مالکی میں اہم کتاب ہے۔

۷۔ مختصر المنتہیٰ :۔ متذکرۃ الصدر کتاب کی تلخیص ہے۔

۸۔ مختصر فی الفروع۔ فقہ مالکی کا ایک مختصر رسالہ۔

۹۔ الامالی :۔ قرآن مجید اور متنبّی پر مقالات کا مجموعہ ہے۔

ابنِ حجر عسقلانی

ابن حجر عسقلانی کا نام احمد، لقب شہاب الدین، کنیت ابوالفضل اور عرف ابن حجر تھا۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے شجرہ نسب یوں نقل کیا ہے۔

"ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی"[1]

ابن حجر ۲۳ شعبان ۷۷۳ھ/یکم مارچ ۱۳۷۲ء کو مصر میں پیدا ہوئے اور بچپن میں ماں اور باپ دونوں کے دستِ شفقت سے محروم ہو گئے۔

تعلیم و تربیت:۔

ابن حجر نے اپنے ایک سرپرست زکی الدین الخروبی کی نگرانی میں پرورش پائی۔ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور قلیل مدت میں صرف و نحو اور فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیں۔ اس کے بعد اپنے عہد کے مشہور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور طلبِ حدیث کے لیے کئی سفر کیے۔ اس سلسلہ میں مصر، حجاز، شام اور یمن کے سفروں کا تذکرہ ملتا ہے۔

ابن حجر کے بیسیوں اساتذہ کرام میں ابن الملقّن (م ۸۰۴ھ) سراج الدین بلقینی، محب الدین ابن ہشام (م ۷۹۹ھ) اور حافظ زین الدین عراقی (م ۸۰۰ھ) کے نام ملتے ہیں۔

زود خوانی:۔ ابن حجر نہایت تیزی سے پڑھتے تھے۔ صحیح بخاری دس مجلسوں

---

[1] بستان المحدثین۔

میں پوری پڑھ لی تھی۔ اور ہر مجلس چار ساعت کی (ظہر تا عصر) ہوتی تھی۔
اس میں شک نہیں کہ اس قدر تیز پڑھنا قابلِ تعریف ہے لیکن تیز پڑھنے میں یہ نقص بھی ہے کہ تیزی میں پورے طور پر ضبطِ الفاظ مشکل ہوتا ہے اور اکثر عبارت میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر کی تصنیفات میں جو الجھاؤ ہے اُس کا سبب یہی زود خوانی ہے۔

ابنِ حجر زود خوانی کے ساتھ زود نویس بھی تھے مگر نہایت بدخط تھے۔

عہدۂ قضا:-

ابنِ حجر نے منصبِ قضا قبول کرنے سے کئی بار معذرت کی۔ آخر اپنے دوست قاضی القضاۃ جمال الدین بُلقینی کی استدعا پر اس کا نائب بننا قبول کر لیا۔ محرم ۸۲۷ھ / دسمبر ۱۴۲۳ء میں قاہرہ اور اس کے مضافات کا منصبِ قضا اُنھیں تفویض کیا گیا اور تقریباً اکیس برس تک اس عہدے پر فائز رہے جس کے دوران میں بار بار معزول اور بحال کئے جاتے رہے اس کے ساتھ کئی مساجد اور مدارس میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے تھے۔ وہ قاضی، خطیب، محدّث اور ایک مقبول اُستاد تھے۔

اخلاق و عادات:-

ابنِ حجر پاکیزہ اخلاق، شیریں گفتار اور حلیم الطبع بزرگ تھے۔ دوستوں سے حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ حیرت ہے کہ عام زندگی میں جس قدر حلیم الطبع تھے۔ اپنی تصنیفات میں اتنے ہی بے رحم نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر حنفی فقہاء اُن کے قلم کی زد میں آئے ہیں۔ ملا کاتب چلپی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ

"ابن حجر کا قلم لوگوں کے معائب بیان کرنے میں خراب تھا اور زبان اچھی تھی۔ کاش معاملہ الٹا ہوتا کہ اچھی چیز باقی رہتی"۔

وفات :-

ابنِ حجر نے ۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ / ۲۳ فروری ۱۴۴۹ء کو انتقال کیا۔

تصنیفات :-

اُن کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو سے متجاوز ہے۔ زیادہ تر حدیث، رجال اور تاریخ سے متعلق ہیں تاہم ان میں ادب، فقہ اور کلام کے مباحث بھی آ گئے ہیں اُن کی تصنیفات کی، جن میں سے کئی مطالعۂ اسلام کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں، اُن کی زندگی میں بھی بڑی مانگ تھی۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے اُن کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

۱- فتح الباری فی شرح صحیح البخاری۔ ۲- تعلیق التعلیق۔

۳- اللباب فی شرح قول الترمذی و فی الباب۔

۴- اتحاف المہرہ باطراف الاسانید العشرہ۔

۵- اطراف المسند المتعالی۔ ۶- تہذیب التہذیب۔

۷- تقریب التہذیب۔ ۸- احتفال ببیان الرجال

۹- طبقات الحفاظ۔

۱۰- الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف۔

۱۱- نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ۔

۱۲- ہدایۃ الرواۃ فی تخریج احادیث المصابیح والمشکوٰۃ۔

۱۳- تخریج احادیث الاذکار۔ ۱۴- الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔

۱۵- الاحکام لبیان ما فی القرآن من الابہام ۱۶- نخبۃ الفکر فی مصطلع اہل الاثر

۱۷- شرح نخبۃ الفکر (نزھت النظر فی توضیح نخبۃ الفکر)

۱۸- الافصاح ۱۹- لسان المیزان

۲۰۔ تبصیر المنبہ فی تحریر المشتبہ۔

۲۱۔ نزھت السامعین فی روایت الصحابہ عن التابعین۔

۲۲۔ المجموع العام فی آداب الشراب والطعام و دخول الحمام۔

۲۳۔ الخصال المکفرہ۔ ۲۴۔ توالی التابیس۔

۲۵۔ فہرس المرویات۔ ۲۶۔ نعم السوح والانوار۔

۲۷۔ انباء الغمر بانباء العمر۔ ۲۸۔ الدرالکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ۔

۲۹۔ بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام۔ ۳۰۔ قوۃ الحجاج۔

۳۱۔ الخصال لموصلہ للظلال۔ ۳۲۔ بذل الماعون فی فضل من صبر فی الطاعون۔

۳۳۔ الامتناع بالاربعین المتباینہ بشرط السماع۔

۳۴۔ مناسک الحج۔ ۳۵۔ الاحادیث العشاریہ۔

۳۶۔ الاربعون العالیہ لمسلم علی البخاری۔ ۳۷۔ دیوان الشعر۔

۳۸۔ دیوان الخطب الازہریہ۔ ۳۹۔ امالی حدیثیہ۔

ابن حجر عسقلانی کی طرف بعض ایسی کتابیں بھی منسوب ہوگئی ہیں جو اہلِ تحقیق کی نگاہ میں اُن کی کاوش قرار نہیں دی جاسکتیں مثلاً۔

۱۔ المنبہات۔ معروف و متداول کتاب ہے۔ اِس میں عربی زبان و ادب کی کئی خامیاں پائی جاتی ہیں نیز فن حدیث سے مؤلف واقف معلوم نہیں ہوتا اور حافظ ابن حجر جیسے ادیب، شاعر اور محدّث سے ان اغلاط کا امکان کم ہے۔

۲۔ غیطۃ الناظر فی ترجمۃ الشیخ عبدالقادر

ابنِ ماجہ

ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ الملقب بہ ابن ماجہ ۲۰۹ھ/۸۲۴ء میں ایران کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے۔ ابن ماجہ کے لقب کے بارے میں تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ اُن کے والد یزید، ماجہ کے نام سے مشہور تھے اس لیے بطور کنیت ابنِ ماجہ مشہور ہوئے۔ قبیلہ ربیعہ سے اُن کا رشتۂ موالات تھا اس لیے "الربعی" یا "مولی ربیعہ" بھی کہلاتے ہیں۔

قزوین علماء و فضلا کا مرجع تھا۔ اُس زمانے میں علی بن محمد طنافسی (م ۲۳۳ھ) عمرو بن رافعی ابوحجر بجلی (م ۲۳۷ھ) اسماعیل بن ابوسہل (م ۲۴۷ھ) ہارون بن موسیٰ التمیمی (م ۲۴۸ھ) اور محمد بن ابی الخالد قزوینی مسندِ درس و افتاء پر فائز تھے۔ امام ابن ماجہ نے ان ہی محدثین وقت سے استفادہ کیا۔

اُن کی ابتدائی زندگی کے حالات زیادہ نہیں ملتے البتہ اُن کے تعلیمی سفروں کا ذکر آتا ہے۔ اُنہوں نے عرب، عراق، شام، مصر اور خراسان کے اکثر بلاد کا سفر کیا اور حدیث کی سماعت کی۔

ابن ماجہ ۲۲ رمضان المبارک ۲۷۳ھ/۱۸ فروری ۸۸۷ء کو قزوین میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کئے گئے۔ المعتمد الی اللہ عباسی کا دورِ خلافت تھا۔ واضح رہے کہ صحاح ستہ کے تمام مصنفین، سوائے امام نسائی (م ۳۰۳ھ) کے اسی خلیفہ کے عہد میں فوت ہوئے۔

تصنیفات: امام ابن ماجہ کی مندرجہ ذیل تصنیفات کا تذکرہ ملتا ہے

۱۔ التفسیر ۲:۔ التاریخ۔ عہدِ صحابہ تا عہدِ مصنف

۳۔ السنن ابن ماجہ۔ سنن میں ۴۳۴۱ احادیث ہیں ان میں سے ۳۰۰۲ حدیثیں وہ ہیں جو صحاح کی باقی پانچ کتابوں میں بھی موجود ہیں باقی "۱۳۳۹" زوائد ابن ماجہ میں سے ہیں۔

شروح سنن ابن ماجہ:۔ سنن ابن ماجہ پر اہلِ علم نے کثرت سے شروح و حواشی لکھے ہیں۔ کچھ اہم شرحیں اور تعلیقات یہ ہیں۔

۱۔ شرح ابن ماجہ۔ حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ حنفی (م ۷۶۲ھ) نامکمل شرح ہے۔ خطی نسخے ملتے ہیں۔

۲۔ شرح ابن ماجہ۔ ابن رجب حنبلی (م ۷۹۵ھ)

۳۔ بما تمس الیہ الحاجہ علی سنن ابن ماجہ۔ شیخ سراج الدین عمر بن علی الملقن (م ۸۰۴ھ)

۴۔ الدیباجہ۔ شیخ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری (م ۸۰۸ھ)

۵۔ مصباح الزجاجہ۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۶۔ نور مصباح الزجاجہ۔ شیخ علی بن سلیمان مالکی۔ سیوطیؒ کی شرح کی تلخیص ہے۔

۷۔ شرح ابن ماجہ — ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی (م ۱۱۸۳ھ)

۸۔ انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ — شیخ عبدالغنی بن ابی سعید مجددی (م ۱۲۹۵ھ)

۹۔ حاشیہ بر سنن ابن ماجہ — فخر الحسن گنگوہی۔

۱۰۔ مفتاح الحاجہ — شیخ محمد ہزاروی۔

۱۱۔ المجرّد فی اسماء الرجال ابن ماجہ — امام ذہبی۔

۱۲۔ ماتمس بہ الحاجہ — عبدالرشید نعمانی

۱۳۔ تعلیقات ابن ماجہ — شیخ محمد فؤاد عبدالباقی۔

ابوتمام حبیب

حبیب بن اوس اپنے بیٹے تمام کے بقول ۱۸۸ھ/۸۰۴ء میں پیدا ہوا لیکن ایک دوسرے بیان کے مطابق جو خود ابوتمام سے منقول ہے وہ ۱۹۰ھ/۸۰۶ء میں "جاسم" نامی گاؤں میں پیدا ہوا۔ یہ گاؤں دمشق اور طبریہ کے درمیان واقع ہے۔

حبیب کا خاندان عیسائی تھا اور اُس کے والد "تادوس" کی دمشق میں شراب کی دکان تھی۔ ابوتمام نے اپنے والد کا نام "اوس" کر دیا اور ایک فرضی نسب نامہ وضع کر کے قبیلہ طے سے نسبت جوڑ لی۔ اس فرضی نسب نامہ کی وجہ سے ہجویہ اشعار میں اس کا بہت مذاق اُڑایا گیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے تذکرہ نگاروں نے اِس نسب نامہ کو صحیح تسلیم کر لیا اور ابوتمام کو "الطائی" کہا جانے لگا۔

ابوتمام کا عہدِ جوانی دمشق کے ایک جولاہے کے مددگار کی حیثیت سے گزرا۔ ازاں بعد وہ مصر چلا گیا۔ جہاں جامع کبیر میں سقہ کے طور پر کام کرتا رہا۔ اور اس کے ساتھ عربی نظم اور اس کے اصول و قواعد کا مطالعہ کرتا رہا۔

مصر سے ابوتمام شام آ گیا اور خلیفہ المعتصم کے زمانہ میں عام شہرت حاصل کی۔ ۲۲۳ھ/۸۳۸ء کو عموریہ کی تباہی کے بعد معتزلی قاضی القضاۃ احمد بن ابی داؤد نے اسے خلیفہ کی بارگاہ میں سامرا بھیجا۔ اُس وقت سے ابوتمام کی زندگی کا وہ دور شروع ہوا جس میں وہ ایک نامور قصیدہ گو مانا گیا۔ خلیفہ کے علاوہ اس نے کئی اعلیٰ حکام کی شان و منقبت میں قصائد لکھے ہیں۔

ابوتمام نے اہم اشخاص کی ملاقات کے لیے سفر بھی کیے۔ نیشاپور کے والی عبداللہ

بن طاہر سے ملاقات کے لیے اُس کا سفر بہت مشہور ہے۔ عبداللہ انعام واکرام دینے میں اُس کی توقعات پر پورا نہ اترا اور نیشا پور کی آب و ہوا بھی اُسے راس نہ آئی اِس لیے جلدی ہی واپس آگیا۔ راستے میں برفباری کے باعث ہمدان میں رُک گیا۔ ہمدان میں ابوالوفابن سَلَمہ کے کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشہورترین مجموعہ اشعار "الحماسہ" مرتب کیا۔

ابوتمام وفات سے دو سال پہلے موصل کا صاحب البرید (پوسٹ ماسٹر) مقرر ہوا۔ یہیں ۲ محرم ۲۳۲ھ / ۲۹۔ اگست ۸۴۶ء کو فوت ہوا۔

ابوتمام سانولے رنگ کا طویل القامت شخص تھا اور بدویوں کا سا لباس پہنتا تھا۔ وہ نہایت شُستہ اور فصیح عربی بولتا تھا لیکن آواز میں کرختگی اور زبان میں کسی قدر لُکنت تھی اِس لیے وہ اپنا کلام اپنے راوی صالح سے پڑھوایا کرتا تھا۔

ابوتمام کا دیوان الصولی نے بہ ترتیب حروف ہجی اور علی بن حمزہ الاصفہانی نے بہ لحاظِ مضامین جمع کیا ہے۔ دیوان کے کئی ایڈیشن قاہرہ، بیروت اور برصغیر کے مطابع سے شائع ہو چکے ہیں۔

ابوتمام نے عربی شاعری کے مندرجہ ذیل انتخاب مرتب کئے ہیں۔

۱۔ الحماسہ :۔ مدارسِ عربیہ کے نصاب میں شامل ہے۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے اردو ترجمہ اور شرح "تسہیل الدراسہ" لکھی ہے۔

۲۔ حماسۃ الصغریٰ یا الوحشیات۔ ۳۔ اختیار الشعراء الفحول۔

۴۔ الاختیارات من شعر الشعراء و مدح الخلفاء و اخذ جوائزہم۔

۵۔ الاختیارات من اشعار القبائل۔ ۶۔ اختیار المقطعات۔

آخرالذکر تین کتابوں کے محض نام ہی ملتے ہیں۔

ابو حیّان النحوی

ابو حیّان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیّان. شوال ۶۵۴ھ / نومبر ۱۲۵۶ء میں غرناطہ میں پیدا ہوا۔ ابو الحسن ابدی، ابو جعفر بن زبیر، ابن صائغ اور ابو جعفر لیلی سے تعلیم حاصل کی۔ یہ حضرات نحو میں یگانۂ روزگار تھے۔ استاد خطیب ابو محمد عبد الحق سے تجوید کا فن سیکھا۔ ان کے بعد ابو جعفر غرناطی اور حافظ ابو علی حسین بن عبد العزیز سے مشق قرأت کی۔

حدیث کی تحصیل کے لیے علمائے عصر کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ عبد الحلیم شرر کے بقول ابو حیّان نے حدیث میں ساڑھے چار سو آئمہ کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔

فقہ شیخ علم الدین عراقی سے، منطق اور علم کلام ابو جعفر بن زبیر سے پڑھا۔ منطق کی بعض کتابیں علامہ بدر الدین محمد بن سلطان بغدادی سے پڑھیں۔

اساتذہ کی مخالفت :-

ابو حیّان دورانِ تعلیم ہی میں خاصے مشہور ہو گئے۔ فارغ التحصیل ہوئے تو مرجع طلبہ بن گئے۔ ابو حیّان کی زندگی میں خود اپنے اساتذہ کی مخالفت کرنا بہت مشہور ہے۔ اُنھوں نے عنفوانِ شباب میں اپنے اساتذہ ابن زبیر وغیرہ کی غلطیاں گنائیں۔ اِس سے اُنھیں بہت رنج ہوا اور ابو حیّان کو ہدفِ تنقید بنایا۔ ابو حیّان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ابن زبیر کی روایات اور اصولوں کو غلط ثابت کرنے میں تصنیف و تالیف کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اسی طرح ابن طباع کی تردید میں ایک کتاب "الماع" لکھی۔

ابن زبیر اور ابن طباع وقت کے صاحبِ اختیار رئیس محمد بن نصر کے پاس شکایت لے کر گئے چنانچہ محمد بن نصر نے ابو حیّان کی گرفتاری کا فرمان جاری کر دیا۔ ابو حیّان کو گرفتاری

کا علم ہوا تو ۶۷۸ھ/۱۲۷۶ء کو ترکِ سکونت کر کے مصر کو روانہ ہو گیا۔

سیر و سیاحت:۔

ابو حیانؔ نے غرناطہ سے سکندریہ کے سفر میں ابوالقاسم خرقانی کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ سکندریہ کے قیام میں شیخ عبد النصر بن علی بن یحییٰ مرلوطی سے ایک بار پھر تجوید کے گُر سیکھے اور پورا قرآن مجید سنایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوحیان کو عمر کے کسی حصہ میں بھی کسی عالم کے زمانے زانوئے تلمذ تہہ کرنے میں عار نہ تھی۔

سکندریہ سے ایک طویل علمی سفر پر روانہ ہوا۔ مصر، عراق، شام، حجاز، یمن اور بلادِ سوداں وغیرہ کی سیر کی۔ ہر معروف اور صاحبِ نظر عالم کے حضور میں بیٹھا۔

علمی تفوق:۔

ابو حیانؔ نے نحو میں ایسا مقام حاصل کیا کہ اُن کا فرمایا ہوا مستند خیال کیا جاتا ہے۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے نحو میں "جمع الجوامع" لکھی جو اپنے موضوع پر عمدہ کتاب خیال کی جاتی ہے اس کے بارے میں خود سیوطی لکھتے ہیں کہ میں نے اِس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے۔ ابو حیانؔ کی تصانیف سے لیا ہے۔

ابوحیان کو اپنے پیش رو نحویوں کی مساعی پر پورا عبور حاصل تھا۔ سیبویہ کی الکتاب اُسے زبانی یاد تھی[1]۔ دورانِ درس سیبویہ، ابن مالک اور اپنی تصانیف پیش نظر رکھتا تھا۔ کافیہ۔ ابن حاجب بالکل پسند نہ کرتا تھا اور اسے "ھذا نحو الفقھا" کہہ کر مذاق اڑاتا تھا۔

ابو حیانؔ کے معاصر صلاح الدین صفوی نے اُس کے بارے میں لکھا ہے "کان امیر المومنین فی النحو"[2]

مزاج:۔ ابوحیان کے مزاج میں تندی و تیزی اور تفاخر کے ساتھ بخل پایا جاتا

---

[1] دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱، م ۱۱۹۷۔ [2] سیرِ علما

تھا اس کی ضرورت سے زیادہ کفایت شعاری کے بارے میں کئی اشعار ملتے ہیں اپنی بیٹی نضار سے بے پناہ محبت کرتا تھا ۷۳۰ھ میں یہ بیٹی فوت ہوئی تو ایک سال تک گوشہ نشین رہا اور معمولاتِ زندگی سراسر بدل گئے۔

وفات :-

ابو حیانؔ کی تاریخِ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک رائے کے مطابق وہ ۷۴۳ھ/۱۳۴۲ء میں فوت ہوا ۔ دوسری روایت کے مطابق سالِ ارتحال ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء ہے۔

تصنیفات :-

دائرۃ المعارف اسلامیہ کی تحقیق کے مطابق ابو حیانؔ سے عربی اور دوسری زبانوں میں ۶۵ کتابیں یادگار رہیں جن میں سے پندرہ آج موجود ہیں۔ باقی دستبردِ زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں اہم تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ البحر المحیط۔ قرآن مجید کی مبسوط تفسیر ہے۔ ابن مکتوم نے الدر اللقیط من البحر المحیط کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔

۲۔ النہر الماد من البحر :- خود ابو حیانؔ نے اپنی تفسیر کا خلاصہ تیار کیا ہے۔

۳۔ شرح التسہیل ۴۔ منہج السالک یعنی شرح الفیہ ابن مالک۔

۵۔ ارتشاف الضرب من السنۃ العرب

۶۔ الادراک للسان الاتراک۔ ترکی زبان کی صرف و نحو اور لغت۔

۷۔ ہدایۃ النحو ۸۔ دیوان (اشعار)

تلامذہ :- ابو حیانؔ نے کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ ابن عقیل اور ابن ہشام جیسے شاگرد بھی تیار کئے۔

ابوداؤد سجستانی

ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق ۲۰۲ھ/ ۸۱۷ء میں سجستان میں پیدا ہوئے۔ یاقوت حموی نے سجستان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ خراسان کے اطراف میں ہے اور اس کو سجز بھی کہتے ہیں اس لیے امام ابوداؤد سجستانی یا سجزی کی صفتِ نسبتی سے یاد کیے جاتے ہیں۔

امام موصوف کی ابتدائی زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ تاہم اتنا واضح ہے کہ انھوں نے مختلف بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا اور مشائخِ حدیث سے استفادہ کیا۔ اُن کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، قعنبی، ابوالولید طیالسی، مسلم بن ابراہیم اور یحییٰ بن معین کے نام ملتے ہیں۔

امام موصوف کی زندگی کا زیادہ حصہ بغداد میں گزرا اور وہیں انھوں نے اپنی اہم تالیف "السنن" کی تکمیل کی۔ ۲۷۱ھ میں بغداد سے بصرہ چلے گئے اور چار سال بعد شوال ۲۷۵ھ/ فروری ۸۸۹ء میں وہیں رحلت فرمائی۔

اُن کے صاحبزادے ابوبکر عبداللہ (م ۳۱۶ھ) بھی اکابر محدثین میں شمار ہوتے تھے۔

تصنیفات:۔

امام ابوداؤد سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ السنن ابی داؤد۔	۲۔ کتاب المراسیل۔
۳۔ الرد علی القدریہ۔	۴۔ الناسخ والمنسوخ۔
۵۔ کتاب المسائل	۶۔ کتاب بدء الوحی۔

۷۔فضائل الانصار۔ ۸۔کتاب الدعاء۔
۹۔کتاب شریعۃ التفسیر۔ ۱۰۔فضائل الاعمال۔
۱۱۔کتاب الزہد۔ ۱۲۔دلائل النبوۃ۔
۱۳۔کتاب اخبار الخوارج ۱۴۔کتاب التفرد۔
۱۵۔کتاب التفسیر۔ ۱۶۔کتاب نظم القرآن
۱۷۔کتاب فضائل القرآن ۱۸۔کتاب البعث والنشور
۱۹۔کتاب شریعۃ المقاری۔

شروح سنن ابی داؤد:۔ سنن ابی داؤد کے بارے میں ایک روایت ملتی ہے کہ امام ابوداؤد نے کتاب امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی زندگی میں مکمل کرلی تھی اور انھوں نے دیکھنے کے بعد اسے پسند کیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کتاب کا زمانہ تصنیف ۲۴۱ھ سے پہلے کا ہے سنن میں اُن احادیث کا استیعاب کیا گیا ہے جن سے ائمہ فقہ نے استدلال کیا ہے اور اُن میں مروج ہیں۔

سنن ابی داؤد کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ مولانا محمد زکریا نے ۲۲ شروح و حواشی کا ذکر اپنے افادات میں کیا ہے۔ چند اہم شرحیں یہ ہیں۔

۱۔معالم السنن۔ خطابی (م ۲۸۸ھ)

۲۔مرقاۃ الصعود۔ جلال السیوطی (م ۹۱۱ھ) اس کی تلخیص علامہ دمنتی نے کی ہے۔

۳۔المجتبیٰ۔ منذری۔ ۴۔تہذیب السنن۔ امام ابن قیم۔
۵۔غایۃ المقصود۔ شمس الحق ڈیانوی۔ ۶۔عون المعبود۔ شمس الحق ڈیانوی۔

اس شرح کی تالیف میں شارح کے بھائی محمد اشرف ڈیانوی نے بھی تعاون کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں نے اسے محمد اشرف ڈیانوی کی طرف منسوب کردیا ہے۔

۷۔ فتح الودود۔
۸۔ التعلیق المحمود ——— فخر الحسن گنگوہی۔
۹۔ بذل المجہود ——— خلیل احمد سہارنپوری۔
۱۰۔ المنہل العذب المورود۔

اثیر الدین ابہری

اثیر الدین مفضل بن عمر الابہری حنفی نے کمال الدین ابن یونس اور امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ/ ۱۲۱۰ء) سے استفادہ کیا تھا۔ ۶۲۵ھ/ ۱۲۲۸ء میں موصل سے اربیل چلا گیا۔ ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۳ء میں وفات پائی[1]۔ ولیم بیل نے سال وفات ۷۴۵ھ/ ۱۳۴۴ء لکھا ہے[2]۔ جو درست نہیں۔

اثیر الدین الابہری سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ ہدایت الحکمت (منطق و فلسفہ) منطق، طبیعات اور الٰہیات تین حصوں پر منقسم ہے۔ مقبول عام متن ہے۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ میر حسین ابن معین الدین میبذی اور ملا صدر الدین شیرازی کی شرحیں متداول ہیں۔

۲۔ الیساغوجی (الاثیریہ فی المیزان) الیساغوجی یونانی لفظ ہے اور حکمائے یونان میں سے ایک کا نام ہے۔ اثیر الدین کی تالیف فورفیریوس کی کتاب سے مقتبس ہے۔ اس کا متن لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۰۵۴ھ/ ۱۶۴۵ء میں روم میں طبع ہوا۔

۳۔ شرح الیساغوجی ۔ ۴۔ الزیج الشامل (ہیئت)

۵۔ مختصر فی علم الہیئت ۔ ۶۔ رسالہ فی الاسطرلاب

۷۔ کشف الحقائق فی تحریر الدقائق ۔ ۸۔ زبدۃ الاسرار (فلسفہ)

---

[1] قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے علمی کارنامے جلد دوم ۲: ۲۴۵

[2] An Oriental Biographical Dictionary PP. 83

احمد بن حسین الکندی

احمد بن حسین نام، ابوالطیب کنیت اور المتنبّی عُرف ہے۔ وہ ۳۰۲ھ/۹۱۵ء میں کوفہ کے محلہ کندہ میں پیدا ہوا جہاں اُس کا والد سقّہ کا کام کرتا تھا۔ اِس حوالے سے متنبی کی ہجو بھی کی گئی ہے۔ جب کبھی نسب کے بارے میں اُس سے پوچھا جاتا تھا تو کہہ دیتا تھا کہ وہ ایک اخبط القبائل شخص ہے لیکن بعد میں اُس نے اپنا شجرۂ نسب حضرت علیؓ سے ملا لیا تھا۔

احمد نے ابتدائی تعلیم کوفہ میں حاصل کی۔ اُس کا زیادہ وقت اہلِ علم کی محفلوں اور کتب فروشوں کی دکانوں پر گزرتا تھا بے پناہ قوتِ یادداشت کا مالک تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ اُس نے ساٹھ صفحات کی کتاب ایک بار دیکھ کر یاد کر لی تھی۔ جو نظم اُس کے سامنے پڑھی جاتی اسے یاد ہو جاتی تھی۔

احمد، کوفہ سے اپنے والد کے ساتھ دمشق (شام) منتقل ہو گیا۔ یہاں اُس نے عرب بدوؤں کے مختلف لہجے اور اُن کی زبانوں کی تحقیق کے لئے طویل سفر کئے۔ اِسی شوقِ زباندانی میں بنو کلب میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ محنت اور قوی حافظہ کی بدولت "لُغت" میں اپنے وقت کا ممتاز ترین فرد تھا۔ شیخ ابو علی فارسی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اُس سے دریافت کیا کہ فِعْلیٰ کے وزن پر کتنی جمعیں آتی ہیں؟ متنبّی نے معاً جواب دیا کہ دو حُجلیٰ اور ظِربیٰ۔ شیخ ابو علی فارسی کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد تین دن تک کتبِ لُغت کی ورق گردانی کرتا رہا مگر مجھے ان دو کے سوا اِس وزن کی کوئی اور جمع نہ مل سکی۔ حُجلیٰ حجل کی جمع ہے۔ حجل عربی میں چکور کو کہتے ہیں اور ظِربیٰ، ظربان کی جمع ہے جو بلّی جیسے

ایک بدبو دار جانور کا نام ہے۔[1]

احمد بلند پایہ شاعر اور فصیح اللسان ادیب تھا۔ اُسے اپنے کلام پر اس قدر ناز تھا کہ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اسی نسبت سے المتنبی (یعنی جھوٹا نبی) مشہور ہوا۔ یہ بھی روایات میں ملتا ہے کہ اُس نے قرآن مجید کے مقابلہ میں چند نظمیں لکھی تھیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اُس کی یہ نظمیں نقل کی ہیں اپنی نبوت کے حق میں چند شعبدے بھی دکھاتا تھا۔ مولانا اعزاز علیؒ نے "مقدمہ دیوانِ متنبی" میں اِمساک باراں کے شعبدہ کا ذکر کیا ہے۔[2]

ایک دفعہ اُسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی گئی۔ "لا نبی بعدی" (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں) تو کہنے لگا کہ اِس حدیث میں میرے بارے میں پیشی گوئی کی گئی ہے کہ "لا" میرے بعد نبی ہوگا اور "لا" میرا نام ہے۔

قبیلہ بنو کلب کے بعض افراد اُس کے پیروکار بن گئے تھے۔ اُس کے پھیلتے ہوئے فتنہ و فساد کو اخشیدی گورنر لولوء نے ختم کیا اور مقابلہ کر کے اُسے گرفتار کر لیا۔ طویل عرصہ تک قید خانہ میں پڑا رہا۔ آخر کار اپنے دعویٰ کے جھوٹے ہونے کا اقرار کیا اور صحیح العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے ایک دستاویز پر دستخط کر کے رہا ہوا۔

قید سے رہا ہونے کے بعد معاشی طور پر پریشان اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ علی بن منصور حاجب کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اُس نے صرف ایک دینار انعام دیا۔ اسی نسبت سے یہ قصیدہ "دیناریہ" کہلاتا ہے حالانکہ شاعر کو عام طور پر ایک قصیدہ کے عوض پانچ یا دس درہم ملتے تھے۔

۳۳۷ھ/۹۴۸ء میں حلب گیا اور سیف الدولہ حمدانی سے متعارف ہوا۔ سیف الدولہ حمدانی علم پرور اور دانش مندوں کا قدردان تھا۔ اُس کے دربار میں "کتاب الاغانی" کا

---

[1] منقول از تلبیس ۲: ۳۵ ۔ [2] مقدمہ دیوان متنبی ۔

مؤلف ابوالفرج اصفہانی اور شہرۂ آفاق فلسفی ابونصر فارابی جیسے اہلِ قلم موجود تھے۔ متنبّی کو اس محفل میں اپنا مقام مِل گیا۔ سیف الدولہ اُس کا خاص طور پر خیال رکھتا تھا کئی مہمات میں اُسے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ تقریباً نو سال حلب میں گزار کر متنبی سیف الدولہ کے دربار سے الگ ہو گیا۔

۳۴۶ھ/ ۵۸-۹۵۷ء میں اخشیدی حکمران کافور کے پاس مصر چلا گیا۔ کافور نے اُس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اُسے کسی علاقہ کا عامل بنا دیا جائے گا۔ کافور نے اپنے وعدہ کا ایفا نہ کیا اور متنبی سے کہا کہ "جِس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اس سے کچھ بعید نہیں کہ کل کو کافور کی مملکت میں شریک و سہیم ہونے کا دعوےٰ کر دے"۔ کافور سے متنفر ہو کر متنبی بغداد گیا اور آخر میں بویہ خاندان کے حکمران عضدالدولہ کے پاس شیراز چلا گیا۔

۳۵۴ھ/ ۹۶۵ء میں شیراز سے کوفہ جا رہا تھا۔ اُس کے پاس خطیر رقم تھی۔ کوفہ کے قریب اُس پر بنی اسد کے رہزنوں نے حملہ کر دیا۔ وہ میدان سے بچ کر نکلنا چاہتا تھا کہ اُس کے غلام نے کہا کہ آپ میدانِ مبارزت سے کیوں ہٹ رہے ہیں جب کہ آپ کا شعر ہے ؎

فالخیل واللیل والبیداء تعرفنی
والسیف والرمح والقرطاس والقلم

(رہوارِ جنگ، شبِ تاریک اور بیکراں ریگستان مجھے جانتے ہیں
تلوار، نیزہ اور کاغذ و قلم بھی۔ یعنی میں رزم و بزم میں یکتائے روزگار ہوں)

متنبی غلام کی زبان سے اپنا شعر سن کر واپس ہوا اور اس ہنگامہ میں کام آگیا۔ یہ حادثہ ۲۸۔ رمضان ۳۵۴ھ کو پیش آیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عضد الدولہ سے اُس کی اَن بَن ہوگئی تھی اور اُسی کے بھیجے ہوئے آدمی متنبی پر حملہ آور ہوئے تھے۔

متنبی کے کلام کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور آج عربی زبان وادب کا کوئی طالب علم اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔

احمد بن شعیب نسائی

خراسان اور ماوراالنہر کا علاقہ علم وفن اور اربابِ کمال کا مرکز رہا ہے۔ تاریخ اسلام کے سینکڑوں نامور فاضل اِس خطہ میں پیدا ہوئے۔ نساء اسی علاقہ کا ایک شہر ہے جو مرو کے قریب واقع ہے اور اِسے امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن دینار نسائی کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے۔

امام نسائی ۲۱۵ھ/۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم نساء میں حاصل کی۔ ۲۳۰ھ/۴۵-۸۴۴ء میں حصولِ علم کی خاطر وطن چھوڑ کر خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر کا سفر کیا۔ اُنہوں نے امام بخاری، ابوداؤد، قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ، علی بن حجر، سلیمان بن اشعث اور محمد بن بشار جیسے محدثینِ وقت سے اکتسابِ فیض کیا۔

امام نسائی کی زندگی کا بڑا حصہ مصر میں گزرا۔ ذوالقعدہ ۳۰۲ھ/۹۱۵ء میں دمشق گئے۔ اور یہاں خوارج نے شیعیت کے الزام میں زدوکوب کیا۔ ابھی اُن میں کچھ جان باقی تھی کہ لوگ انہیں رملہ (بیت المقدس کے قریب ایک بستی) لے گئے۔ اور وہیں ۱۳ صفر ۳۰۳ھ/ ۲۸۔ اگست ۹۱۵ء کو اُن کا انتقال ہوا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ دمشق سے مکہ معظمہ لے جائے گئے تھے۔

تصنیفات :-

امام نسائی کی حسبِ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ خصائص علی رضؓ ۔ ۲۔ فضائلِ صحابہ۔

۳۔ مسندِ مالک۔ ۴۔ عمل یوم ولیلہ۔

۵۔ اسماء الرواۃ والتمیز بینہم

۶۔ کتاب الضعفاء

۷۔ مسند منصور بن زاذان

۸۔ مااغرب شعبہ علی سفیان وسفیان علی شعبہ

۹۔ مسند علی ۱۰۔ السنن الکبریٰ

۱۱۔ السنن الصغریٰ (المجتبیٰ من السنن الکبریٰ)

کہا جاتا ہے کہ امام نسائی نے "السنن الکبریٰ" ترتیب دی تو امیر رملہ نے دریافت کیا کہ آپ کی یہ تالیف تمام تر صحیح ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں۔ امیر رملہ نے درخواست کی کہ صحیح احادیث کو الگ ایک مجموعہ میں ترتیب دیا جائے۔ چنانچہ السنن الصغریٰ (المجتبیٰ من السنن الکبریٰ) وجود میں آئی۔

شروح وتعلیقات سنن نسائی:

سنن نسائی پر بہت زیادہ شروح وتعلیقات نہیں لکھی گئیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ سنن کا انداز نہایت آسان اور اس کے تراجم واضح ہیں جن میں کوئی اشکال نہیں۔

چند اہم شروح وحواشی یہ ہیں:

۱۔ الامعان فی شرح السنن النسائی ابی عبدالرحمان۔ علامہ ابوالحسن علی بن عبداللہ انصاری (م ۵۰۷ھ)

۲۔ زہر الربیٰ علی المجتبیٰ۔ حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۳۔ شرح ابن الملقن۔ ابوحفص عمر بن علی سراج (م ۸۰۴ھ)

۴۔ تعلیقات علی السنن النسائی۔ محمد بن عبدالہادی سندھی (م ۱۱۳۸ھ)

۵۔ تعلیقات علی السنن النسائی۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ و مولانا خلیل احمد سہارنپوری۔ (غیر مطبوعہ)

۶۔حاشیہ السنن النسائی۔ شیخ ابو عبد الرحمان محمد لکھوی ؒ

۷۔حاشیہ شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی۔

۸۔التعلیقات السلفیہ۔ مولانا محمد عطا اللہ حنیف بھوجیانی

فاضل تعلیقات نگار نے اس شرح میں زہر الربی (سیوطی) تعلیقات محمد بن عبد الہادی سندھی اور حاشیہ شیخ حسین بن محسن انصاری کو یکجا کر دیا ہے۔ احادیث کا شمار کیا ہے حال ہی میں دوسری بار مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

احمد بن علی بن مسعود

احمد بن علی بن مسعود۔ "مراح الارواح" کے مؤلف ہیں۔ اُن کے حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہو سکے۔ "مراح الارواح" پر کئی شرحیں اور حاشیے لکھے گئے ہیں مگر شارحین بھی مؤلف کے حالات پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے۔

احمد جیون

ملّا جیون کا نام احمد اور اُن کے والد کا نام ابو سعید تھا۔ شجرۂ نسب یہ ہے شیخ احمد بن ابو سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن خاصہ۔ مؤلف "تذکرہ علمائے ہند" کے مطابق خاندانِ صدیق رضؓ کے چشم و چراغ تھے۔[1]

۲۵ شعبان ۱۰۲۷ھ / ۱۶۔ اگست ۱۶۱۸ء کو لکھنؤ کے قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے اُن کے جد امجد مخدوم خاصہ امیٹھی کے معروف اہل اللہ میں سے تھے۔ اُن کی والدہ اورنگ زیب عالمگیر کے داروغہ مطبخ (میر آتش) عبداللہ عرف عزت خاں امیٹھوی کی بہن تھیں۔

تعلیم و تربیت

ملّا جیون کی ابتدائی زندگی امیٹھی میں گزری۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور بقول خود اگرچہ قواعدِ تہجی اور اعراب سے واقف نہ ہوئے تھے تاہم الفاظ، جملے اور عبارت صحت سے پڑھ لیتے تھے۔[2] علوم متداولہ کی تحصیل اپنے دور کے معروف علماء سے کی اور ملا لطف اللہ کوڑہ جہاں آبادی سے فاتحۂ فراغ پڑھا۔ ۲۲ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے تھے اور طلبہ کو درس دینے لگے تھے۔

حافظہ:۔

ملّا موصوف کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ ایک بار کوئی قصیدہ سن لیتے تو پورا

---

[1] تذکرہ علمائے ہند: ۱۵۵

[2] خود نوشت سوانح منقولہ الفرقان ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ

یاد ہو جاتا تھا۔ درسی کتابوں پر اس قدر عبور تھا کہ بغیر دیکھے عبارت پڑھتے تھے۔[۱]

سفرِ حج :۔

چالیس سال کی عمر میں اجمیر اور دہلی میں قیام پذیر تھے۔ یہاں درس و تدریس کا شغل جاری تھا۔ طلبہ پروانہ وار اُن کی مجلسِ درس میں شرکت کرتے تھے۔

۵۵ سال کی عمر میں پہلی بار حج کا فریضہ ادا کرنے کے لئے سفر کیا۔ قدرے دکن میں ٹھہرے۔ پانچ سال حرمین میں قیام کر کے واپس دکن آئے۔ اس کے بعد ایک سے زائد بار حج کی سعادت حاصل کی۔

دربارِ عالمگیری سے تعلق :۔

اورنگ زیب عالمگیر دکن کے سنگستانوں میں کوہ نوردی کر رہا تھا۔ اسی دور میں ان کا شاہی فوج سے تعلق ہوا۔ اور یہیں اورنگ زیب عالمگیر نے شاگردی اختیار کی عالمگیر نے اُن سے کئی کتابیں پڑھیں اور عمر بھر اُن کا احترام کرتا رہا۔ اُن سے فرزندوں کی طرح پیش آتا تھا۔ ملا موصوف کی سادہ لوحی اور عالمگیر کی سعادت مندانہ اطاعت کے قصے اور لطیفے عام ہیں۔[۲]

حجِ ثانی :۔

خیال پیدا ہوا کہ والدین کی طرف سے "حج بدل" کیا جائے والد کو خواب میں دیکھا کہ وہ حج کے طلب گار ہیں آخر ۱۱۱۲ھ میں عالمگیر سے اجازت حاصل کر کے دوبارہ ارضِ حجاز کا رُخ کیا۔ تین سال بعد واپس دکن آئے اور آخر ۱۱۱۶ھ میں وطن مولود امیٹھی کو مراجعت کی۔

اورنگ زیب کے جانشینوں سے تعلق :۔

---

[۱] بزم تیموریہ ص : ۲۲۷ [۲] ماثر الکرام جلد اص ۳۱۶ - ۳۱۷

دو سال وطن میں مقیم رہے۔ محمد معظم بادشاہ کے جلوس کے پہلے سال ۲۵ محرم ۱۱۱۹ھ کو طلبہ اور عقیدت مندوں کے ایک کثیر گروہ کے ساتھ دہلی کا سفر اختیار کیا۔ صفر کے آخر میں دہلی پہنچے۔ بادشاہ معظم موجود نہ تھا۔ دکن سے واپس آتے ہوئے اجمیر میں ملّا موصوف سے ملاقات ہوئی۔ اور بادشاہ انھیں اپنے ساتھ لاہور لے گیا۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور ملّا موصوف دہلی منتقل ہو گئے۔

قیامِ دہلی کے دوران میں فرخ سیر سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے ذریعے اہلِ وطن کی ممکن حد تک حاجت براری کی[1]۔

سانحۂ ارتحال :۔

شروعِ ماہِ ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ سے ہی اپنے سانحۂ ارتحال کی اطلاع دینا شروع کر دی تھی اور چاہتے تھے کہ اپنے وطنِ مولود ہی میں وفات ہو لیکن قضا و قدر کی مصلحت اس کے خلاف تھی۔ ۸ ذی قعدہ کو حسبِ عادت طلبہ کو درس دیا۔ دیگر معمولات بخیر و خوبی انجام دیئے۔ نصف شب گزرنے پر سینے میں کچھ سوزش محسوس کی جو بڑھتے بڑھتے پہلو میں بھی ہونے لگی۔ فرزند عبد القادر قریب ہی تھے۔ انھیں بلا کر بتایا کہ وقت آخر قریب ہے اور یہ کہہ کر جامع مسجد کے جنوبی دالان میں جا کر لیٹ گئے۔ کلمہ طیبہ وردِ زبان تھا کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ملّا عبد القادر کا بیان ہے کہ وصال کی شب کو ایک ٹوٹتے ہوئے ستارے کو دیکھ کر کہنے لگے کہ آج کوئی بہت بڑا عالم و فاضل اس جہان سے رخصت ہونے والا ہے اور یہ سچ ثابت ہوا[2]۔

۹ ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ/ ۴۔ اکتوبر ۱۷۱۸ء کو تکیہ میر محمد شفیع میں اماناً سپرد خاک کئے گئے اور ۴ا محرم ۱۱۳۱ھ کو میت ایک تابوت میں رکھ کر امیٹھی منتقل کی گئی اور وہاں قدیم

---

[1] الفرقان۔ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ [2] الفرقان۔ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ

مدرسہ اسلامیہ سے ملحق قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ شیخ تابع محمد نے جو اُن کے استاد زادے اور شاگرد بھی تھے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا۔

محیط علم آن مولائے اعظم	باحمد عرف جیون شد معلّم
جہاں را روشنی زاں شمع دیں بود	بعلم ظاہر و باطن مسلّم
چو رحلت کرد در ذی قعدۂ تاسع	بوصل دوست خود گشتہ مکرّم
بتاریخش خرد داد بگوشم	ندا از کامل و فیاض عالم

۱۱۳۰

قبر پر "وتیم نعمۃ علیک" کی لوح نصب ہے۔

تصنیفات :-

ملّا جیون کی پوری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری۔ سلسلہ قادریہ میں مرید تھے اور مجاز بیعت بھی۔ سلسلۂ چشتیہ سے بھی ان کا تعلق رہا ہے۔ اُن کے علم وفضل کی حقیقی آئینہ دار تو اُن کی تصنیفات ہیں تاہم مولانا آزاد بلگرامی کی یہ رائے کم وقعت نہیں رکھتی کہ

"حاصلِ کلام الٰہی و در دانش عقلی و نقلی بحر لامتناہی"۔

ملّا موصوف سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ آدابِ احمدی (تصوّف) ۲۔ خطبات جمعہ و عیدین

۳۔ رسالہ در علم تجوید ۴۔ مناقب الاولیاء (فارسی)

۵۔ نورالانوار (اصول فقہ) ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی کی تالیف "منارالانوار" کی شرح ہے۔ یوں تو "منارالانوار" کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں قبولیت صرف "نورالانوار" کو حاصل ہوئی۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ "نورالانوار" کی زبان سادہ، طرزِ بیان دلکش اور طریقۂ استنباط انتہائی آسان ہے۔ مدینہ منورہ

میں ۲۸ ربیع الاول ۱۱۰۵ھ کو اسے لکھنا شروع کیا گیا اور ۷ جمادی الاول ۱۱۰۵ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچی[1] اس شرح کی تالیف میں کسی امدادی کتاب سے استفادہ نہیں کیا گیا۔

۶۔ تفسیر احمدی :۔ یہ تفسیر ۱۰۶۴ھ میں شروع کر کے ۱۰۶۹ھ میں ختم کی۔

۷۔ سوانح بر مجازات لوائح جامی

شاعری

ملّا موصوف کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ مولانا روم کی "مثنوی معنوی" کے طرز پر ایک مثنوی لکھی جس میں چھ دفتر اور کم و بیش ۲۵ ہزار اشعار تھے حافظ شیرازی کے رنگ میں پانچ ہزار اشعار کہے۔ قصیدہ بردہ کے طرز پر گیارہ سو بیس (۱۱۲۰) اشعار کا قصیدہ جدا ہے اس کے علاوہ زیارت حرمین کے سفر میں اس کی شرح بھی لکھ ڈالی۔

مدینہ منورہ کے قیام میں جذبہ شوق میں کئی عربی قصائد لکھے جن کی داد اہلِ مدینہ نے خوب دی[2]۔

---

[1] نور الانوار (خاتمہ)

[2] الفرقان۔ محرم ۱۳۸۵ھ

احمد طحاوی

ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبدالملک بن سلمہ بن سلیم الازدی الحجری ۲۳۹ھ/ ۵۴-۸۵۳ء میں وادی نیل کے ایک گاؤں "طحطوط" میں پیدا ہوئے جو "طحا" کے قریب واقع ہے۔ طحا کی طرف نسبت کی وجہ سے "امام طحاوی" مشہور ہوئے۔ اُن کا نسبی تعلق یمن کے قبیلۂ ازد کی شاخ حجر سے ہے۔

امام طحاوی نے بکثرت اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ مولانا فخرالحسن نے اُن کے شیوخ کی تعداد ۲۴۲ بتائی ہے[1]۔ انہوں نے اپنے ماموں ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی (م ۲۶۴ھ/ ۸۷۷ء) سے سماعت کی ہے اور اُن سے سننِ شافعی کی روایت کرتے ہیں۔

ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی کا شمار امام شافعی کے سربرآوردہ اصحاب میں ہوتا ہے۔ امام طحاوی نے فقہ کی تعلیم اُن سے پائی۔ کہا جاتا ہے کہ دورانِ تعلیم و تعلّم اُستاد شاگرد کے درمیان علمی گفت و شنید ہوئی اور اُستاد اپنے ہونہار شاگرد کے اٹھائے ہوئے سوالات کا پوری طرح اطمینان بخش جواب نہ دے سکتے تھے شاگرد نے اپنی علمی پیاس بجھانے اور چبھتے ہوئے سوالات اور اشکالات کا حل تلاش کرنے کے لئے حنفی فقہ کا مطالعہ شروع کیا حنفی فقہ کے دلائل اور اخذِ مسائل کا انداز اس قدر پسند آیا کہ یہی طرزِ استدلال اپنا لیا۔

امام طحاوی کے شیوخ میں ہارون بن سعید، ابو شریح محمد بن زکریا کاتب عمری،

---

[1] حیات امام طحاوی ص: ۲۶

ابوعثمان سعید بن بشر بن مروان، ربیع بن سلیمان، ابوحارث احمد بن سعید فہری، علی بن معبد بن نوح، عیسیٰ بن ابراہیم غافقی، یونس بن عبدالاعلیٰ، ابوقرہ محمد بن حمید رعینی، مالک بن عبداللہ تجیبی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، ابراہیم بن منقذ خولانی، ابراہیم بن مرزوق، بحر بن نصر خولانی، سلیمان بن شعیب کیسانی وغیرہ اصحاب شامل ہیں۔[1]

امام طحاوی تقریباً اٹھاسی سال عمر پاکر ذی قعدہ ۳۲۱ھ/۹۳۳ء میں فوت ہوئے۔

تصنیفات

امام طحاوی کی کتابوں کی تعداد اسّی کے قریب ہے۔[2] کچھ اہم تصنیفات یہ ہیں۔

۱۔ معانی الآثار:۔ اس تالیف میں اختلافی مسائل کے دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اہلِ علم نے اس کی شرحیں، حاشیے اور تلخیصات تیار کی ہیں۔ چند شارحین اور تلخیص کرنے والوں کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں۔

● حافظ ابومحمد منبجی نے "اللباب" کے نام سے شرح لکھی جس کا ایک جزو مکتبہ ایا صوفیہ آستانہ میں محفوظ ہے۔

● حافظ عبدالقادر قرشی نے اس کی تخریج کی ہے جس کا ایک جزو دارالکتب مصریہ میں محفوظ ہے۔

● حافظ بدرالدین عینی نے دو شرحیں لکھیں۔ نخب الافکار فی شرح معانی الآثار۔ (۸ جلد۔ دارالکتب مصریہ کے ذخیرۂ مخطوطات میں موجود ہے) مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار (۶ جلدوں میں بخطِ مؤلف دارالکتب مصریہ قاہرہ میں موجود ہے)

● حافظ ابن البر نے تلخیص کی۔

● حافظ زیلعی مؤلف "نصب الرایہ" نے بھی تلخیص کی۔

---

[1] حیات امام طحاوی ص:۱۴-۲۶؛ [2] الفہرست (ترجمہ) ص:۴۹۴؛

۵۔ محمد بن محمد بابلی نے "تصحیح معانی الآثار" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

۲۔ کتاب مشکل الآثار (مشکل الحدیث)

بعض احادیث میں بظاہر اختلاف اور تضاد نظر آتا ہے لیکن غور و فکر سے یہ تضاد نہیں رہتا۔ ایسی ہی احادیث زیر بحث لائی گئی ہیں۔ کتاب مشکل الآثار کی چند جلدیں حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہیں۔

۳۔ اختلاف الفقہاء / کتاب الاختلاف بین العلماء

یہ ایک ضخیم کتاب ہے لیکن نامکمل ہے[۱]۔ حسن اتفاق سے اس اہم کتاب کے چند اہم اجزاء دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گئے ہیں۔ دار الکتب مصریہ قاہرہ میں ان اجزا کی فوٹو کاپی ہے۔ اصل خطی نسخہ محمد مرتضی حسینی صاحب "تاج العروس" کا لکھا ہوا تھا۔

یہ اجزا ۳۲ کتابوں (اجزاء) پر مشتمل ہے لیکن ان میں سے پہلی کتاب "کتاب الصرف" اور اس طرح جزو "کتاب العتاق" بھی نامکمل ہیں۔

اسی فوٹو سٹیٹ کاپی سے ڈاکٹر صغیر حسن معصومی نے "اختلاف الفقہاء" کی ترتیب و تہذیب شروع کی جس کی پہلی جلد ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کی طرف سے شائع ہوئی۔ یہ جلد کتاب الصرف، کتاب العتاق، کتاب الصید والذبائح، کتاب الایمان والکفارات، کتاب الحدود، کتاب القضاء والشہادات پر مشتمل ہے۔

۴۔ احکام القرآن۔ یہ کتاب بیس اجزاء پر مشتمل ہے

۵۔ کتاب الشروط الکبیر فی التوثیق۔ چالیس اجزاء پر مشتمل ہے۔ صرف ایک جزو شائع ہوا ہے مخطوطات استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۶۔ الشروط الاوسط و مختصر الشروط۔ پانچ اجزا (خطی)

---

[۱] الفہرست (ترجمہ) ص: ۴۹۴

۷۔ مختصر الطحاوی فی الفقہ (مطبوعہ) اہلِ علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

۸۔ النوادر الفقیہ۔ دس اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس کے اجزا میں حکم ارض مکہؔ، حکم الفی والغنائم وغیرہ ہیں۔

۹۔ الرد علی کتاب المدلسین۔ کتاب المدّلسین، ابو علی حسین بن علی الکرابیسی کی تالیف ہے۔ اِس کا رد ہے

۱۰۔ کتاب الاشربہ۔ ۱۱۔ الرد علی عیسیٰ بن ابان۔ دو جزو۔

۱۲۔ الرد علی ابی عبید

۱۳۔ اختلاف الروایات علی مذہبِ الکوفیین۔

۱۴۔ شرح الجامع الکبیر امام محمد بن حسنؔ شیبانی۔

۱۵۔ شرح الجامع الصغیر امام محمد بن حسنؔ شیبانی۔

۱۶۔ کتاب المحاضر والسجلّات۔ ۱۷۔ کتاب الوصایا والفرائض۔

۱۸۔ کتاب التاریخ الکبیر۔ ۱۹۔ کتاب النحل

۲۰۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ۔ (مناقب ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہے)

۲۱۔ عقیدۃ الطحاوی۔ عقائد کا مشہور متن ہے پورا نام ہے۔ "بیان اعتقاد اہل السنت والجماعت علی مذہب الفقہا الملت ابی حنیفہ وابی یوسف الانصاری و محمد بن الحسن"۔

۲۲۔ تسویہ بین حدثنا واجرنا۔ ۲۳۔ سنن الشافعی۔

۲۴۔ صحیح الآثار۔

احمد بن محمد قدوری

ابوالحسن احمد بن محمد بن احمد بن جعفر بغداد میں ۳۶۲ھ/۹۷۲ء میں پیدا ہوئے[1]۔ اُن کے عُرفِ عام "قدوری" کے بارے میں مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ وہ "قدور" نامی علاقہ کے رہنے والے تھے دوسری رائے یہ ہے کہ کمہاروں کے محلہ میں رہنے یا ہنڈیا وغیرہ بیچنے کی وجہ سے قدوری مشہور ہوئے قدور، قِدر کی جمع ہے جس کا مطلب "ہنڈیا" ہے۔

ثانی الذکر رائے چنداں تعجب خیز نہیں۔ کیوں کہ ہمارے اسلاف میں بہت سے لوگ اپنے پیشوں کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ امام جصّاص اپنے پیشہ گچکاری کی طرف منسوب ہیں۔ پیتل کے برتن فروخت کرنے والے (صفّار) عطر فروش (صیدلانی) آٹا بیچنے والے (دقّاق) صابون فروش (صابونی) قفل بنانے والے (قفّال) سبزی فروش (بقال) اور معمولی کپڑوں کی تجارت کرنے والے (کرابیسی) نام ملتے ہیں۔

امام قدوری نے علم فقہ اپنے دور کے جلیل القدر فقیہ محمد بن یحییٰ جرجانی (م ۳۹۸ھ/۱۰۰۷-۰۸ء) سے حاصل کیا تھا[2]۔ فقہائے احناف میں سرآمدِ روزگار تھے۔ شیخ ابوحامد اسفرائنی شافعی سے اُن کا مناظرہ رہتا تھا۔ روایت حدیث میں صدوق و ثقہ مانے گئے ہیں۔

امام قدوری ۵۔ رجب ۴۲۸ھ/۲۴۔ اپریل ۱۰۳۷ء کو بغداد میں فوت ہوئے

---

[1] مشاہیرِ اسلام جلد اول ص: ۱۷۱۔ [2] مقدمہ مفید المفتی ص: ۳۳۔

پہلے دَربِ ابی خلف (کوچہ ابی خلف) میں دفن کئے گئے بعد میں حنفی فقیہ ابو بکر خوارزمی (م ۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء) کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

تصنیفات :-

امام قدوری سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ مختصر القدوری

متداول و معروف کتاب ہے۔ کثرت سے شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں۔

۲۔ کتاب تجرید۔ سات جلدوں پر محیط اس کتاب میں امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) اور امام شافعی (م ۲۰۴ھ/ ۸۲۰ء) کے اختلافات جمع کئے گئے ہیں۔ مؤلف نے ساتھ ہی محاکمہ کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

۳۔ کتاب تقریب فی الخلافیات

اس کتاب میں اُن مسائل پر گفتگو کی گئی ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے شاگردوں میں مختلف فیہ ہیں۔

احمد یمنی شروانی

احمد بن محمد تقی بن محمد علی بن ابراہیم شروانی ۱۷۸۶ء/۱۲۰۰ھ میں یمن کے شہر حُدیدہ میں پیدا ہوئے۔ احمد شروانی کے جدامجد جابر بن عبداللہ انصاری تھے۔ اُن کے اجداد مدینہ منورہ سے بغداد چلے گئے۔ پھر آب ودانہ کی کشش بغداد سے ہمدان لے گئی۔ مرزا ابراہیم ہمدانی (صاحبِ ترجمہ کے پردادا) نادر شاہ دُرانی کے وزیر ہو گئے۔ اُنھوں نے شاہ مذکور کے مظالم کو دیکھتے ہوئے ملازمت سے استعفا دیا اور نجفِ اشرف میں سکونت اختیار کرلی۔ اُن کے فرزندِ رشید مستوفی الملک محمد علی قہرِ نادری کا شکار ہوئے اور موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ مستوفی الملک کے بیٹے مرزا محمد تقی روپوش ہو گئے اور شیخ محمد کا نام اختیار کرکے شروان میں رہنے لگے۔ پھر نجفِ اشرف پہنچے اور سید مہدی طباطبائی مجتہد العصر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

نادر گردی میں شیخ محمد کے چچا مرزا محمد حسن خاں بنارس (ہند) آ گئے تھے۔ جب اُنھیں اپنے چچا کے بارے میں پتہ چلا تو وہ بھی بنارس آ گئے۔ لیکن اُن کی آمد کے تھوڑے دن بعد مرزا محمد حسن خاں کا انتقال ہو گیا۔ شیخ محمد کی اولاد سے اُن کی نہ بن سکی اس لیے بنارس سے لکھنؤ چلے گئے۔ یہاں اُن دنوں نواب آصف الدولہ کی حکومت تھی۔ اُنھوں نے خوب آؤ بھگت کی اور آرام و آسائش میں زندگی گزرنے لگی

لہ سیستان (سجستان) کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔

کچھ مدت بعد یمن چلے گئے اور ایک تاجر سید محمد حید ر بغدادی کی بیٹی سے شادی کی جن کے بطن سے شیخ احمد پیدا ہوئے۔

شیخ احمد نے معروف علمائے عصر، محسن نخعی، بہاء الدین عاملی، علی زبیری اور ابراہیم صنعائی سے اکتسابِ علم کیا۔ عنفوانِ شباب میں ہندوستان آئے اور مختلف شہروں میں گھومتے گھامتے کلکتہ پہنچے۔

کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کے سیکرٹری ڈاکٹر لیمسڈاؤن (LAMASDOWN) سے ملاقات ہوئی۔ لیمسڈاؤن نے مدرسہ عالیہ میں عربی زبان کی تدریس کی خدمت اُن کے سپرد کی۔ مدرسہ عالیہ میں کتنا عرصہ رہے؟ اس کے بارے میں مدرسہ عالیہ کا تاریخ نگار لکھتا ہے۔

"اس (امر) کا پتہ نہ چل سکا کہ آپ کتنے دنوں تک مدرسے میں رہے البتہ ڈاکٹر لیمسڈاؤن کے سیکرٹری رہنے کا زمانہ ۱۸۲۱ء سے شروع ہوتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ آپ اس کے بعد تشریف لائے ہوں گے اور ۱۸۳۰ء سے پہلے گئے ہوں گے کیوں کہ اس سال ڈاکٹر لیمسڈاؤن مدرسہ سے رخصت ہو گئے تھے۔"[۱]

مدرسہ عالیہ سے ترکِ تعلق کر کے کلکتہ گئے اور غازی الدین حیدر کے مصاحب بن گئے۔ رکن الدولہ سید محمد اسماعیل خاں رضوی مرشد آبادی کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ غازی الدین حیدر کے انتقال کے بعد لکھنؤ سے ان کا دِل اچاٹ ہو گیا۔ چندے بنارس میں قیام کیا۔ یہاں سے نواب جہانگیر محمد خان والئی بھوپال کے اتالیق مقرر ہو کر بھوپال چلے گئے۔ بعد میں بمبئی کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے پونا پہنچے اور وہیں ۲۱ مئی ۱۸۴۰ء/ ۱۹ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ کو انتقال ہوا۔[۲]

۱۔ تاریخ مدرسہ عالیہ حصہ دوم ص ۱۸۳

۲۔ تلامذہ غالب ص: ۱۲۷

تصنیفات :-

شیخ احمد بڑے باکمال شخص تھے۔ اپنے وقت کے متنبیؔ اور حریری تسلیم کئے گئے تمام تذکرہ نگار اُن کے علم و فضل کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اُن سے مندرجہ ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ نفحۃ الیمن ۔ یہ کتاب انھوں نے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے دورانِ قیام میں لکھی تھی۔ بہت عرصہ مدرسہ عالیہ کے نصاب میں شامل رہی۔ اب بھی بعض مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

۲۔ عجب العجاب بما یفید الکتاب ۔ عربی مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

مولوی عبدالرحیم لکھتے ہیں۔

"مدرسہ فورٹ ولیم کے ناظرِ اعلیٰ (پرنسپل) کے ایماء سے لکھی گئی اور پہلی مرتبہ ۱۸۱۳ء میں بمقام کلکتہ چھپی۔"[۱]

مولوی صاحب نے مدرسہ فورٹ ولیم کا ذکر کیا ہے۔ غالباً مدرسہ عالیہ کے پرنسپل کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔

۳۔ الجوہر الوقاد فی شرح بانت سعاد

۴۔ مناقب حیدریہ ۔ غازی الدین حیدر فرمانروائے اودھ کی تعریف و منقبت میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

۵۔ تاج الاقبال فی تاریخ ملک بھوپال۔

۶۔ حدیقۃ الافراح	۷۔ منہج البیان
۸۔ الشافی	۹۔ جوارس التفریح
۱۰۔ بحر النفائس	۱۱۔ المکاتیب ۔ مولوی رشید الدین خاں دہلوی

---

[۱] لباب المعارف العلمیہ جلد اوّل ص : ۲۱۵

(م ۱۲۴۹ھ / ۳۴-۱۸۳۳ء) اور شیخ احمد شروانی کے خطوط کا مختصر مجموعہ ہے جو ۱۳۱۵ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا۔[1]

احمد شروانی پر اعتراضات :-

مختلف اسباب کی بنا پر احمد شروانی کی کتابوں کا جواب لکھا گیا۔ نفحۃ الیمن کے جواب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ رسالہ نفحۃ الہند بجواب نفحۃ الیمن۔ تالیف حسین بخش کاکوروی (م ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۸ھ / ۸ جولائی ۱۸۴۲ء)[2]

۲۔ اعتراضات علی نفحۃ الیمن۔ رضا حسن خان کاکوروی (م ۱۹ ربیع الاخر ۱۲۶۶ھ / ۴ مارچ ۱۸۵۰ء)[3]۔

۳۔ نفحۃ العرب۔ اعزاز علی دیوبندی۔

حسن رضا خاں کاکوروی نے نفحۃ الیمن کا جواب لکھنے کے علاوہ احمد شروانی کی تردید میں یہ کتابیں بھی لکھیں۔

۱۔ اعتراضات علی عجب العجاب

۲۔ نزہتہ الارواح اعتراضات علی حدیقۃ الافراح لازالۃ الابراح[4]۔

اولاد :-

محمد عباس شروانی رفعت شاگرد اسد اللہ خاں غالب اُن کے نامور فرزند ہیں۔

۱؎ تذکرہ اہلِ دہلی ص : ۷۰

۲؎ تذکرہ مشاہیر کاکوری ص : ۱۳۱

۳؎ ایضاً ص : ۱۶۹

۴؎ تذکرہ مشاہیر کاکوری ص : ۱۶۹

احمد بن موسیٰ خیالی

احمد بن موسیٰ نام، شمس الدین لقب اور خیالی عُرف ہے ۸۲۹ھ/۱۴۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والدِ ماجد موسیٰ اور خضر بیک (م ۸۶۳ھ) بن جلال الدین سے اکتسابِ فیض کیا۔ فارغ التحصیل ہوئے تو مدرسہ سلطانیہ بروسا میں فرائضِ تدریس انجام دینے لگے۔ تاج الدین ابراہیم کے انتقال سے مدرسہ ازنیق کی مسندِ تدریس خالی ہوئی تو سلطان محمد خاں کے ایماء پر انہیں اس عہدہ کی پیشکش کی گئی۔ خیالی حج کے لیے روانہ ہو چکے تھے اس لیے فوراً ازنیق نہ جا سکے۔ فریضۂ حج سے واپسی پر مدرسہ ازنیق میں کام شروع کیا۔ تھوڑا ہی عرصہ یہاں رہے تھے کہ ۸۶۲ھ/۱۴۵۸ء میں انتقال ہوگیا۔

خیالی سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ حواشی شرح عقائد۔

عقائدِ نسفی پر علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح لکھی اس شرح پر مفید اور متداول حواشی ہیں۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔

"ھی حواش نفیسۃ مشتملۃ علی فوائد غریبۃ بعبارت موجزہ تشتمل علی معان لطیفۃ وقد تداولہا علماء زماننا بالدرس والتدریس" [۱]

۲۔ حواشی شرح تجرید

۳۔ شرح نظم العقائد۔ خیالی کے اُستاد خضر بیک کی تالیف ہے۔

---

[۱] الفوائد البہیہ ص: ۴۳۔

اسحاق بن ابراہیم

اصولِ فقہ کی معروف تالیف "اصول الشاشی" جس قدر معروف اور متداول ہے اسی قدر اُس کے مؤلف کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مؤلف نے اپنے نام کی تصریح نہیں کی اور شارحین نے بھی کھوج لگانے کی کوشش نہیں کی۔ اکثر فہرست نگاروں نے بھی مؤلف کے بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں دی۔ کتب خانہ آصفیہ کے فہرست نگار نے ایک قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہے مگر مؤلف کا نام نہیں لکھا۔

"فہرست خدیویہ مصر" میں اصول الشاشی" کا تعارف کراتے ہوئے اسحاق بن ابراہیم الشاشی السمرقندی کو مؤلف قرار دیا گیا ہے۔

حاجی خلیفہ نے اصول الشاشی کو نظام الدین شاشی کی طرف منسوب کیا ہے۔

بعض حضرات نے نظام الدین شاشی اور اسحاق بن ابراہیم شاشی کو ایک ہی شخص قرار دیا ہے[1]۔

"اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع" میں اصولِ فقہ کے ذیل میں "للشاشی الملقب بالقفّال المتوفی ۵۰۷ھ" درج ہے[2]۔ قفال لقب کے ایک سے زیادہ حضرات گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک ابوبکر بن احمد بن الحسین المعروف بالمستظہری الشاشی (م ۵۰۷ھ) ہیں۔ دوسرے محمد بن علی بن اسماعیل القفّال الشاشی (م ۳۳۵ھ) ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ "اصول الشاشی" علامہ بدرالدین شاشی شروانی (م ۷۵۴ھ یا

---

[1] فہرست نسخہ ہای خطی کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی ج ۱: ۸۶ تم [2] اکتفاء القنوع ص ۱۳۸

۸۵۴ھ کی تالیف ہے۔

مختصر یہ کہ مؤلف "اصول الشاشیؒ" کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا اہل تحقیق کے لئے صلائے عام ہے۔ زیادہ تر تذکرہ نگار اسے اسحاق بن ابراہیم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ زرکلی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم جمہوریہ ازبکستان کے مشہور شہر شاش (اسمرقند) میں پیدا ہوئے۔ شاش سے ترک سکونت کر کے مصر چلے گئے۔ عہدۂ قضا پر فائز رہے اور ۳۲۵ھ/۹۳۷ء میں مصر میں فوت ہوئے[1]

حاجی خلیفہ نے "اصول الشاشیؒ" کا دوسرا نام "کتاب الخمسین" لکھا ہے۔ وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اس کی تالیف کے وقت مؤلف کی عمر پچاس سال تھی۔

---

[1] اعلام ج اول ص: ۲۸۴

اعزاز علی دیوبندی

اعزاز علی بن محمد مزاج علی بن حسن علی بن خیر اللہ قبیلہ کمبوہ کے چشم و چراغ تھے اس معروف قبیلہ کی تین اہم شاخیں ہیں۔ ایک شاخ بت پرست ہے اور یہ سہارنپور اور اس کے قرب وجوار میں آباد ہے دوسری شاخ جسے حلقۂ بگوش اسلام ہوئے تقریباً دو صدیاں ہو گئی ہیں انبالہ اور گرد و نواح میں آباد تھی اور تقسیم ہند کی وجہ سے برصغیر کے مختلف علاقوں میں بٹ گئی ہے۔ تیسری شاخ جس سے مولانا اعزاز علی کا تعلق ہے۔ مراد آباد اور بریلی وغیرہ میں آباد ہے۔

مولانا اعزاز علی برصغیر کے مردم خیز شہر بدایوں میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباؤ اجداد شاہی لشکر میں بلند مناصب پر فائز تھے۔

تعلیم و تربیت :۔

مولانا کے والد ماجد بسلسلہ ملازمت شاہجہانپور میں مقیم تھے۔ یہاں اُن کی مکتبی تعلیم شروع ہوئی۔ ایک افغان عالم "قطب الدین" نامی سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا بعد میں حافظ شرف الدین کے زیر نگرانی قرآن مجید حفظ کیا اور یہی حفظِ قرآن اُن کی عربی و فارسی تعلیم کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

فارسی کے ابتدائی رسائل کریما، محمود نامہ، ما مقیماں وغیرہ والد ماجد سے پڑھے اُن کے والد کا شاہجہانپور سے تلہر (ضلع شاہجہانپور) میں تبادلہ ہو گیا۔ تلہر میں مدرسہ گلشنِ فیض میں داخل ہوئے اور مولانا مقصود علی خان سے عربی صرف و نحو کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اُن سے شرح ملا جامی تک پڑھا۔ تلہر ہی میں اُن کے والد نے ملازمت

پوری کی اور مستقل طور پر شاہجہان پور میں سکونت اختیار کرلی۔

تلہر سے شاہجہان پور جاکر تقریباً ایک سال سلسلہ تعلیم منقطع رہا بعد میں مدرسہ عین العلم میں داخل ہوئے۔ یہاں اُن کے اساتذہ میں قاضی بشیر احمد اور مفتی کفایت اللہ کے نام نمایاں ہیں۔ مفتی صاحب سے انھوں نے بطورِ خاص استفادہ کیا تھا۔

مدرسہ عین العلم میں متوسط کتابیں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے۔ حافظ محمد احمد مہتمم دارالعلوم سے "ہدایہ اولین" اور دارالعلوم کے مشہور منطقی اور فلسفی استاد محمد سہول بھاگلپوری سے "میر قطبی" کا درس لیا۔

دارالعلوم میں ایک سال گزار کر اپنی ہمشیر سے ملنے میرٹھ گئے جہاں مشہور مؤلف اور عالم دین مولانا عاشق الٰہی میرٹھی سے ملاقات ہوئی۔ اُن کے ایماء پر میرٹھ کے دورانِ قیام میں "مدرسہ قومی" خیر نگر میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اور عبدالمومن دیوبندی سے استفادہ کیا۔ میرٹھ میں درس نظامی کی تکمیل کی اور دورۂ حدیث کے لئے دوبارہ دیوبند آگئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے دورۂ حدیث میں شامل ہوئے اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

درس وتدریس:۔

دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر مدرسہ نعمانیہ پورینی مضافات بھاگل پور میں تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ یہاں مولانا نے مقدور بھر اصلاح و تبلیغ اور بہتر تدریس کی کوشش کی مگر دیوبندی بریلوی نزاع نے تلخی پیدا کردی اور مدرسہ سے ترکِ تعلق کرلیا۔

شاہجہان پور میں مدرسہ "افضل المدارس" قائم ہوا تو یہاں چلے آئے مگر یہ مدرسہ تین سال سے زیادہ نہ چل سکا۔ ۱۳۳۰ھ کے آغاز میں دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ انتظامی نے اُن کا تقرر ۲۵ روپے ماہانہ مشاہرہ پر دارالعلوم میں کردیا۔ ابتدائی مدرس کے طور پر

علم الصیغہ، مفید الطالبین اور نور الایضاح جیسی کتابیں پڑھاتے تھے۔

حیدرآباد کا قیام:۔

مولانا دارالعلوم میں تدریس کا کام کر رہے تھے کہ ۱۳۳۹ھ/۲۱-۱۹۲۰ء میں حافظ محمد احمد صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بطور مفتی اعظم ریاست حیدرآباد دکن تشریف لے گئے۔ حافظ صاحب چونکہ ضعیف اور امور مفوضہ کے انجام دینے سے معذور تھے اس لئے حیدرآباد جاتے ہوئے مولانا اعزاز علی کو ساتھ لے گئے۔

بظاہر حیدرآباد کے مفتی اعظم حافظ صاحب تھے مگر دارالقضاء کے تمام اُمور مولانا اعزاز علی انجام دیتے تھے اور مولانا کا مشاہرہ حافظ صاحب اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔ ایک سال تک یہ فرائض ادا کئے تھے کہ حیدرآباد سے دیوبند آتے ہوئے حافظ محمد احمد صاحب کا انتقال ہوگیا اور

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

دارالعلوم دیوبند میں واپسی:۔

۱۳۴۰ھ/۲۲-۱۹۲۱ء میں مولانا اعزاز علی واپس دارالعلوم آ گئے اور بطور صدر مفتی کام کرنے لگے۔ بعد میں "شیخ الادب والفقہ" کے منصب پر بھی فائز رہے۔

علمی خدمات

مولانا اعزاز علی عربی زبان کے بلند پایہ ادیب و شاعر تھے۔ اردو زبان میں بھی شعر کہتے تھے اور شعر گوئی کا ذوق شاہجہان پور میں دوران تعلیم پیدا ہوا تھا۔ جب شاہجہانپور میں مولود خوانی عام تھی اور وہ مولود کی محفلوں میں حصہ لیتے تھے۔

دارالعلوم سے "القاسم" اور "الرشید" کے نام سے علمی و ادبی جرائد شائع ہوتے تھے۔ اُن کے لکھنے والوں میں مولانا اعزاز علی کا نام بہت نمایاں ہے۔ اُن کے مضامین کو دیکھتے ہوئے کارپردازانِ دارالعلوم نے اُنھیں رسالوں کی ادارت سپرد کر

دی۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اُن کی تحریریں دیکھ کر "اعزاز العلما" کے معزز خطاب سے نوازا تھا۔

مولانا مرحوم کی مستقل کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حاشیہ نور الایضاح (فارسی)

۲۔ حاشیہ نور الایضاح (عربی) ۴۔ حاشیہ کنز الدقائق۔

۳۔ حاشیہ حماسہ۔ ۵۔ حاشیہ شرح نقایہ۔

نقایہ کی بلند پایہ شرح ملّا علی قاری نے لکھی تھی۔ جو قازان سے شائع ہوئی تھی اور اس ایڈیشن میں بکثرت اغلاط تھیں۔ ہندوستان میں اسی نسخہ کی نقل شائع ہوئی۔ ملّا علی قاری کی یہ کتاب ان کے فکر و نظر کی معراج ہے۔ علامہ انور شاہ کاشمیری، ملّا علی قاری کی کتابوں کو چنداں بلند پایہ نہ خیال کرتے تھے اور ان کی "مرقات شرح مشکوٰۃ" پر ہمیشہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "اشعۃ اللمعات" کو ترجیح دیتے تھے۔ "شرح نقایہ" کے بے حد مداح تھے اور اکثر فرماتے تھے کہ "قاری نے اس کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا"۔

علامہ انور شاہ کاشمیری کے ایما پر مولانا اعزاز علی نے "شرح نقایہ" کے متن کی تصحیح کی اور حاشیہ لکھا۔

۶۔ نفحۃ العرب:۔ شیخ احمد یمنی کی تالیف "نفحۃ الیمن" کے انداز پر کتاب ترتیب دی گئی جس کی تالیف میں طلبہ کی دلچسپی اور اسلامی غیرت و حمیت کو پیش نظر رکھا گیا اور "نفحۃ الیمن" کے برعکس اسے فحش واقعات سے ملوّث نہ ہونے دیا گیا۔

۷۔ شرح نفحۃ العرب۔

رحلت:۔

۸ مارچ ۱۹۵۵ء / ۱۴ رجب المرجب ۱۳۷۴ھ کو دیوبند میں فوت ہوئے۔

امام الدین الریاضی

امام الدین الریاضی بن لطف اللہ بن احمد معمار لاہوری ۱۰۶۶ھ/۵۶-۱۶۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ خاندان میں علم و ہنر کا چرچا تھا۔ لطف اللہ شعر و شاعری اور علم ریاضی سے بیک وقت دلچسپی رکھتے تھے۔ اُن کی قلمی یادگاروں میں منتخب الحساب، رسالہ خواص اعداد دیوان مہندسؔ اور ترجمہ فارسی صور صوفی (مؤلفہ عبدالرحمان صوفی م ۳۷۶ھ) بہت اہم ہیں۔ احمد معمار لاہوری وہ باکمال شخص تھا جس نے "تاج محل" جیسا حسین پیکر تراشا۔[۱]

امام الدین الریاضی نے سید حسن نارنولی، حاجی محمد عارف، مولانا شیر محمد، شیخ جیون، حاجی محمد شفیع، شیخ پھول، میر محمد رضا بہاری، خواجہ ابوالمعالی، میر تقی کابلی اور شیخ محمد جیسے علماء و فضلا سے تعلیم پائی۔[۲] ان کی اپنی تالیفات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے والد ماجد لطف اللہ مہندس سے بھی تعلیم پائی تھی۔

طبعاً تصوّف اور شعر و شاعری کی طرف مائل تھے۔ ۱۱۴۵ھ/۳۳-۱۷۳۲ء میں وفات پائی۔

تصنیفات:[۳]

۱۔ شرح تہذیب۔ ۲۔ حاشیہ شرح ہدایت الحکمت۔

---

[۱] احمد معمار لاہوری کے کارناموں کے لئے ملاحظہ ہو، روداد ادارہ معارفِ اسلامیہ لاہور اجلاس منعقدہ اپریل ۳۳ء نیز احمد معمار لاہوری اور اس کا خاندان۔

[۲] احمد معمار لاہوری اور اُس کا خاندان ص:-۳۶ [۳] ایضاً۔

۳۔ حاشیہ شرح مطالع۔
۴۔ حاشیہ فارسی ہیئت۔
۵۔ حاشیہ شرح خلاصۃ الحساب
۶۔ حاشیہ اخلاقِ ناصری۔
۷۔ ترجمہ منظوم کیدانی
۸۔ حاشیہ شرح چغمینی
۹۔ رسالہ بیانیہ
۱۰۔ رسالہ تحقیق الضوء
۱۱۔ رسالہ بدیعیہ
۱۲۔ رسالہ منظوم النجوم لطور مدخل
۱۳۔ رسالہ مراۃ المواقفت
۱۴۔ رسالہ نسبت مثنات ومثلث بالتکریر
۱۵۔ تصریح شرح تشریح الافلاک
۱۶۔ ترشیح۔
۱۷۔ مفتاح
۱۸۔ رسالہ مجمع البحرین۔
۱۹۔ شرح مناظر اقلیدس
۲۰۔ شرح بشرح خلاصۃ الحساب۔
۲۱۔ کتاب الکرہ
۲۲۔ دیوان اشعار
۲۳۔ انشائے دیگر
۲۴۔ تذکرہ باغستان (تالیف - ۱۱۱۶ھ)

برہان الدین علی مرغینانی

مرغینان دریائے سیحوں کے جنوب میں فرغانہ کا ایک شہر ہے جو اندجان سے سات فرلانگ جانبِ مغرب واقع ہے۔ شہر کی آبادی ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ بابر (م ۱۵۳۰ء) کی روایت کے مطابق یہاں کے لوگ تاجیک نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو نہایت لڑاکے اور جنگجو ہیں۔

اسی شہر میں علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن خلیل بن ابی بکر ۸۔ رجب ۵۱۱ھ / ۵ نومبر ۱۱۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

انھوں نے نجم الدین ابوحفص عمر نسفی۔ صدر الشہید حسام الدین، صدر الشہید تاج الدین، ضیاء الدین محمد بن حسین بندنجی اور شیخ بہاء الدین سے تحصیل علم کی۔

۱۴ ذی الحجہ ۵۹۳ھ / ۲۸۔ اکتوبر ۱۱۹۷ء کو سمرقند میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے

تصنیفات:-

علامہ مرغینانی ایک بلند پایہ فقیہ تھے۔ اُن کے معاصرین قاضی خان (م ۵۹۲ھ) اور محمود بن احمد مؤلف "محیط برہانی" اُن کے فضل و کمال کے معترف ہیں۔

علامہ مرغینانی سے حسبِ ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ بدایۃ المبتدی:- "مختصر القدوری" اور "جامع صغیر" کا انتخاب ہے۔ ترتیب "جامع صغیر" کے مطابق ہے۔ ابوبکر بن علی عاملی (م ۷۰۵ھ) نے اسے نظم کا جامہ پہنایا ہے۔

۲۔ کفایۃ المنتھی :۔ بدایۃ المبتدی کی طویل شرح ہے جو اسّی ضخیم جلدوں پر پھیلی ہوئی ہے۔

۳۔ کتاب المنتقیٰ ۔ ۴۔ کتاب التجنیس والمزید۔
۵۔ کتاب مناسک الحج ۔ ۶۔ نشر المذاہب
۷۔ مختارات النوازل ۔ ۸۔ فرائض العثمانی

۹۔ ہدایہ :۔ بدایۃ المبتدی کی متوسط شرح ہے۔ ذوالقعدہ ۵۷۳ھ میں اس کا آغاز ہوا اور تیرہ سال کے عرصہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ہدایہ متداول اور فقہ حنفی کی چوٹی کی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے تراجم دُنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

انگریزی ترجمہ وارن ہیسٹنگز کے زمانہ میں ہملٹن نے کیا جو ۱۷۹۱ء میں لندن سے شائع ہوا۔ اس کا نیا ایڈیشن حال ہی میں لاہور سے چھپا ہے۔

ملخص فارسی ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ کے بھائی شاہ اہل اللہ نے کیا جو زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا البتہ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

دوسرا فارسی ترجمہ مولانا غلام یحییٰ خاں نے کیا جو ۱۸۰۷ء میں شائع ہوا۔

اردو ترجمہ علامہ سیّد امیر علی ملیح آبادی (م ۱۳۴۹ھ) نے مکمل کیا جو نولکشور (لکھنؤ) نے شائع کیا۔ ایک اور ترجمہ حافظ محمد مالک اور حافظ محمد میاں صدیقی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جو لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

ہدایہ کی شرحیں :۔

ہدایہ کی مقبولیت کے پیش نظر اس کی کثرت سے شرحیں اور حاشیے لکھے گئے جن کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق پچاس ساٹھ کے لگ بھگ ہے۔ ذیل میں چند اہم شرحوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ الفوائد :۔ حمید الدین علی (م ۶۶۷ھ / ۶۹-۱۲۶۸ء) بن محمد ضریر مؤلف "مفید المفتی"

کی رائے کے مطابق ہدایہ کی اولین شرح ہے۔[1]

۲۔ نہایہ۔ حسام الدین حسن (م ۷۱۰ھ/۱۱-۱۳۱۰ء) بن علی سغناقی۔ یہ شرح ربیع الاوّل ۷۰۰ھ میں مکمل ہوئی۔

۳۔ معراج الدرایہ الی شرح الہدایہ:۔ قوام الدین محمد (م ۷۴۹ھ/۴۹-۱۳۴۸ء) بن محمد بخاری نے یہ شرح ۲۱ محرم الحرام ۷۴۵ھ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائی۔

۴۔ نہایۃ الکفایہ فی درایۃ الہدایہ:۔ امام تاج الدین عمر بن صدر الشریعت عبید اللہ محبوبی نے شعبان ۶۷۳ھ میں یہ شرح ختم کی۔

۵۔ غایۃ البیان:۔ قوام الدین امیر کاتب (م ۷۵۸ھ/۵۷-۱۳۵۶ء) بن امیر عمر اتقانی

۶۔ فتح القدیر:۔ شیخ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشہیر بابن الہمام (م ۸۶۱ھ) مقبول و متداول شرح ہے۔ فتح القدیر پر ملّا علی قاری نے دو جلدوں میں حاشیہ لکھا اور علامہ ابراہیم (م ۹۵۶ھ) نے اس کی ایک جلد میں تلخیص کی ہے۔

۷۔ کفایہ:۔ محمود بن عبید اللہ بن محمود تاج الشریعت۔ اس کی احادیث کی تخریج مولانا محی الدین عبد القادر قرشی (م ۷۷۵ھ) نے کی ہے۔

۸۔ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ

جمال الدین یوسف زیلعی (م ۷۶۲ھ/۶۱-۱۳۶۰ء) نے احادیث ہدایہ کی تخریج کی ہے۔

۹۔ بنایہ:۔ قاضی بدر الدین محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) یہ شرح ۸۵۰ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

---

[1] مفید المفتی ص: ۹۱

بہاءالدین عاملی

محمد بن حسین بن عبد الصمد الحارثی العاملی الہمدانی بہاء الدین اور شیخ بہائی کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۱۷ محرم ۹۵۳ھ/ ۱۵۴۸ء میں جبلِ عامل (شام) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد شیخ حسین، شیخ زین الدین کے ارادت مند تھے۔ شیخ زین الدین کو شیعہ عقائد کے پیشِ نظر ترکوں نے قتل کر دیا تو شیخ حسین اپنے اہل و عیال سمیت ایران ہجرت کر گئے۔

تعلیم:۔

شیخ بہائی نے اپنے والد شیخ حسین کے علاوہ مُلّا عبداللہ یزدی سے اکتسابِ فیض کیا۔ مُلّا علی مذاہب سے ریاضی اور مُلّا افضل قائنی سے طب کی تحصیل کی۔[1] طلبِ علم میں دور دراز کے سفر بھی کیے۔

عہدۂ قضا:۔

شاہ عباس صفوی نے اصفہان کے عہدۂ قضا پر فائز کیا۔

سیاحت:۔ ایک عرصہ یہاں رہے۔ پھر مصر منتقل ہو گئے۔ القدس، دمشق اور حلب کی سیر و سیاحت کی اور اہلِ علم سے استفادہ کیا۔

وفات:۔

۱۲- شوال ۱۰۳۱ھ/ ۲۰- اگست ۱۶۲۲ء کو انتقال کیا اور طوس میں دفنائے گئے۔

---

1. A Literary History of Persia Vol VI PP 427

تصنیفات:-

شیخ بہائی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔[۱]

۱۔ العروۃ الوثقیٰ (تفسیر)　　۲۔ اسرار البلاغت

۳۔ زبدہ فی الاصول　　۴۔ الفوائد الصمدیہ فی علم العربیہ۔ شیخ بہائی

نے اپنے بھائی عبد الصمد کے لئے تالیف کی تھی۔ ۷ شوال ۹۷۵ھ کو فارغ ہوا۔

۵۔ الحبل المتین فی احکام الدین (فرائض بہائیہ)

۶۔ تشریح الافلاک (ہیئت) اس کی شرح "التصریح۔ امام الدین الریاضی بہت معروف ہے

ایک دوسری شرح مولوی عصمت اللہ سہارنپوری نے لکھی جس کا ذکر رامپور لائبریری کی فہرست

میں ہے۔　　۷۔ خلاصہ فی الحساب (ریاضی)

۸۔ استفادہ انوار الکواکب من الشمس۔

۹۔ کشکول
۱۰۔ مخلات

دونوں کتابیں ادب و انشاء سے متعلق ہیں۔ جن میں ابواب اور فصلوں کی تقسیم نہیں ہے۔

۱۱۔ نان وحلوہ (فارسی)　　۱۲۔ شیر وشکر (فارسی)

۱۳۔ مفتاح الفلاح (عربی۔ ادعیہ ماثورہ) مفتاح الفلاح کا فارسی ترجمہ ملّا صدرا سے یادگار ہے۔ یہ ملّا صدرا، مؤلف شرح ہدایت الحکمت سے مختلف ہیں۔ دونوں حضرات کے زمانہ میں ایک سو سال سے زیادہ کا فرق ہے۔ یہ شاہ عباس صفوی کے زمانہ میں

---

[۱] اولیں بارہ کتابوں کا ذکر "اعلام" (ج ۶ ص ۳۵۵) میں ہے۔ تیرھویں اور چودھویں کتاب کا ذکر

2. A Descriptive Catalogue of Arabic, Persian and Urdn Manuscripts in the Library of the University of Bombay PP. 258-259

میں ہے۔ ۱۱ ۱۹۷۱ اذریز: کتاب خانہ دانش کدہ حقوق (ایران) میں ہے۔

گزرے ہیں۔ ترجمہ مفتاح الفلاح کا خطی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے[۱]

مفتاح الفلاح کا دوسرا ترجمہ جمال الدین محمد بن حسین خوانساری نے ۱۲۵۴ھ میں کیا اس کا خطی نسخہ بھی کتب خانہ آصفیہ میں ہے[۲]۔

۱۴۔ جامع عباسی :۔ شیخ بہائی کی آخری تالیف ہے۔ وہ اسے بیس ابواب میں مکمل کرنا چاہتے تھے۔ صرف پانچ باب لکھے تھے کہ فرشتہ اجل آ گیا۔ اُن کے شاگرد نظام الدین محمد بن حسین ساوجی نے باقی پندرہ ابواب لکھ کر ۲۰ شعبان ۱۰۳۲ھ کو مکمل کیا۔ شاہ عباس کے نام معنون ہے۔ ایران سے کئی بار شائع ہو چکی ہے[۳]۔

۱۵۔ الاثنی عشریہ (عربی)[۴]　　　۱۶۔ اربعون حدیثا (عربی)[۵]

۱۷۔ صرف بہائی (فارسی)[۶] :۔ عربی زبان کے قواعد کی معروف درسی کتاب ہے۔

بہاء الدین عاملی شاعر تھے، تصوف اُن کا پسندیدہ موضوع ہے اور مسلکاً شیعہ تھے۔

---

[۱] فہرست مخطوطات آصفیہ جلد اوّل ص ۱۶:۔
[۲] ایضاً، ص: ۱۹۔
[۳] کتاب خانہ دانشکدۂ حقوق ایران ص: ۶۹۔
[۴] ایضاً، ص: ۲۳۔
[۵] ایضاً ص: ۲۳۸۔
[۶] مخطوطات عربیہ پنجاب پبلک لائبریری ص: ۱۵۱۔

جاراللہ زمخشری

ابوالقاسم محمود بن عمر بن محمد معروف بہ جاراللہ زمخشری ۲۷- رجب ۴۶۷ھ/ ۱۸ مارچ ۱۰۷۴ء کو خوارزم کے ایک گاؤں زمخشر میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان علمی روایت کا امین تھا۔ ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں حاصل کی۔ بعد میں مکّہ معظمہ چلے گئے اور شہرۂ آفاق عالمِ دین شیخ ابن وہاس سے اکتسابِ علم کیا۔ مکہ معظمہ میں ایک مدت مقیم رہے اور بیت اللہ کی نسبت سے جاراللہ (اللہ کا ہمسایہ) کے عرف سے مشہور ہوئے۔

علامہ زمخشری نے بیسیوں اساتذہ سے استفادہ کیا۔ بغداد اُس زمانہ میں علمی اعتبار سے طلبہ کا مرجع تھا۔ علامہ زمخشری بھی حصولِ علم کے لئے بغداد پہنچے اور ابوالحسن علی بن منظفر نیشاپوری، ابونعیم اصفہانی اور ابوالمنصور مُفر سے ادب کا درس لیا۔

عنفوانِ شباب ہی میں علامہ زمخشری کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ اور طلبہ اُن کی طرف رجوع کرنے لگے تھے۔ معتزلی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے اور اِس پر اُن کو ناز تھا۔ چنانچہ وہ اپنے فکر کا برملا اظہار کرتے تھے۔ جب کبھی کسی سے ملنے جاتے تو باریابی کی اجازت چاہتے وقت اپنا تعارف "ابوالقاسم المعتزلیؒ" کے الفاظ سے کراتے تھے اُن کے مزاج میں خود بینی اور احساسِ برتری کا عنصر بھی شامل تھا۔

زمخشری ایک ٹانگ سے معذور تھے اور چلنے پھرنے کے لئے لکڑی کی مصنوعی ٹانگ استعمال کرتے تھے۔ اُن کے لنگڑے ہونے کے بارے میں دو رائیں ملتی ہیں ایک رائے یہ ہے کہ خوارزم میں شدید سردی ہوتی ہے اور زمخشری ایک بار سفر کے دوران میں برف باری میں پھنس گئے اور یخ بستہ موسم اُن کے لنگڑے ہونے کا سبب

بنا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ایک رستے ہوئے ناسور کی وجہ سے اُن کی ٹانگ کاٹ دی گئی تھی۔

علامہ زمخشری کو ٹانگ کے کٹے ہونے کا شدید احساس تھا۔ اُن کے پاس ہمیشہ ایک رجسٹر ہوتا تھا جس میں معروف اور واقف کار لوگوں کی شہادتیں درج ہوتی تھیں کہ ان کی ٹانگ کسی سنگین جُرم کی سزا میں نہیں کاٹی گئی بلکہ ایک حادثہ میں ضائع ہوئی۔

ابن خلکان نے ایک روایت بیان کی ہے کہ جب زمخشری بغداد گئے تو اُن سے فقیہ حنفی دامغانی (م ۵۴۰ھ) نے ٹانگ ضائع ہونے کی وجہ دریافت کی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اس کا باعث میری والدہ کی بد دُعا ہے اور یہ قصہ سنایا کہ وہ بچپن میں پرندوں کو پکڑ لیتے تھے اور ان سے کھیلتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک چڑیا پکڑی اور اس کی ٹانگ سے باریک دھاگا باندھ دیا۔ چڑیا نے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں وہ ایک سوراخ میں گھس گئی۔ اُنہوں نے شکار کو ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر دھاگے کو زور سے کھینچا اور چڑیا کی ٹانگ اکھڑ کر الگ ہو گئی۔ یہ سارا ماجرا ان کی والدہ دیکھ رہی تھی اُنہوں نے غصے میں کہا: "کم بخت! تو ہمیشہ پرندوں کو تنگ کرتا رہتا ہے اور اب اس چڑیا کی ٹانگ توڑ دی ہے۔ خدا تجھے بھی ایسا ہی کرے"۔[1]

زمخشری معذور تھے لیکن ہنس مکھ اور ظریف الطبع شخص تھے۔ علم و ادب میں اپنی مثال آپ تھے۔ مکہ معظمہ سے واپس وطن جا رہے تھے کہ یوم عرفہ کی رات ۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء کو جرجانیہ کے مقام پر وفات پائی۔ جرجانیہ خوارزم میں دریائے جیحوں کے کنارے ایک بستی ہے۔

تصنیفات:-

علامہ زمخشری ایک بلند پایہ عالم، ادیب، شاعر، لغوی اور فلسفی تھے۔ ان سے کم و بیش

[1] وفیات الاعیان ج [illegible] تلخیص ۹

پچاس کتابیں یادگار ہیں۔ چند اہم کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر کشاف

تفسیر کا پورا نام "الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل" ہے ۲۳۔ ربیع الاخری ۵۲۸ھ کو مکمل ہوئی۔ اِس تفسیر میں اعتزال پایا جاتا ہے۔ اس لئے علامہ ابن خلدونؒ، ابن قیمؒ اور جلال الدین سیوطی نے اسے عقائد اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ شرف الدین طیبی حنفی نے کشاف پر تنقید لکھی ہے اسی طرح ابوحیان اندلسی نے تفسیر کشاف پر تبصرہ کرتے ہوئے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔

اعتزال کے باوجود ادبی و فنی اعتبار سے کشاف بے مثال تفسیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک مدارس میں پڑھائی جا رہی ہے۔ تفسیر بیضاوی کے بعد سب سے زیادہ حواشی اور شرحیں اسی کی لکھی گئی ہیں۔ پاک وہند کے چند اہم حاشیہ نگار یہ ہیں[۱]

* خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) نے کشاف پر حاشیہ لکھا تھا۔
* عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ)
* ابوالحسن تاناشاہ

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید و خلیفہ حمید الدین ناگوری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اِسے آٹھ جلدوں میں بندھوالیا تھا تاکہ مطالعہ میں آسانی رہے۔

۲۔ المفصل فی النحو والصناعت الاعراب ۳۔ اساس البلاغہ

۴۔ الفائق فی غریب الحدیث ۵۔ اطواق الذہب فی المواعظ

۶۔ البدور السافرہ فی الامثال السائرہ ۷۔ المقامات

---

[۱] "العلم" (کراچی) شمارہ جنوری تا مارچ ۱۹۷۰ء

جلال الدین دوانی

مسلم فلاسفہ میں گنتی کے چند افراد "محقق" کے خطاب سے علمی دُنیا میں معروف ہیں اُن میں سے ایک محقق جلال الدین دوانی ہیں اُن کا نام محمد، لقب جلال الدین ہے اور وطن کی نسبت سے دوانی کہلاتے ہیں۔ اُن کے والد سعد الدین اسعد دوان کے منصب قضا پر فائز تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔

وہ ۸۳۰ھ/۲۷-۱۴۲۶ء میں صوبہ شیراز کے ضلع گازرون میں "دوان" نامی ایک چھوٹی سی بستی میں پیدا ہوئے۔ یہ بستی گازرون کے شمال میں تقریباً دو فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔

تعلیم و تربیت :-

محقق دوانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سعد الدین اسعد سے حاصل کی جو اپنے دور کے نامور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے شیراز گئے۔ اُس وقت شیراز میں سید شریف جرجانی کے دو ممتاز شاگردوں خواجہ حسن بقال اور مولانا محی الدین انصاری کو شنکاری کا طوطی بولتا تھا۔ دوانی نے ان دونوں بزرگوں سے اکتسابِ فیض کیا اور اُن کی علمی مجالس سے جی بھر کر خوشہ چینی کی۔ بعض فارسی کتابیں مولانا ہمام الدین گلباری سے پڑھیں جنھوں نے "طوالع الانوار" کی ایک مفید شرح لکھی ہے۔ علم حدیث کی تحصیل کے لئے شیخ صفی الدین ایجی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت عنفوانِ شباب ہی میں علوم مروّجہ کی تحصیل کر لی

اور وقت کے چیدہ علماء میں شمار ہونے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ جن دنوں وہ شیراز میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ نہایت تنگدست تھے۔ عُسرت اور افلاس کا یہ عالم تھا کہ رات کو مطالعہ کے لئے چراغ کا تیل تک خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے مگر مالی مشکلات کا مقابلہ کمال صبر و ضبط سے کیا اور تحصیل علم کے لئے برابر کوشاں رہے بعض اوقات شیراز کی جامع مسجد کے صدر دروازے میں روشن چراغ کے پاس کھڑے ہو کر مطالعہ کرتے تھے۔

دوران تعلیم میں جس قدر عُسرت اور تنگ دستی کے دن گزارے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اسی قدر خوشحالی کے دروازے وا ہو گئے انہوں نے دولت و ثروت کے حصول میں پوری کوشش کی تھی۔ اس سلسلہ میں اُن کا نقطہ نگاہ عام علمائے دین سے مختلف تھا وہ علم کی اشاعت اور اس کی قدر و قیمت کے لئے مال و دولت کو بہت ضروری خیال کرتے تھے۔ اُن ہی کا ایک شعر ہے ؎

مرا بہ تجربہ روشن شد ایں در آخر حال
کہ قدرِ مرد بہ علم است قدرِ علم بہ مال

علمی مشاغل:

دوانی کی علمی شہرت سن کر دور و نزدیک سے طلبہ پروانہ وار اُن کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تھے۔ ان کی علمی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ وہ امیرزادہ یوسف بن مرزا جہاں شاہ کی علمی مجلس کی صدارت بھی کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد اس منصب سے مستعفی ہو کر شیراز کے مدرسہ بیگم میں جو "دارالایتام" بھی کہلاتا تھا، میں فرائضِ تدریس انجام دینے لگے۔

اس وقت عراق، فارس اور آذربائیجان کا حاکم سلطان یعقوب بائندری (۸۸۳ھ / ۸۹۶ھ) تھا۔ سلطان یعقوب نے دوانی کے علمی تبحر اور خداداد ذہانت کو

دیکھتے ہوئے انہیں فارس کا قاضی القضاۃ مقرر کیا چنانچہ سلاطینِ بائندری کے عہد میں اس منصب جلیلہ پر فائز رہ کر عدل و انصاف کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ فرائضِ منصبی سے جو وقت بچتا وہ تصنیف و تالیف میں گزارتے تھے۔

دوانی کی شہرت نہ صرف علمی حلقوں بلکہ امراء و سلاطین کے درباروں میں تھی اس لئے امراء و سلاطین انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوتیں دیتے رہتے تھے۔ ایسی ہی دعوتوں کے سلسلہ میں دوانی نے عربستان، تبریز اور بغداد کا سفر کیا تھا۔

معاصرانہ چشمک:۔

دوانی کے معاصرین میں میر صدرالدین شیرازی اور اُن کے صاحبزادے میر غیاث الدین منصور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ میر صدرالدین شیرازی کو معقولات میں کمال حاصل تھا اور فلسفہ و منطق میں اُن کے متعدد حواشی اور رسائل یادگار تھے۔ شیرازی اور دوانی ایک دوسرے کو حریفِ پنجہ کش خیال کرتے تھے۔ حکام وقت بھی اُن کی معاصرانہ چشمک سے بخوبی آگاہ تھے اور شیراز کے حاکم دونوں عالموں کے درمیان تبادلۂ خیالات کا اہتمام کرتے رہتے تھے۔

جب دوانی نے مولانا علاءالدین قوشجی کی "شرح تجرید" پر حاشیہ لکھا تو خود مؤلف مولانا قوشجی نے دوانی کے علم و فضل کی تعریف کی لیکن میر صدرالدین شیرازی نے اس پر اعتراضات کئے۔ یہ دیکھ کر دوانی نے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے ایک دوسرا حاشیہ لکھا۔ امتیاز کی خاطر پہلے حاشیہ کو "حاشیہ قدیم" اور دوسرے کو "حاشیہ جدید" کا نام دیا گیا۔ شیرازی نے نئے حاشیے پر بھی اعتراضات کئے اور دوانی کو تیسری بار "حاشیہ اجد" لکھنا پڑا۔

شرح تجرید کے علاوہ "شرح مطالع" اور "شرح عضدی" کے سلسلہ میں بھی دونوں معاصرین میں اعتراض و جواب کا سلسلہ جاری رہا اور اس طرح دونوں شرحوں کے

دو دو حواشی لکھے گئے اور امتیاز کی خاطر قدیم و جدید کہلائے۔

سلطان یعقوب بائندری کے دربار میں ایک دوسرے فاضل مولانا اسحاق بنریری سے بھی اُن کے علمی مباحثے اور مناظرے رہا کرتے تھے۔

شیراز سے ترکِ سکونت :-

محقق دوانی کی عمر کا معقول حصہ سلاطین بائندری کی سرپرستی میں گزرا۔ سلطان یعقوب کے بعد اُس کے بیٹے بائسنقر نے ڈیڑھ سال حکومت کی اور اس کے جانشین رستم بیگ نے پانچ سال تک حکمرانی کے فرائض انجام دیئے۔ اس دور میں احمد شاہ بائندری، عثمانی سلطان بایزید یلدرم کی مدد سے ذلیقعدہ ۹۰۲ھ کو رستم بیگ سے اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نئے بادشاہ نے دوانی کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہ آنے دیا بلکہ اس میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔ احمد شاہ کی مہربانی اور لطف و کرم کو دیکھتے ہوئے اُس کے مخالف قاسم بیگ نے جلال الدین دوانی کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور اُن کی دولت و ثروت کا ایک حصہ بھی چھین لیا۔ دوانی نے قاسم بیگ کا لقمۂ تر بننے سے یہی بہتر سمجھا کہ شیراز چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ وہ شیراز سے ترکِ سکونت کر کے جرون چلے گئے۔

آخری ایام :-

۹۰۸ھ / ۱۵۰۲ء میں جب بائندری خاندان کے سلطان ابوالفتح بیگ نے اقتدار حاصل کیا تو واپس شیراز آئے۔ ابوالفتح بیگ نے پُرجوش استقبال کیا لیکن چند دنوں بعد ۹۔ ربیع الآخریٰ ۹۰۸ھ / ۱۲۔ اکتوبر ۱۵۰۲ء کو مرضِ اسہال دوانی کا انتقال ہوگیا اور وہ دوان میں دفن کئے گئے۔

تصنیفات :-

دوانی نے عربی و فارسی دونوں زبانوں میں علم و ادب کا خاصا وقیع ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ ان ہی گوہر ہائے گراں مایہ کے پیشِ نظر قوم نے انھیں "محقق" کا خطاب دیا۔

دوانی کے رشحاتِ قلم میں زیادہ تر حواشی اور شرحیں ہیں تاہم چند مستقل بالذات کتابیں بھی ہیں۔ دوانی کی معروف تصنیفات یہ ہیں:۔

حواشی:۔

۱۔ حاشیہ قدیم بر شرح تجرید۔ ۲۔ حاشیہ جدید بر شرح تجرید۔

۳۔ حاشیہ اجد بر شرح تجرید

۴۔ حاشیہ قدیم بر شرح مطالع۔ قاضی سراج الدین محمود (م ۶۸۹ھ) نے منطق میں "مطالع الانوار" لکھی۔ اِس کی شرح قطب الدین رازی نے "لوامع الاسرار" کے نام سے ترتیب دی۔ دوانی نے شرح پر حاشیہ لکھا۔

۵۔ حاشیہ جدید بر شرح مطالع۔

۶۔ حاشیہ شرح عضدی۔ ابن حاجب (م ۶۷۶ھ) کی کتاب "مختصر الاصول" پر عضد الدین ایجی اور سید شریف جرجانی نے شرحیں لکھیں۔ شرح عضدی کے ابتدائی حصہ پر دوانی نے حاشیہ لکھا ہے۔

۷۔ حاشیہ حکمت العین (سواد العین) ۸۔ حاشیہ تہذیب المنطق والکلام

شروح:۔

۹۔ شرح ہیاکل النور۔ "ہیاکل النور" اشراقی فلسفی شیخ شہاب الدین کی مشہور تالیف ہے۔ دوانی نے اس کی شرح "شواکل الحور" کے نام سے لکھی۔ اس شرح کی بہت کچھ تردید و تائید ہوئی ہے۔ دوانی نے یہ شرح برصغیر کے مشہور مدبر خواجہ محمود گاواں کے نام منسوب کی تھی۔

۱۰۔ شرح عقائد عضدی:۔ قاضی عضد الدین ایجی کی کتاب "العقائد العضدیہ" کی معروف و متداول شرح ہے جو ۹۰۵ء میں جرون میں لکھی گئی۔

۱۱۔ شرح اربعین نووی:۔ امام یحییٰ بن اشرف نووی کی معروف تالیف "اربعین نووی"

کی شرح ہے۔

مستقل کتب:۔

۱۲۔اخلاق جلالی،(لوامع الاشراق فی مکارم الاخلاق)

اخلاق جلالی محقق دوانی کی معروف ترین تالیف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان حسین اپنا اکثر وقت کتب بینی میں صرف کرتا تھا اُسے اپنے کتب خانہ میں فلسفہ اخلاق پر ایک کتاب ملی جو یونانی فلسفیوں کے افکار و خیالات پر مبنی تھی۔ علم دوست بادشاہ نے اسلامی فلسفہ اخلاق پر جلال الدین دوانی سے ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔ اس طرح یہ کتاب معرضِ وجود میں آئی۔

اس کتاب کی بنیاد محقق نصیر الدین طوسی کی "اخلاقِ ناصری" ہے جو ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ) کی "کتاب الطہارۃ" کا ترجمہ ہے۔ اخلاقِ جلالی کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے ۱۸۳۹ء میں W. H. Thampson نے Paractical Philosophy of the Mohammadan People کے نام سے انگریزی ترجمہ کیا۔

علامہ صدر الدین شیرازی کے صاحبزادے غیاث الدین منصور نے "اخلاق جلالی" کے مقابلے میں "اخلاقِ منصوری" لکھی جس میں "اخلاقِ جلالی" اور محقق دوانی کی دوسری کتاب "شرح ہیاکل النور" پر اعتراضات کئے۔

۱۳۔ انموذج العلوم:۔ یہ رسالہ دس علوم کی تحقیق پر مشتمل ہے بطور خاص اس میں مسئلہ حدوثِ عالم سے بحث کی گئی ہے۔ سلطان محمود شاہ گجراتی کے نام معنون ہے۔

۱۴۔ رسالہ زوراء:۔ دوانی نے بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے خواب میں حضرت علیؓ کو دیکھا۔ انہوں نے اِس التفات کے پیش نظر یہ رسالہ لکھ کر حضرت علیؓ کے مزار پر پڑھا۔ رسالہ کا موضوع فلسفہ و تصوف ہے۔ یہ رسالہ ۸۷۰ھ/۱۴۶۵ء میں مکمل ہوا تھا۔ قاہرہ سے تعلیقات کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

رسالہ نہایت مغلق اور مختصر ہے اس لئے عام فہم نہیں۔ رسالہ زوراء کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ مؤلف نے خود بھی اس کی شرح لکھی۔ مخدوم نعمت اللہ سندھی کی شرح بہت عمدہ ہے۔

جلال الدین محلی

جلال الدین محلی بن احمد المحلی الشافعی ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء میں مصر میں پیدا ہوئے بدر محمود اور علاء البخاری سے اکتساب علم کیا۔ محرم ۸۶۴ھ / ۱۴۵۹ء میں وفات پائی۔ ان کی کئی ایک تصنیفات میں مشہور صرف جلالین کا نصف آخر ہے۔ اُنھوں نے سورہ الکہف سے الناس تک اور پھر سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی بعد میں اس کی تکمیل امام سیوطی نے کی۔

حسام الدین محمد

حسام الدین محمد بن محمد بن عمر، فرغانہ میں نہر شباس کے کنارے واقع قصبہ اخسیکث کے رہنے والے بلند پایہ عالم دین تھے۔ اگرچہ اُن کی شہرت "حسام الدین" کے لقب سے ہے تاہم اُنہیں "ابن ابی المناقب" کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

۶۴۴ھ/۱۲۴۷ء میں فوت ہوئے۔

اُن کی قلمی یادگاروں میں سے "المنتخب فی اصول المذاھب" (حسامی العظامی یا المنتخب الحسامی) اصول فقہ کی اہم کتاب ہے۔

حسامی کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ التحقیق۔ عبد العزیز بن احمد بخاری۔ متداول اور اہم شرح ہے۔

۲۔ النامی شرح حسامی۔

۳۔ نظامی شرح حسامی۔

حسن بن عمار الشرنبلالی

حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصری ۹۹۴ھ/ ۱۵۸۵ء میں "بلولہ" نامی قصبہ میں پیدا ہوئے وہاں سے قاہرہ چلے آئے اور جامعۂ ازہر میں تعلیم پائی فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور اپنے دور کے نمایاں فقہا میں سے تھے۔

۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۹ء میں قاہرہ میں وفات پائی۔ اُن سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔ صرف پہلی تین زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی ہیں۔ باقی ہنوز مختلف کتب خانوں میں مخطوطات کی صورت میں ہیں۔

۱۔ نور الایضاح۔
۲۔ مراقی السعادت۔
۳۔ غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ درر الحکام۔
۴۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح۔
۵۔ شرح منظومہ ابن وہبان۔
۶۔ تحفۃ الاکمل۔
۷۔ التحقیقات القدسیہ۔
۸۔ العقد الفرید فی التقلید۔
۹۔ رسائل الشرنبلالی۔ چھوٹے بڑے رسائل کی تعداد ۴۸ ہے۔

میر حسین میبذی یزدی

"میبذ"۔ یزد سے کوئی دس فرسخ کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے۔ میر حسین کے آباؤ اجداد یہیں کے رہنے والے تھے اور وہ دبیز سوتی چادریں تیار کرنے میں ماہر تھے۔ میر حسین نے مروجہ تعلیم حاصل کی اور تعلیمی سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ محقق جلال الدین دوانی، سلطان یعقوب بائندری کے دربار میں تھے، اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

سلطان بائندری کے دربار میں مولانا اسحاق نزیری اور محقق دوانی کے درمیان اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ مولانا اسحاق نہایت لسان اور زود گو تھے۔ ایک دفعہ مباحثہ ہوا۔ محقق دوانی نے مدلّل اور محققانہ گفتگو کی مگر مولانا اسحاق کی طلاقتِ لسانی کے سامنے اُن کی ایک نہ گئی۔ میر حسین میبذی مجلسِ مباحثہ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھے اُنہوں نے اپنے اُستاد کی بے بسی دیکھتے ہوئے کہا کہ مولانا اسحاق کو میرے اُستاد سے پہلے مجھ سے گفتگو کرنی چاہیئے۔ میبذی نے ایسی عمدہ گفتگو کی کہ مولانا اسحاق کی تمام فصاحت و بلاغت بیکار ہو گئی اور حاضرینِ مجلس عش عش کر اُٹھے۔

میر مجلس قاضی صفی الدین عیسیٰ تبریزی نے میر حسین میبذی کے وطن اور خاندان کے بارے میں دریافتِ حال کے بعد یزد اور اُس کے ملحقات کا عہدہ قضا اُن کے سپرد کرنے کی سفارش کی۔ بادشاہ نے میبذی کو خلعتِ فاخرہ سے نوازا اور یزد کے قاضی مقرر کئے گئے۔

میبذی علمی زندگی گزار رہے تھے کہ شاہ اسماعیل صفوی نے دشمنی کی بنا پر ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء میں قتل کردا دیا۔

تالیفات :-

میبذی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ شرح ہدایت الحکمت :- اثیر الدین ابہری کی تالیف "ہدایت الحکمت" کے تین علوم (منطق، طبیعات، الٰہیات) میں سے صرف آخری قسموں کی حامل المتن شرح ہے۔

میبذی برصغیر میں آئے اور نہ اُن کا کوئی شاگرد ہی آیا لیکن "شرح ہدایت الحکمت" (جو اُن کے نام پر "میبذی" مشہور رہے) یہاں آئی اور ملا نظام الدین سہالوی کی نگاہ انتخاب میں آگئی اور مدارس عربیہ میں پڑھائی جانے لگی۔

شرح ہدایت الحکمت کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ آج تک حکمت و فلسفہ کی اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ متعدد علماء نے اس پر حواشی لکھے ہیں چند معروف حاشیہ نگار یہ ہیں :-

* مولانا عین القضاۃ
* امام الدین الریاضی صاحب "نہایت الحکمت"
* مفتی اسماعیل بن وجیہ الدین مراد آبادی (م ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء)

۲۔ جام گیتی نما (فلسفہ)

فارسی زبان میں فلسفیانہ مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔

۳۔ حاشیہ طوالع الانوار۔ ۴۔ حاشیہ رسالہ شمسیہ۔

حسین بن عبداللہ نوقانی

حسین بن عبداللہ جو حسام الدین کے لقب سے بھی معروف ہیں۔ بڑے نیکوکار اور زاہد بزرگ تھے۔ عمر بھر تدریس و تالیف میں مشغول رہے۔ ایک عرصہ منصب قضاء کو بھی رونق دی۔ اُن کے اساتذہ میں عبدالرحمان مؤید زادہ کا نام ملتا ہے۔ اُن کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شرح مائۃ عامل۔ ۲۔ حواشی شرح وقایہ۔
۳۔ حواشی شرح تجرید (سید شریف جرجانی) ۴۔ تعلیقات بر اسباب قوس قزح۔
۵۔ رسالہ در جواز ذکر جہر ۶۔ استخلاف الخطیب۔

حسین بن عبداللہ ۹۲۶ھ/۲۰-۱۵۱۹ء میں قسطنطنیہ میں فوت ہوئے۔

حمد اللہ سندیلوی

سندیلہ ضلع ہردوئی (بھارت)، کا ایک قدیم اور مردم خیز قصبہ ہے۔ لکھنؤ سے بتیس میل کے فاصلے پر مراد آباد جانے والی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ اس کی قدامت کا پتہ اِس سے چلتا ہے کہ تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عفیف) میں اس کا ذکر موجود ہے اور ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس قصبہ کے مسلمانوں کا خیال ہے کہ اسے شاہ نصیر الدین چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ) کے خلیفہ مخدوم سیّد علاء الدین (م ۷۶۴ھ) نے آباد کیا تھا۔[۱]

عہدِ مغلیہ میں سندیلہ ایک مشہور شہر تھا۔ اس دور کی اکثر تاریخوں میں سندیلہ کا ذکر ہے۔ نوابان اودھ کے زمانہ میں اسے خاص اہمیت حاصل تھی۔ حکومت کا انتظامی عہدہ دار یہاں رہتا تھا اور اس کے ساتھ فوج بھی۔ اس وقت سندیلہ کی آبادی تقریباً بائیس ۲۲ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔[۲]

حمد اللہ بن حکیم شکر اللہ بن شیخ دانیال بن پیر محمد صدیقی یہیں[۳] پیدا ہوئے۔ اُن کے والد حکیم شکر اللہ، حاذق حکیم تھے اور علم و ادب سے دلچسپی رکھتے تھے۔

حمد اللہ نے مُلّا کمال الدین فتح پوری اور ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ مولانا فضلِ امام خیر آبادی لکھتے ہیں۔

"از تلامذہ مُلّا کمال الدین است مگر فاتحہ فراغ۔ از مُلّا نظام الدین خواند"[۴]

۱؎ ایک نادر روزنامچہ: ۵-۶-۶۰ ۲؎ ایضاً ۳؎ تذکرہ علمائے ہند ص: ۵۲ ۴؎ تراجم الفضلاء ص: ۷۸

تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس کا شغل اختیار کیا اور "سندیلہ" میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ مدرسہ کے مصارف کے لئے بادشاہ وقت کی طرف سے اراضی وقف تھی۔ وہ اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے پیش نظر "فضل اللہ خاں" کے خطاب شاہی سے نوازے گئے۔ درس وتدریس میں مشغول ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء میں دہلی میں وفات پائی اور حضرت قطب الدین اوشی کے مزار کے جنوب مغرب میں مدفون ہوئے۔[1]

تلامذہ :۔ مؤلف "تذکرہ علمائے ہند" کے اُن کے چند معروف تلامذہ کے نام لکھے ہیں۔

۱۔ قاضی احمد علی سندیلوی (داماد)　　۲۔ مُلّا باب اللہ جونپوری۔
۳۔ حیدر علی سندیلوی (فرزند)[2]　　۴۔ احمد حسین لکھنوی۔
۵۔ محمد اعظم قاضی زادہ سندیلوی　　۶۔ عبداللہ بن زین العابدین مخدوم زادہ سندیلوی

تصنیفات :۔

ملا حمد اللہ سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ شرح تصدیقات سُلّم العلوم معروف بہ حمد اللہ :۔ یہ شرح نہایت گنجلک ہے۔ حیدر علی سندیلوی اور حکیم شریف خاں دہلوی (م ۱۲۱۳ھ) اور مفتی عبداللہ ٹونکی نے حواشی لکھے ہیں۔ مفتی عبداللہ ٹونکی کے حاشیہ کو کافی شہرت حاصل ہے۔

۲۔ حاشیہ شمس بازغہ　　۳۔ حاشیہ صدرا۔

۴۔ شرح زبدۃ الاصول عاملی۔

---

[1] تذکرہ علمائے ہند م : ۵۲؛
[2] ان کا ذکر الگ "ترجمہ" میں ہے۔

حمید الدین

ملاّ حمید الدین بن ملاّ غازی الدین بن ملا محمد غوث بن ملک ابوالخیر ۲۰ رمضان ۱۱۳۲ھ ۲۶ جولائی ۱۷۱۹ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے ۔ اُن کے خاندان میں کئی نسلوں سے علم و تفقہ کی روایت چلی آ رہی ہے ۔ اُن کے والد ملاّ غازی الدین بلند پایہ عالم تھے اور دادا ملاّ محمد غوث "فتاویٰ عالمگیری" کے مرتبین میں شامل تھے ۔

ملاّ حمید الدین کی عمر چھ سال تھی کہ اُن کے والد ایک جھگڑے میں مارے گئے ۔ ملاّ نے شاہ محمد وارث کاکوروی اور مولوی محب الرحمان کاکوروی سے تعلیم حاصل کی تکمیلِ تعلیم کے بعد دہلی گئے اور دربارِ مغلیہ سے منسلک ہوئے اور اپنے خاندان کا منصب حاصل کر لیا تاہم دہلی میں اُن کا قیام زیادہ طویل نہ رہا ۔

ملاّ محمد غوث نے کاکوری میں ایک مدرسہ کی تعمیر کے لئے حکومتِ وقت سے زمین طلب کی تھی جس کی معافی کا فرمان جاری ہو چکا تھا مگر وہ اپنی زندگی میں مدرسہ کی تعمیر نہ کر سکے ملاّ حمید الدین نے مدرسہ تعمیر کیا اور تعلیمی و تدریسی خدمات میں منہمک ہو گئے ۔

ملاّ جملہ مروجہ علوم میں ماہر اور علامہ عصر تھے ۔ علم ریاضی میں بہترین معلومات رکھتے تھے ۔ فارسی اور عربی نثر و نظم پر قادر تھے اور "تذکرہ مشاہیرِ کاکوری" کے مؤلف کے بقول "انہیں مخزنِ لیاقت و معدنِ قابلیت کہنا بے جا نہیں"[۱] متواضع اور متقی بزرگ تھے ۔ خاندانِ قلندریہ کے ممتاز بزرگ قاضی محمد تقی قلندر سے بیعت تھے ۔ یکم ذی قعدہ

۱؎ تذکرہ مشاہیر کاکوری ص : ۱۳۸

۱۲۱۵ھ/۱۶مارچ ۱۸۰۱ء کو وفات پائی۔ مادۂ تاریخ یہ ہے ؂

دردِ فاتش بے سر و پا گشتہ اند
علم و نظر و شعر و فہم و شرع دین

(۱۲۱۵ھ ال+ ظ+ ع+ ہ+ ر+ ی)

شاعری:

نواب علی حسن خاں سلیم نے "تذکرہ صبح گلشن" میں اُن کے بارے میں لکھا ہے۔

"ہر چند بشعر و شاعری میلش نبود۔ لیکن احیاناً بموزونی طبع کلام موزوں از زبانش ظہور می نمود۔[1]"

اُن کے دو فارسی اشعار بطور نمونہ یہ ہیں۔

با خط شبرنگ دیدم روئے او را بے حجاب
می تواں دیدن بوقتِ شام سوئے آفتاب

جائے آرام کن درین گلشن   عہدِ آسار سیدم و رفتم

تصنیفات

ملا حمید الدین سے حسب ذیل رسائل یادگار ہیں:

۱۔ رسالہ منشعب

۲۔ اخلاقِ حمیدی: "انک لعلی خلقٍ عظیم" پر نفیس، مختصر اور مفید رسالہ ہے۔

---

[1] بحوالہ تذکرہ مشاہیر کاکوری ص۳جم۱۰

سدید الدین کاشغری

سدید الدین کاشغری کے حالاتِ زندگی پر معاصر تذکروں سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں زندہ تھے۔ اُن کی تالیف "منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی" فقہ حنفی کی متداول کتاب ہے جس پر کئی ایک علماء نے شرحیں لکھی ہیں۔

شروح منیۃ المصلی:۔

۱۔ غنیۃ المستملی (کبیری)۔ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی (م ۹۵۶ھ) کے رشحاتِ قلم میں سے ہے۔

۲۔ صغیری:۔ متذکرۃ الصدر شرح کی تلخیص خود شارح نے کی ہے اور "صغیری" کے نام سے معروف ہے

۳۔ حلیۃ المحلی وبغیۃ المہتدی:۔ ابن امیر حاج محمد بن محمد حنفی (م ۸۷۹ھ) سے یادگار ہے۔

۴۔ شرح منیۃ المصلی، عمر بن سلیمان نے ۷۰۵ھ میں مکمل کی۔

سراج الدین سجاوندی

ابو طاہر سراج الدین محمد بن محمد بن عبد الرشید سجاوندی کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ اور شارحینِ سراجیؒ نے اُن کے بارے میں چند سطروں سے زیادہ کچھ نہ لکھا،

حاجی خلیفہ چلپی نے "سراجیؒ کے شارحین میں" ابوالحسن حیدر بن عمر الصغانی (م ۳۵۸ھ)" کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مؤلف "سراجیؒ سراج الدین سجاوندی چوتھی صدی سے پہلے کے مؤلف ہیں۔ لیکن سراجی کی کوئی شرح آٹھویں صدی سے پہلے کی دستیاب نہیں ہے۔ حاجی خلیفہ کی رائے محلِ نظر ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ سجاوندی چھٹی صدی کے آخر میں یا ساتویں صدی کے وسط میں تھے۔[1] اس کی تائید "اکتفا القنوع" سے ہوتی ہے کہ

"السراجیہ۔ لسراج الدین محمد السجاوندی نبغ فی القرن السابع تقریباً"[2]

سجاوندی سے حسب ذیل دو کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ سراجی یا سراجیہ :۔

علم میراث (فرائض) میں معروف و متداول متن ہے۔ اہلِ علم نے اس پر کثرت سے شرحیں اور حواشی لکھے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے چالیس سے زائد شرحوں کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ کتاب تجنیس فی الحساب (فن جبر و مقابلہ)

---

[1] لباب المعارف العلمیہ جلد اوّل ٭ [2] اکتفاء القنوع ٭

سعد الدین تفتازانی

سعد الدین مسعود تفتازانی خراسان کے شہر تفتازان میں صفر ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ تفتازانی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ عضد الدین ایجی (م ۷۵۶ھ) اور قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ) سے بھی استفادہ کیا۔ انہوں نے مروّجہ علوم میں مہارتِ تامہ حاصل کی اور ان کی شہرت جلد ہی دُور دُور تک پھیل گئی۔ طلبہ اُن سے استفادہ کے لئے رجوع کرنے لگے۔

تفتازانی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ وہ جام، ہرات، سرخس، سمرقند، جبرون، ترکستان اور خوارزم میں مقیم رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تفتازانی نے مظفریہ حکمرانِ فارس شاہ شجاع کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ تیمور نے ۷۸۰ھ یا ۷۸۱ھ میں خوارزم پر حملہ کیا اور شاہ شجاع کی سلطنت متاثر ہوئی۔ اس زمانہ میں ملک محمد سرخسی نے اپنے بھتیجے محمد بن غیاث الدین کو لکھا جو اُس وقت تیمور کا درباری تھا کہ تیمور کی اجازت سے علامہ تفتازانی کو سرخس بھیج دیا جائے چنانچہ تفتازانی ملک محمد سرخسی کی دعوت پر سرخس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد امیر تیمور علامہ تفتازانی کے علم و فضل سے آگاہ ہوا تو انہیں واپس سمرقند بُلا بھیجا۔ علامہ نے پہلے تو عُذر کیا کہ وہ حجاز جانے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر مکرّر طلبی پر سمرقند گئے اور تیمور کے دربار میں صدرِ صدور کی حیثیت حاصل کی۔

۷۸۹ھ/۱۳۸۷ء میں شیراز فتح ہونے پر علامہ سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) بھی امیر تیمور کے دربار میں آ گئے۔ دونوں حکماء میں معاندانہ چشمک پیدا ہوئی اور درباری

ماحول نے اسے مزید بڑھایا۔ جرجانی کی تالیفات میں علامہ تفتازانی کے افکار و نظریات پر گرفت ملتی ہے۔

دونوں حضرات کے درمیان اکثر علمی مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء میں ایک اہم مباحثہ ہوا۔ موضوع علامہ جاراللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) کا یہ قول تھا کہ "اولئک علی ھدی من ربھم" میں استعارہ تبعیہ اور استعارہ تمثیلیہ دونوں جمع ہو گئے ہیں۔ نعمان الدین خوارزمی حکم تھے۔ سید شریف جرجانی کا پلّہ بھاری رہا۔ اس طرح ایک دفعہ موضوعِ مباحثہ یہ تھا "غصہ جذبۂ انتقام کا باعث بنتا ہے یا انتقام کا جذبہ غصّہ کا سبب ہے" علامہ جرجانی نے پہلی شق اور علامہ تفتازانی نے دوسری شق اختیار کی شیخ منصور گازرونی کہتے ہیں کہ سید شریف جرجانی کے دلائل زیادہ وزنی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ اسی طرح کے ایک مناظرہ میں علامہ تفتازانی نے زک اٹھائی اور اسی صدمہ سے ۲۲ محرم ۷۹۲ھ/۱۳۹۰ء کو سمرقند میں فوت ہو گئے۔ میّت سرخس منتقل کی گئی اور وہیں تدفین عمل میں لائی گئی۔

علامہ تفتازانی سے سینکڑوں افراد نے اکتسابِ فیض کیا ہو گا مگر ان کے شاگردوں میں صرف چند نام ملتے ہیں[۱] اور ان میں حسام الدین الحسن بن ابی وردی اور برہان الدین حیدر کے نام نمایاں ہیں،

تصنیفات:-

علامہ تفتازانی نے سولہ سال کی عمر میں پہلی کتاب لکھی اور آخر دم تک قلم ہاتھ سے نہ رکھا۔ اُن کی کتابیں خاصی زیادہ ہیں۔ آرمینیس ویمبرے نے ایک قول نقل کیا ہے کہ "اس کی کتابوں کی تعداد اُس کی عمر کے سالوں سے زیادہ بیان کی جاتی ہے"[۱] علامہ ابن خلدون

---

[۱] تاریخ بخارا (ترجمہ)

(م ۸۰۸ھ) نے مصر میں علامہ تفتازانی کی چند کتابیں دیکھیں تو اُن کا ذکر ایک "زبردست فاضل" کے لقب سے کیا۔

علامہ تفتازانی کی معروف تصنیفات یہ ہیں:۔

صرف ونحو:۔

۱۔ شرح التصریف العزی۔ عزالدین عبدالوہاب بن ابراہیم زنجانی کی کتاب "التصریف" کی شرح ہے۔ شعبان ۷۳۸ھ میں سولہ سال کی عمر میں تالیف کی۔ چونکہ "التصریف" کے مؤلف عزالدین زنجانی ہیں اِس لئے اُن کے نام کی نسبت سے اِسے زنجانی بھی کہتے ہیں اور "شرح زنجانیہ" کے نام سے معروف ہے۔

۲۔ رسالۃ الارشاد:۔ حاجی خلیفہ نے اسے "اِرشاد الہادی" لکھا ہے۔ عربی زبان کے نحو کی یہ کتاب علامہ نے اپنے بیٹے کے لئے لکھی تھی۔ ۷۷۴ھ میں مکمل ہوئی۔ اس پر کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

معانی وبیان:۔

علامہ تفتازانی نے اِس موضوع پر سکاکی کی تالیف "مفتاح العلوم" کے تیسرے حصہ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ تین کتابیں لکھی ہیں۔ اِن میں سے دو "تلخیص المفتاح" کی شرحیں ہیں اور تیسری براہ راست "مفتاح العلوم" کی شرح ہے۔

۳۔ مطول:۔ عام طور پر "شرح المطول" مشہور ہے۔ ہرات میں ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء میں لکھی گئی۔

۴۔ مختصر المعانی: "تلخیص المفتاح" کی نسبتاً مختصر شرح ہے۔

۵۔ شرح القسم الثالث فی المفتاح: مفتاح العلوم کے تیسرے حصہ کی یہ شرح شوال ۷۸۷ھ میں سمرقند میں مکمل ہوئی۔ اسے مطول یا مختصر المعانی جیسی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ کبھی بھی زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی البتہ اس کے مخطوطات بعض کتب خانوں

میں ملتے ہیں۔

منطق:۔

۶۔ شرح رسالہ شمسیہ / شرح شمسیہ: نجم الدین عمر بن علی الکاتبی القزوینی (م ۶۷۵ھ) کی کتاب رسالہ شمسیہ کی شرح ہے۔ جام میں جمادی الاخریٰ ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء میں مکمل ہوئی۔

۷۔ تہذیب المنطق والکلام: کتاب کا پورا نام "غایت تہذیب الکلام فی تحریر المنطق والکلام" ہے یہ اہم کتاب رجب ۷۸۹ھ/۱۳۸۷ء میں مکمل ہوئی۔ کتاب کا پہلا حصہ منطق اور دوسرا علم کلام میں ہے۔ پہلا حصہ علماء کی توجہ کا باعث بنا اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

۸۔ ضابطہ انتاج الاشکال۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

علم کلام و مابعد الطبیعات:۔

۹۔ شرح المقاصد۔ علامہ تفتازانی نے علم کلام میں ایک رسالہ "مقاصد الطالبین" لکھا بعد میں اس کی شرح ذوالقعدہ ۷۸۴ھ/۱۳۸۳ء کو سمرقند میں لکھی۔

"تہذیب المنطق والکلام" کا دوسرا حصہ بھی "کلام" کے موضوع پر ہے۔

۱۰۔ شرح عقائد نسفی:۔ عمر بن محمد نسفی کی تالیف "عقائد نسفی" کی شرح ہے۔ جو خوارزم میں شعبان ۷۶۸ھ/۱۳۶۷ء میں مکمل ہوئی۔ علامہ تفتازانی کی یہ شرح مزید شرحوں اور حاشیوں کا باعث بنی۔ "خیالی" اس کی معروف شرح ہے جس پر علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ لکھا۔

۱۱۔ ایک رسالہ میں شیخ اکبر ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی تالیف "فصوص الحکم" پر محاکمہ کیا ہے۔

اصولِ فقہ:۔

۱۲۔ التلویح الی کشف حقائق التنقیح: صدر الشریعت اوّل کی تالیف "تنقیح الاصول" کی شرح ذوالقعدہ ۷۵۸ھ/۱۳۵۷ء میں مکمل ہوئی۔

۱۳۔ شرح شرح المختصر فی الاصول یا شرح الشرح:۔
ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) نے اصولِ فقہ مالکی میں رسالہ "المختصر المنتہیٰ" لکھا جس کی شرح عضد الدین ایجی (م ۷۵۶ھ) نے لکھی۔ اس شرح کی مزید شرح ہے۔

قانون:۔

۱۴۔ المفتاح:۔ فقہ شافعی کی فروع پر ایک کتاب ہے۔ جو ہنوز شائع نہیں ہوئی۔

۱۵۔ فتاویٰ حنفیہ: ذوالقعدہ ۷۶۹ھ/۱۳۶۸ء میں یہ فتاویٰ مرتب ہوا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ یہ فتاویٰ معدوم ہو چکا ہے۔

۱۶۔ اختصار شرح الجامع الکبیر: الجامع الکبیر، امام محمد شیبانی (م ۲۵۶ھ) کی معروف تالیف ہے۔ الخلاطی نے اس کا اختصار کیا پھر اس پر شرح لکھی گئی۔ یہ شرح کا نامکمل اختصار ہے۔

تفسیر قرآن

۱۷۔ کشف الاسرار وعدۃ الابرار:۔ فارسی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ اس نام کی ایک تفسیر خواجہ عبداللہ انصاری (م ۴۸۱ھ) نے بھی لکھی تھی جو ۱۳۷۸ھ میں طہران سے شائع ہوئی ہے۔

۱۸۔ شرح (یا حاشیہ) کشاف: علامہ جاراللہ زمخشری (م ۵۲۸ھ) کی تفسیر کشاف کا نامکمل حاشیہ (یا شرح) ہے جو ۸۔ ربیع الاولیٰ ۷۸۶ھ/۳۰۔ اپریل ۱۳۸۴ء میں سرخس میں لکھی گئی۔

حدیث:۔

۱۹۔ شرح اربعین نووی: شارح الصحیح المسلم امام نووی (م ۶۷۶ھ) کی مرتبہ "اربعین" کی کثرت سے شرحیں لکھی گئی ہیں۔ ایک شرح علامہ تفتازانی سے بھی منسوب ہے۔

لسانیات وادب :-

۷۰- النعم السوابیح فی شرح الکلام النوابیح : علامہ زمخشری (م ۵۲۸ھ) کی کتاب النوابیح کی شرح ہے۔

۷۱- ترجمہ بوستان سعدی : سعدی شیرازی (م ۶۹۱ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترکی زبان میں ترجمہ ہے۔

سیّد شریف جرجانی

جرجان یا گرگان ایک چھوٹا سا صوبہ بحر خزر کے مشرق میں واقع ہے اِس کا دارالحکومت بھی "جرجان" نامی ایک شہر ہے جسے اب "مین گرگان" کہتے ہیں۔ سیّد شریف اس صوبہ میں "طاغو" نامی بستی میں ۲۲ شعبان ۷۴۰ھ/ ۲۲ فروری ۱۳۴۰ء کو پیدا ہوئے اُن کا نام علی، کنیت ابوالحسن یا ابوالحسین[1] اور لقب سیّد شریف تھا۔ والد کا نام محمد تھا۔ تذکرہ نگاروں نے شجرۂ نسب یہ لکھا ہے:

"علی بن محمد بن علی السید زین ابوالحسن الحسینی"

تیرہویں پُشت میں سلسلۂ نسب محمد بن زید الداعی سے مل جاتا ہے[2]۔

تعلیم:-

سیّد شریف نے ابتدائی تعلیم وطن میں پائی اور "مفتاح العلوم" خود اُس کے شارح نورالطاؤسی سے پڑھی۔ جاراللہ زمخشری (م ۵۲۸ھ) کی کشاف کا مطالعہ بھی "نورالطاؤسی" کے زیر نگرانی کیا۔ سیّد شریف کو اِس بات کا شوق تھا کہ کتاب خود اس کے مؤلف سے پڑھی جائے۔ اُنھوں نے دورانِ تعلیم میں "شرح مطالع" بار بار پڑھی تھی مگر خود مصنّف سے پڑھنے کا شوق انھیں مؤلف کتاب قطب الدین کے پاس ہرات لے گیا اس زمانہ میں قطب الدین ضعیف ہو چکے تھے اور بصارت زائل ہونے کی وجہ سے تدریس چھوڑ چکے تھے تاہم اُنہوں نے اپنے عزیز شاگرد مبارک شاہ کے نام رقعہ لکھ

---

[1] قاموس المشاہیر ج ۲ ص ۱۸؛

[2] حکمائے اسلام ج ۲ ص ۳۸۳؛

دیا اور سید شریف کو مصر جانے کا مشورہ دیا۔ تحصیلِ علم کا شوق انہیں خراساں سے مصر لے گیا۔ مبارک شاہ مصر میں مدرس تھے انہوں نے استاد کے سفارشی رقعہ پر سید شریف کو وقت دے دیا اور "شرح مطالع" کا درس شروع ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ مبارک شاہ کا گھر مدرسے سے متصل تھا۔ ایک دفعہ رات کو مدرسہ میں آیا تو سید شریف ان الفاظ میں مطالب ذہن نشین کر رہے تھے "قال الشارح کذا وقال الاستاذ کذا وانا اقول کذا" اور ساتھ ہی نہایت باریک اور دقیق نکات بیان کر رہے تھے۔ مبارک شاہ اپنے شاگرد کی ذہانت اور دقیقہ سنجی سے بے حد متاثر ہوا اور سید شریف کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل کر لیا۔ دورانِ تعلیم میں سید شریف نے "شرح مطالع" کا حاشیہ لکھا تھا۔ مبارک شاہ سے قاضی عضد الدین ایجی (م ۷۵۶ھ) کی تالیف "مواقف" بھی سبقاً سبقاً پڑھی اور "شرح مواقف" لکھی۔ سید شریف مصر میں چار سال رہے۔ مصر کے جید حنفی فقیہ محمد بن محمود البرکاتی کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اُن سے "ہدایہ" کا درس لیا۔

طاش کبری زادہ (م ۹۶۸ھ) نے "الشقائق النعمانیہ" میں یہ روایت بھی درج کی ہے کہ سید شریف نے شیخ جمال الدین محمد بن محمد اقسرائی[1] (م ۷۹۱ھ) کی شہرت سُن کر اُن کی تالیف "شرح الایضاح فی المعانی والبیان" کا مطالعہ کیا۔ انہیں کتاب پسند نہ آئی تاہم انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اقسرائی کا اندازِ تدریس، اُن کی تحریر سے زیادہ دلکش ہے۔ چنانچہ وہ اقسرائی کے وطن گئے جو ریاست قرامان (ترکی) کے مشہور شہر قونیہ اور قیصری کے درمیان واقع ہے۔ وہاں جا کر انہیں معلوم ہوا کہ اقسرائی وفات پا چکا ہے تو اقسرائی

---

[1] شیخ جمال الدین محمد بن محمد اقسرائی، امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) کے پڑپوتے تھے انہوں نے مصر میں فقہ و طب کی تعلیم پائی بعد ازاں واپس وطن آئے اور شغل تدریس اپنایا۔ ۷۹۱ھ/۱۳۸۸ء میں وفات پائی۔ اُن کی تصانیف میں سے "حل الموجز فی الطب" اور "شرح الایضاح" زیادہ مشہور ہیں۔

کے مشہور شاگرد مُلّا شمس الدین الفناری (م ۸۳۴ھ) سے مذاکرات کئے اور واپس چلے آئے۔

متذکرۃ الصدر روایت محلِ نظر ہے کیوں کہ جس زمانہ میں جرجانی کا "سفرِ اقسرائی" مذکور ہے وہ اُس زمانہ میں سمرقند میں مشغول تدریس تھے۔ اگر طاش کبری زادہ کی اس شاذ روایت کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ سفر حصولِ تعلیم کی غرض سے نہیں سمجھا جا سکتا اس کا باعث مباحثہ و مذاکرہ ہو سکتا ہے۔

تدریس :۔

سیّد صاحب نے تکمیل تعلیم کے بعد بلادِ روم کا سفر کیا اور پھر شیراز میں سکونت اختیار کرلی اور درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ طلبہ کی ضرورت کے مطابق درسی کتب پر حواشی اور اُن کی شرحیں لکھیں۔ شیراز میں مظفریہ حکمرانِ فارس شاہ شجاع اُن کا قدردان تھا اور اُن کی طرف سے مدرسہ دار الشفاء کی مسندِ تدریس پر فائز رہے سیّد شریف نے کم و بیش بیس برس تک یہ خدمت انجام دی۔[۱]

سیّد صاحب اور تفتازانی :۔

شاہ شجاع کے دربار میں اُن کی ملاقات، علامہ سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ) سے ہوئی۔ روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ سیّد شریف ۷۷۰ھ میں شاہ شجاع کے دربار میں باریاب ہوئے۔ اُن کا تعارف یہ کہہ کر کرایا گیا کہ نووارد تیر اندازی اور حربی اُمور میں ماہر ہے۔ علامہ تفتازانی نے تعارف کا فریضہ انجام دیا تھا۔ بادشاہ نے فنِ حرب پر گفتگو شروع کی تو سیّد صاحب نے بغل میں دبائے ہوئے کاغذات نکالے جن میں علماء و فضلاء کے افکار پر جرح و قدح اور اعتراضات کی صورت میں تیراندازی

---

[۱] الفوائد البہیہ ۲: ۵۵

کی گئی تھی۔ شاہ شجاع کو اپنی تالیفات بتا کر کہا کہ یہ میرے تیر ہیں اور یہی میری صنعت و مہارت ہے۔ شاہ شجاع نے اِس لطیف پیرایۂ اظہار سے متاثر ہو کر ادب واحترام سے دربار میں ملازم رکھ لیا۔

سلطان تیمور نے ۷۸۹ھ میں شیراز پر حملہ کیا اور اپنی روایات کے مطابق خوب تاخت و تاراج کی مگر اپنے وزیر کی سفارش پر سید شریف کو امان دی۔ تیمور سید صاحب کے علم وفضل سے اس قدر متاثر ہوا کہ انھیں ماورالنہر جانے کے لئے آمادہ کیا چنانچہ سید صاحب تیمور کے دارالحکومت سمرقند چلے گئے اور ایک عرصہ تک سمرقند میں علم وفضل کی روشنی پھیلاتے رہے۔

سمرقند میں سید صاحب اور علامہ تفتازانی دونوں تیمور کے دربار میں تھے۔ تفتازانی شاہی مجلسِ علماء کے صدر نشین تھے۔ بایں ہمہ تیمور سید شریف کو تفتازانی پر ترجیح دیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ دونوں حضرات علم میں برابر ہیں البتہ سید شریف کا نسب موجبِ ترجیح ہے۔ دونوں فضلاء میں معاصرانہ چشمک تھی۔ جرجانی کی تالیفات میں تفتازانی کے افکار ونظریات پر کڑی گرفت ملتی ہے دونوں کے درمیان اکثر مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے تھے۔

وفات :-

تیمور کی وفات (م ۱۴۰۵ء) کے بعد سید شریف واپس شیراز آگئے اور دوبارہ شیراز کی علمی محفلوں کی رونق بڑھ گئی۔ آخردم تک تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۶ ربیع الآخر ۸۱۶ھ / ۶ جولائی ۱۴۱۳ء کو وفات پائی اور شیراز میں مدفون ہوئے۔[1]

تالیفات :-

سید شریف نے دورانِ طالب علمی میں درسی کتابوں پر حواشی لکھنا شروع کر دیئے

---

[1] الفوائد البہیہ ص ۵۳ :

تھے بعد میں طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر بھی حواشی اور شروح لکھی گئیں۔ ان کے علاوہ مستقل کتابیں بھی لکھیں۔ سید شریف کے سوانح نگاروں نے ان کی کتابوں کی جو فہرست دی ہے ان میں باہم تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک تذکرہ نگار کسی کتاب کو اُن کی تالیف قرار دیتا ہے تو دوسرا تذکرہ نگار تردید کر دیتا ہے۔ ذیل میں مختلف کتابوں سے ایک منتخب فہرست دی جاتی ہے۔

قرآنیات:۔

ترجمہ قرآن (فارسی)

جرجانی نے قرآن کریم کا فارسی ترجمہ کیا جو غلط طور پر اُن کے ہم وطن شیخ سعدی شیرازی (م ۶۹۱ھ) کی طرف منسوب ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی صاحب "تفسیر حقانی" لکھتے ہیں۔

> "جس کو آج کل جہلاء سعدی کا ترجمہ کہتے ہیں وہ دراصل سید شریف کا ترجمہ ہے۔ صاحبِ مطبع نے میرے سامنے رواج دینے کے لئے سعدی کی طرف منسوب کر دیا۔"[2]

۲۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی۔ ۳۔ حاشیہ تفسیر کشاف۔

اصول حدیث و حدیث:۔

۴۔ حاشیہ المشکوٰۃ یا خلاصۃ الطیبی۔

طیبی نے مشکوٰۃ المصابیح پر حاشیہ لکھا۔ سید شریف جرجانی نے اس کی تلخیص کی اور اپنی طرف سے بہت کم حک و اضافہ کیا۔ علامہ سخاوی نے اسے جرجانی کی تالیف قرار دیا ہے۔ مُلّا علی قاری کے نزدیک یہ حاشیہ اُن کا نہیں ہے۔

---

[1] الفوائد البہیہ ۳: ۵۳ ٭ [2] البیان فی علوم القرآن ۲: ۴۹۱ ٭

۵۔ رسالہ فی اصول الحدیث: طیبی کے رسالہ اصول الحدیث کا خلاصہ ہے علامہ عبدالحی لکھنوی نے اس کی شرح "ظفر الامانی" لکھی ہے۔ بعض تذکرہ نگار اسے سیّد شریف کی تالیف نہیں سمجھتے۔

اصولِ فقہ و فقہ

۶۔ حاشیہ شرح مختصر ابن حاجب: ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) مؤلف کافیہ نے "مختصر المنتہیٰ" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ قاضی عضد الدین ایجی (م ۷۵۶ھ) نے اس کی شرح لکھی اور سیّد شریف نے اس شرح پر حاشیہ لکھا۔

۷۔ شرح سراجیہ۔

منطق:۔

۸۔ شرح ایساغوجی۔

۹۔ صغریٰ کبریٰ:۔ منطق کی ابتدائی اصطلاحات کی توضیح میں یہ رسالہ متداول ہے اور مدارسِ عربیہ میں شاملِ نصاب ہے۔

۱۰۔ شرح قطبی (میر قطبی) علامہ قطب الدین رازی کی "شرح الشمسیۃ" (قطبی) کی شرح کی ہے اور میر قطبی کے نام سے معروف ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے "حکمائے اسلام" میں صرف "شرح شمسیہ" کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے جو درست نہیں۔

۱۱۔ حاشیہ شرح مطالع۔

صرف و نحو:۔

۱۲۔ صرف میر:۔ ۱۳۔ نحو میر۔

دونوں رسائل عربی زبان کے مبتدیوں کے لئے فارسی میں لکھے گئے ہیں۔ مدارسِ عربیہ میں نصاب میں شامل ہیں۔

۱۴۔ شرح کافیہ۔ ابن حاجب (م ۶۴۶ھ)

۱۵۔ شرح وافیہ:۔ وافیہ، کافیہ ابن حاجب کی شرح ہے۔ اس شرح پر شرح لکھی گئی۔

بلاغت:۔

۱۶۔ حاشیہ مطوّل۔

فلسفہ:۔

۱۷۔ آداب الشریف ۱۸۔ حاشیہ شرح حکمت العین

علم کلام:۔

۱۹۔ شرح مواقف (امور عامہ) سیّد شریف کی یہ شرح سات آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اس پر علماء نے بکثرت حواشی لکھے ہیں۔

۲۰۔ حاشیہ شرح تجرید قدیم

"تجرید العقائد والکلام"۔ محقق طوسی کی تالیف ہے۔ یہ کتاب شیعی علم کلام میں معتبر ترین متن ہے لیکن شیعہ علماء سے زیادہ اہل سنت نے اس پر شروح وحواشی لکھے۔ اس کی شرحیں مدارس میں متداول رہی ہیں۔

شرح تجرید (حلّی م ۷۲۶ھ) اب بھی بعض شیعی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

شرح تجرید (شمس الدین محمود بن عبدالرحمان اصفہانی۔ م ۷۴۶ھ) ترکی کے مدرسوں میں داخلِ نصاب رہی ہے۔

ان کے بعد علاء الدین علی بن محمد القوشجی (م ۸۷۹ھ) نے شرح تجرید لکھی۔ اہل سنت کے تعلیمی حلقوں میں اصفہانی کی شرح کو "شرح قدیم" اور قوشجی کی شرح کو "شرح تجرید جدید" کہا جانے لگا۔

شرح تجرید قدیم (از اصفہانی) پر سیّد شریف جرجانی نے حاشیہ لکھا اور یہ حاشیہ اتنا مقبول ہوا کہ خود شرح ماند پڑ گئی۔ میر سیّد شریف کے حاشیہ پر حواشی لکھے

جانے لگے۔

شرح جدید (از قوشجی) پر علامہ دوانی نے حاشیہ لکھا۔

متفرقات:۔

۲۱۔ شریفیہ۔ (فن مناظرہ) ۲۲۔ شرح تذکرہ طوسی

۲۳۔ التعریفات۔ فقہا، محدثین، متکلمین اور صوفیہ کی اصطلاحات کی تشریح ہے

صفی الدین ردولوی

شیخ صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین، امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کے جدامجد نظام الدین تاتار گردی کے زمانہ میں غزنی سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر میں وارد ہوئے۔ اور دہلی میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ بعد امیر تیمور کے حملہ کا خطرہ پیدا ہوا۔ تو دہلی سے سلطنتِ شرقی (جونپور) کا رُخ کیا۔ اُن کے ساتھ قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۸ھ) بھی دہلی سے جونپور چلے گئے۔ دونوں حضرات کے درمیان اخوت و مودت کا رشتہ استوار تھا قاضی صاحب نے اپنی دختر کی شادی نظام الدین کے صاحبزادے نصیر الدین سے کر دی۔ ان سے تین صاحبزادے صفی الدین، فخر الدین اور رضی الدین پیدا ہوئے۔

صفی الدین نے اپنے نانا قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے علومِ مروجہ کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر تدریس میں مصروف ہو گئے اور اپنے دور کے متبحر علماء میں شمار ہوتے تھے۔

صفی الدین کے بھائی رضی الدین ردولی میں عہدۂ قضا پر فائز تھے۔ وہ اُن کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ شاہ اشرف جہانگیر سمنانی ردولی آئے۔ صفی الدین اُن کے پاس گئے اور تعلقِ بیعت استوار کیا۔ مؤلف "حیاتِ غوث العالم" واقعہ بیعت کا ذکر کرتے ہیں کہ:

"حضرت غوث العالم کا گزر قصبہ ردولی میں ہوا اور حضرت نے وہاں کی جامع مسجد میں قیام فرمایا۔ اِس خبر کو پاتے ہی حضرت شیخ صفی الدین ردولوی، حضرت غوث العالم کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور بکمال ادب

کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت نے اُن پر ایک نظرِ التفات کی۔۔۔۔ ۔ حضرت شیخ نے حضرت غوث العالم سے بیعت وارادت حاصل کی۔ حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے مصری کی ایک ڈلی اُن کو کھلائی اور ان کی اولاد واحفاد کے لئے دعائیں فرمائیں۔ حضرت شیخ کی خاطر سے حضرت شیخ العالم نے چالیس دن قصبہ ردولی میں قیام فرمایا۔ اور اسی اثنا میں حضرت شیخ کو لباسِ خرقہ اور اجازت وخلافت سے نوازا۔ حضرت شیخ نے اپنے فرزند شیخ اسماعیل کو جن کی پیدائش کو چالیس روز ہوئے تھے حضرت غوث العالم کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ حضرت نے انھیں دیکھ کر فرمایا۔ "او ہم مرید ما است"۔[1]

حضرت سید اشرف جہانگیر اپنے مرید کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

"در بلادِ ہند کسی را کہ بفنونِ درخشندہ
غرائب وشئون عجائب پیراستہ دیدم، وی بودہ۔[2]"

تصنیفات :-

شیخ صفی الدین سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں ؛

۱۔ دستور المبتدی۔ یہ رسالہ مؤلف نے اپنے بیٹے ابو المکارم اسماعیل کے لئے لکھا تھا جو مدارسِ عربیہ میں شاملِ نصاب ہے۔

۲۔ حل الترکیب کافیہ ۳۔ غایۃ التحقیق (شرح کافیہ)

حاجی خلیفہ نے اس کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ مؤلف نے اس میں بہت تحقیق سے کام لیا ہے۔[3]

وفات :۔ ۱۳ ذی قعدہ ۸۱۹ھ / ۲ جنوری ۱۴۱۷ء کو وفات پائی۔

---

[1] حیات غوث العالم ص: ۱۱۱ - ۱۱۲ ٭ [2] ایضاً ص ۱۱۰ ٭ [3] کشف الظنون ج ۲ ص: ۱۳۷۵ ٭

عبدالحق خیرآبادی

عبدالحق خیرآبادی، خیرآباد کے مشہور علمی گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ اُن کے والد ماجد مولانا فضلِ حق خیرآبادی اور دادا مولانا فضلِ امام خیرآبادی کی علمی خدمات پر اُن کے تذکرہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

ابتدائی زندگی :-

مولانا عبدالحق خیرآبادی ۱۲۴۴ھ/ ۲۹-۱۸۲۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے[۱] اُس وقت دہلی کے علمی اُفق پر مولانا مملوک علی نانوتوی (م ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۱ء) مولانا رشید الدین (م ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء) اور شاہ محمد اسحاق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء) جیسے ستارے جگمگا رہے تھے ادیبوں اور شاعروں میں "غالب وصہبائی اور آزردہ و مومنؔ" کا ڈنکا بج رہا تھا۔ جملہ اہل علم سے مولانا فضلِ حق کے روابط تھے۔ عبدالحق کو لڑکپن میں ان میں سے اکثر علمی ہستیوں کو قریب سے دیکھنے اور اُن کا اثر قبول کرنے کا موقع مِلا۔

مولانا عبدالحق کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ مولانا فضلِ حق جیسے یگانہ روزِ عالم نے اپنے بیٹے کی تعلیم میں کیا کوئی دقیقہ فردگزاشت کیا ہو گا؟ سولہ[۱۶] سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہوگئے اور علمی مسائل پر مجتہدانہ گفتگو کی صلاحیت رکھتے تھے[۲]

ملازمت :-

مولانا فضلِ حق جن دنوں ریاست الور سے منسلک رہے تھے۔ مولانا عبدالحق

---

[۱] باغی ہندوستان ص : ۱۹۸ ۔ [۲] ایضاً ص : ۱۹۹ ۔

والد کے ساتھ دربار ریاست میں جاتے تھے۔ مہاراجہ الور مولانا عبدالحق کی علمی گفتگو سے خاصا متاثر تھا چنانچہ جب مولانا فضلِ حق رامپور چلے گئے تو مہاراجہ نے مولانا عبدالحق کو عمائدِ سلطنت میں شامل کرلیا۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ آزادی کے وقت دہلی میں مقیم تھے۔ مولانا فضلِ حق فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے کے الزام میں گرفتار ہوئے تو اُن کی رہائی کے لئے قانونی چارہ جوئی کی تاہم قانونی چارہ جوئی کے باوجود مولانا فضل حق کو بطور سزا انڈیمان بھیج دیا گیا۔

مولانا فضلِ حق کو سزا ہوئی تو آبائی گاؤں خیرآباد چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد نواب ٹونک نے اپنے ہاں بُلا لیا۔ پھر گورنمنٹ نے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے لئے اُن کی خدمات حاصل کیں مگر کلکتہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور نواب کلب علی خاں (م ۱۸۸۷ء) کے اصرار پر رامپور تشریف لے گئے۔ رامپور میں ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء سے ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء تک حاکم مرافعہ اور پرنسپل مدرسہ عالیہ کے عہدوں پر فائز رہے۔[۱]

"حقیقتِ رامپور" کے ضمیمے میں مولوی محمد ضیاء الحق نے اُن کا عہدہ ملازمت "ڈائریکٹر تعلیماتِ شرقی" لکھا ہے[۲]

نواب کلب علی خان کی وفات کے بعد واپس وطن خیرآباد آئے کچھ عرصہ کے لئے حیدرآباد تشریف لے گئے۔ نواب حامد علی خاں (م ۱۹۳۰ء) کی فرمائش پر دوبارہ رامپور گئے اور ایک سال قیام کے بعد مستقل طور پر خیرآباد آ گئے اور آخری دم تک یہیں رہے۔

اخلاق و عادات:۔

مولانا عبدالحق کی عمر کا بڑا حصہ نوابوں کے درباروں میں گزرا اور اہم عہدوں پر فائز رہے اِس لئے ان کی طرز بود و باش رئیسانہ تھی۔ خوش پوشاک اور خوش خوراک تھے

۱؎ باغی ہندوستان ص: ۲۰۱ ؎　　۲؎ حقیقت رامپور (ضمیمہ) ص: ۵

دن میں دو تین بار کپڑے بدلتے تھے۔ پورے رئیسانہ رعب داب کے ساتھ مدرسہ جاتے تھے۔ اس کے ساتھ رحمدل، مہربان اور بُردبار شخصیت کے مالک تھے۔

خطاب شمس العلماء :۔

حکومتِ برطانیہ نے مولانا کی علمی وجاہت کے پیشِ نظر انھیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا تھا۔ موصوف نے اس خطاب کے باوجود کوئی مادی فائدہ حاصل نہ کیا حتیٰ کہ اپنی اُس آبائی جائداد کے لئے چارہ جوئی نہ کی جو ۱۸۵۷ء میں ضبط ہو گئی تھی۔ کہا کرتے تھے کہ باپ کو انڈیمان میں مارا اور بیٹے کو "شمس العلماء" کے خطاب سے خوش کرنے کی کوشش کی۔

وفات :۔

آخری عمر میں مولانا عبدالحق کو کئی بیماریوں نے گھیر رکھا تھا اور پھر سب سے بڑی بیماری تو خود بڑھاپا تھا۔ ضیق النفس اور استسقاء کے مریض تھے۔ ۲۳ شوال ۱۳۱۶ھ / ۵ مارچ ۱۸۹۹ء کو عالم جاودانی کو کوچ کر گئے اور دادا فضلِ امام کے پہلو میں دفن ہوئے منشی امیر احمد مینائی نے تاریخِ وفات کہی۔

شمس العلماء زظلمتِ دہر
چو تیر از ابر تیرہ بر جست
بر لوحِ مزار آمیر بنویس
آرام گہہ امام وقت است

۱۳۱۶ھ

تصنیفات :۔

مولانا عبدالحق سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ حاشیہ غلام یحییٰ ۲۔ شرح ہدایت الحکمت

۳۔ تسہیل الکافیہ :۔ علامہ سید شریف جرجانی کی فارسی شرح کافیہ کا عربی ترجمہ ہے۔

۴۔ جواہر غالیہ ۔ ۵۔ حاشیہ قاضی مبارک۔
۶۔ حاشیہ میر زاہد امورِ عامہ ۔ ۷۔ رسالہ تحقیق تلازم
۸۔ شرح مسلم الثبوت ۔ ۹۔ شرح سلاسل الکلام
۱۰۔ حاشیہ حمد اللہ[۱] ۔ ۱۱۔ تحفۂ وزیریہ (نحو) نواب وزیر الدولہ والیٔ ٹونک کی دعوت پر ٹونک گئے اور نحوی مسائل پر مشتمل یہ رسالہ لکھا۔[۲]

تلامذہ :۔

مولانا عبد الحق سے فیض اٹھانے والوں کی تعداد بلا مبالغہ سینکڑوں میں ہو گی مگر اس سلسلہ میں بعض حضرات کو غلطی سے اُن کے شاگردوں میں شمار کر لیا گیا ہے۔ شیخ محمد اکرام نے اُن کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

"وہ (عبد الحق خیر آبادی) علامہ شبلی کے اُستاد اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔"[۳]

اس کے برعکس مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ علامہ شبلی علامہ عبد الحق سے استفادہ نہ کر سکے تھے اور رامپور میں انھوں نے مولانا ارشاد حسین مجددی کے درس میں شرکت کی تھی۔[۴]

۱۔ ا تا ۱۰ (باغی ہندوستان)۔ ۲۔ الزبیر کتب خانہ نمبر۔
۳۔ رودِ کوثر ص: ۵۹۹ ۔ ۴۔ حیات شبلی ص: ۷۹ ۔

عبدالرحمان جاؔمی

عبدالرحمان بن نظام الدین احمد بن شمس الدین محمد کا لقب نورالدین اور تخلص جاؔمی تھا۔ اُن کے آباواجداد اصفہان کے محلہ دشت میں رہائش رکھتے تھے بعد میں ترکِ سکونت کر کے "جام" میں سکونت اختیار کی۔ جام کے نواحی گاؤں "خرجرد" میں ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ/ ۲ نومبر ۱۴۱۴ء کو جاؔمی پیدا ہوئے۔ جام کی نسبت سے "جاؔمی" تخلص کیا۔ لکھتے ہیں ؎

مولدم جام و رشحۂ قلمم
جرعۂ جام شیخ الاسلامی است
لاجرم در جریدۂ اشعار
بدو معنی تخلصم جاؔمی است

مولانا جاؔمی کے دادا اور والد ماجد "جام" کے عہدۂ قضا پر فائز تھے اُن کا سلسلۂ نسب امام محمد بن حسن شیبانی (م ۲۵۶ھ) سے ملتا ہے جو امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے ممتاز شاگرد تھے۔

تعلیم:۔

مولانا جاؔمی کے والد ماجد جام سے ہرات چلے گئے۔ وہیں انھوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم والدِ ماجد سے حاصل کی۔ مدرسہ نظامیہ میں مولانا جنید اصولی سے تلخیص المفتاح اور مطول کا درس لیا۔ بعد ازاں سمرقند گئے جہاں سید شریف جرجانی کے شاگرد خواجہ علی سمرقندی سے علومِ عقلیہ کی تحصیل کی۔ علامہ تفتازانی کے شاگرد شہاب الدین محمد

کے درس میں حاضر ہوئے لیکن ان سے کوئی خاص استفادہ نہ کر سکے۔ سمرقند میں ایک مشہور عالم و مدرس قاضی روم تھے جو فنِ ہیئت میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ اُن سے "شرح تذکرہ" شروع کی لیکن جامی کو یہ استاد راس نہ آ سکے۔ پہلے روز ہی بحث چھڑ گئی قاضی صاحب نے شرح تذکرہ پر ایک حاشیہ لکھ رکھا تھا اور تمام طلبہ کو یہی پڑھاتے تھے۔ جامی نے اس مسلّم حاشیہ پر اعتراضات کئے اور ہر روز قاضی صاحب کو ایک دو جگہ اصلاح کی ضرورت پڑنے لگی۔ قاضی روم اِس سے بہت خوش تھے اور کہا کرتے تھے کہ جب سے سمرقند آیا ہوں۔ کوئی ایسا ذہین اور طباع آدمی آج تک دریائے آمون کے اِس پار نہیں آیا۔

علم ہیئت کی تحصیل مولانا علی قوشجی سے کی۔ وہ بھی مولانا جامی سے بہت متاثر تھے اُن کا قول ہے "جامی کو دیکھ کر مجھے یقین آیا۔ کہ ابھی دنیا میں نفوسِ قدسیہ موجود ہیں"۔

مولانا جامی نے طالب علمی کا زمانہ فارغ البالی اور آرام و آسائش میں گزارا۔ اُن کی طبیعت میں شروع سے خودداری تھی۔ ہرات اور سمرقند کے اکثر علماء جب قاضی روم اور خواجہ علی سمرقندی کی سواری کے ساتھ پا پیادہ دوڑا کرتے تھے وہ اس طرزِ عمل کو پسند نہ کرتے تھے۔

صوفیائے کرام سے تعلق:۔

مولانا جامی کے والد صوفی منش انسان تھے اور صوفیائے کرام کی محفلوں میں اکثر حاضری دیتے تھے۔ خواجہ محمد پارسا ۸۲۲ھ میں ہرات تشریف لے گئے۔ اُس وقت مولانا جامی کی عمر پانچ برس تھی وہ بھی والد ماجد کے ساتھ خواجہ محمد پارساؒ کی محفل میں حاضر ہوئے۔ "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں۔

"ساٹھ سال گزر گئے لیکن خواجہ کی نورانی شکل اب تک میری نظروں میں ہے اور اُن کے دیدار کی لذت آج بھی میرے دل میں تازہ ہے

کچھ تعجب نہیں کہ اُن کی نظرِ فیض ہی کا اثر ہو کہ مجھے خواجگانِ نقشبند کے ساتھ عقیدت و محبت ہے۔"

مولانا جامی نے خواجہ سعد الدین کاشغری، خواجہ برہان الدین، ابونصر پارسا، شیخ بہاء الدین عمر، مولانا فخر الدین، خواجہ شمس الدین کوسوی اور خواجہ عبید اللہ احرار سے اکتسابِ فیض کیا۔

خواجہ عبید اللہ احرار (م ۸۹۶ھ) کے بارے میں "یوسف زلیخا" میں لکھتے ہیں۔

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد
بہ تدبیر عبید اللہی آمد

اور خواجہ عبید اللہ احرار کو بھی مولانا جامی سے اس قدر تعلقِ خاطر تھا کہ جو لوگ خراسان سے اُن کے پاس جاتے تھے انہیں کہا کرتے تھے "مولانا جامی جب وہاں موجود ہیں تو تم لوگ یہاں آنے کی کیوں تکلیف اٹھاتے ہو۔ عجیب بات ہے کہ دریائے نور تو خراسان میں موجزن ہے اور لوگ چراغ کی روشنی حاصل کرنے یہاں دوڑے چلے آتے ہیں۔"

مولانا جامی کو سلسلہ نقشبندیہ سے اس قدر گہرا تعلق تھا کہ کسی دوسرے سلسلہ میں بیعت نہیں ہوئے۔ خواجہ سعد الدین کاشغری (م ۸۶۴ھ) کی وفات پر اُن کے جانشین ہوئے معاصر مؤرخین کی رائے کے مطابق ہجومِ خلائق رہتا تھا۔

سفرِ حج:

۱۶ ربیع الاوّل ۸۷۷ھ کو حج کی غرض سے ہرات سے روانہ ہوئے۔ نیشاپور، سبزوار، بسطام، دامغان، سمنان اور قزوین ہوتے ہوئے ہمدان پہنچے۔ وہاں کے بادشاہ میرزا منوچہر نے عقیدت و احترام سے شہر کے باہر استقبال کیا۔ تین دن تک ضیافت کی۔ ہمدان سے بغداد گئے۔ سفر کے پُر خطر ہونے کی وجہ سے میرزا منوچہر بھاری فوج لے کر سرحد تک پہنچا کر واپس ہوا۔ جمادی الاخریٰ کے وسط میں بغداد پہنچے۔ یہاں چار ماہ قیام رہا۔ عید الفطر کی

نماز ادا کر کے مدینہ منورہ کی راہ لی۔ ذوالقعدہ کے آخری ہفتہ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ شروع ذوالحجہ میں مکۂ معظمہ گئے اور مناسکِ حج ادا کئے۔

حج سے فراغت پا کر شام گئے۔ دمشق میں چالیس روز قیام کیا۔ قاضی القضاۃ اور محدّث وقت قاضی محمد سے سندِ حدیث حاصل کی۔ دمشق سے حلب گئے۔

سلطان محمد فاتح کو جب معلوم ہوا کہ مولانا جامی حج سے فارغ ہو کر شام کی سیاحت کر رہے ہیں تو خواجہ عطا اللہ کرمانی کو پانچ ہزار اشرفیاں دے کر دمشق روانہ کیا کہ مولانا جامی کو قسطنطنیہ لائے۔ اتفاق سے خواجہ کرمانی دمشق اُس وقت پہنچے کہ مولانا جامی حلب روانہ ہو چکے تھے۔ حلب سے تبریز ہوتے ہوئے وطن پہنچے اور عمائدین شہر نے اُن کا شایانِ شان استقبال کیا۔"

مولانا جامی درویش صفت انسان تھے اور ہرات کے قریب مزارِ خیابان کی خانقاہ میں سکونت رکھتے تھے۔ اُن کی پُرکشش شخصیت کے پیشِ نظر عوام و خواص جوق درجوق ان کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

شاہانِ وقت کی نیاز مندی:۔

مولانا جامی کے زمانہ میں اسلامی دنیا میں کئی ایک خود مختار حکمران دادِ حکومت دے رہے تھے۔ ایران کے مشرقی حصہ پر تیموری خاندان کی حکومت تھی۔ اس علاقہ کا آخری حاکم، سلطان حسین بائقرا تھا۔ ایران کے جنوب اور مغرب میں ترکمانوں کا اقتدار تھا۔ افغانستان، عراق اور خراسان پر ابوالقاسم قابض تھا۔ یہ سب ہی فرمانروا مولانا جامی کے عقیدت مند تھے۔

سلطان ابوسعید جس کی سلطنت کی حدود ایک طرف چین سے ملتی تھیں اور دوسری طرف برصغیر سے ملحق تھیں، مولانا کا مرید تھا۔ سلطان قسطنطنیہ نے انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی جس کا ذکر سفرِ حج میں کیا جا چکا ہے۔

اولاد:-

مولانا کی اہلیہ خواجہ سعدالدین کاشغری کی پوتی اور خواجہ کلاں کی صاحبزادی تھیں۔ اُن سے چار بیٹے پیدا ہوئے لیکن صرف ایک ضیاء الدین یوسف طبعی عمر کو پہنچ کر فوت ہوا۔ اور اُن ہی سے مولانا کی نسل آگے بڑھی۔ باقی تینوں بچے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔

وفات:-

۱۳ محرم ۸۹۸ھ کو بیمار ہوئے۔ ہر چند دارو دوا کیا گیا مگر بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور ۱۸ محرم کو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ہزاروں افراد نے بہ چشمِ نم تجہیز و تکفین کی مزارِ خیابان میں اپنے مرشد خواجہ سعدالدین کاشغری کے پہلو میں دفنائے گئے کسی نے مادۂ تاریخ کہا ہے ؎ ومن دخلہ کان آمنا۔

تصنیفات:-

مولانا جامی کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ ایک رائے کے مطابق اُن کی تصنیفات کی تعداد ۹۹ ہے۔ "قاموس المشاہیر" میں یہ تعداد چالیس سے زائد بتائی گئی ہے۔ یہ رائے بھی دی جاتی ہے کہ اُن کی کتابوں کی تعداد لفظ "جامی" کے اعداد کے برابر یعنی ۵۴ ہے جناب محمد حسین تسبیحی نے "لوائح" کے مقدمہ میں حسب ذیل کتابیں گنائی ہیں[۱]۔

۱۔ تفسیرِ قرآن (تا آیت وایای فارہبون)

۲۔ شواہد النبوت (منثور۔ فارسی)

۳۔ اشعۃ اللمعات۔ شرح لمعات شیخ فخرالدین ابراہیم ہمدانی عراقی

۴۔ شرح فصوص الحکم۔

۵۔ لوامع فی شرح الخمریہ (منظوم و منثور)

۶۔ شرح بعض ابیات تائیہ فارضیہ

---

[۱] لوائح : ۲: ۱۵-۱۹

۷۔ رسالہ شرح رباعیات (در توحید و معرفت ذات حق، فارسی)

۸۔ لوائح (منثور و منظوم)

۹۔ شرح بیتی چند از مثنوی مولوی (یا رسالہ النائیہ)

۱۰۔ شرح حدیث ابی ذر غفاری۔

۱۱۔ رسالہ فی الوجود۔

۱۲۔ ترجمہ اربعین حدیث (یا چہل حدیث منظوم، فارسی)

۱۳۔ رسالہ لا الہ الا اللہ

۱۴۔ مناقب خواجہ عبداللہ انصاری۔

۱۵۔ رسالہ تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم۔

۱۶۔ رسالہ سوال و جواب ہندوستان۔

۱۷۔ رسالہ مناسکِ حج (یا رسالہ ارکان الحج۔ فارسی منثور)

۱۸۔ سلسلۃ الذہب (فارسی۔ منظوم)

۱۹۔ سلامان و ابسال (فارسی۔ منظوم)

۲۰۔ تحفۃ الاحرار (فارسی۔ منظوم) ۲۱۔ سبحۃ الابرار (فارسی۔ منظوم)

۲۲۔ یوسف و زلیخا (فارسی۔ منظوم) ۲۳۔ لیلیٰ و مجنوں (فارسی۔ منظوم)

۲۴۔ خرد نامۂ اسکندری (فارسی منظوم)

۲۵۔ رسالہ در فن قافیہ (یا: الرسالۃ الوافیہ فی علم القافیہ: منثور)

۲۶۔ دیوانِ اوّل ۲۷۔ دیوانِ ثانی

۲۸۔ دیوان ثالث ۲۹۔ رسالۂ منظومہ

۳۰۔ بہارستان (منظوم و منثور) ۳۱۔ رسالہ کبیر در معما بحلیہ حلل (منثور)

۳۲۔ رسالہ متوسط ۳۳۔ رسالہ صغیر در معما (منظوم)

۳۴۔ رسالہ اصغر در معمّا ۳۵۔ رسالہ عروض

۳۶۔ رسالہ موسیقی ۳۷۔ منشآت (فارسی، منظوم)

۳۸۔ فوائد الضیائیہ فی شرح الکافیہ ابن حاجب۔

۳۹۔ شرح بعضی از مفتاح الغیب (منظوم ومنثور)

۴۰۔ نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص (منثور)

۴۱۔ نفحات الانس من حضرات القدس (فارسی، منثور)

۴۲۔ رسالہ طریقِ صوفیاں۔ (یا: رسالہ در طریق خواجگان)

۴۳۔ شرح بیت خسرو دہلوی۔ ۴۴۔ مناقب مولوی۔

۴۵۔ سخنانِ خواجہ پارسا (منثور، فارسی)

۴۶۔ تجنیس اللغات (یا: تجنیس الخط منظوم، فارسی)

۴۷۔ شرح ابی رزین عقیلی ۴۸۔ رسالہ فی الواحد

۴۹۔ صرف فارسی منظوم ومنثور ۵۰۔ دیوان قصائد غزلیات

جناب محمد حسین تسبیحی کی متذکرۃ الصدر فہرست بھی حتمی نہیں ہے تلاش وجستجو سے چند مزید کتابوں کا اضافہ ہوسکتا ہے مثال کے طور پر مدراس کی سرکاری لائبریری میں اُن سے منسوب ایک کتاب منتخب مثنوی ملتی ہے۔[۱]

A Descriptive Catalogue of the Islamic Manuscripts in the Govt. Oriental manuscripts Library Madras, Vol. I Vidyasagara Madras, (1939).

عبدالرحمان جلال الدین سیوطی

عبدالرحمان بن شیخ کمال الدین ابی بکر بن محمد بن سابق الدین کا لقب جلال الدین، کنیت ابوالفضل، عرف ابن الکتب اور صفتِ نسبتی سیوطی اور خضیری ہے۔

کنیت "ابوالفضل" کے بارے میں روایت ہے کہ علامہ سیوطی ایک بار اپنے استاد شیخ عزالدین احمد کنانی شافعی (م ۸۷۶ھ) کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے علامہ سیوطی سے کنیت دریافت کی۔ علامہ نے جواب دیا کہ کوئی کنیت اختیار نہیں کی۔ شیخ کنانی نے فرمایا تمہاری کنیت ابوالفضل ہے اور اپنے قلم سے یہ کنیت لکھ دی چنانچہ یہی کنیت مشہور ہو گئی۔

"ابن الکتب" کے عرف کی وجہ نہایت عجیب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ علامہ سیوطی" کے والد نے اپنی بیوی کو کسی کتاب کے اٹھا لانے کے لئے کہا۔ وہ کتاب لینے گئیں اتنے میں دردِ زہ شروع ہوا اور اُن کی ولادت ہو گئی اس لئے "ابن الکتب" عرف ہو گیا۔ غالباً علمائے اسلام میں صرف علامہ سیوطی ہی اِس عُرف سے مشہور ہوئے ہیں۔

صفتِ نسبتی خضیری اور سیوطی کے بارے میں واضح ہے کہ اُن کا خاندان بغداد کے محلہ خضیریہ میں رہا تھا۔ وہاں سے اسیوط منتقل ہوا جو دریائے نیل کے مغربی کنارے ایک زرخیز شہر تھا۔ ان ہی مقامات کے حوالہ سے "خضیری" اور اسیوطی یا "سیوطی" کہے جاتے ہیں۔

ابتدائی زندگی:-

علامہ سیوطی یکم رجب ۸۴۹ھ / ۳۔ اکتوبر ۱۴۴۵ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان

دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے ممتاز تھا۔ اُن کے والد شیخ کمال الدین بلند پایہ ادیب، نامور مدرس اور صاحبِ حیثیت شخص تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے۔ قاہرہ آنے سے پہلے اسیوط کے قاضی تھے اور بعد میں خلیفہ مستکفی باللہ کے امام ہوئے۔

علامہ سیوطی کی عمر ابھی پانچ سال سات ماہ تھی کہ ۵ صفر ۸۵۵ھ/ ۹ مارچ ۱۴۵۱ء کو اُن کے والد کا انتقال ہو گیا۔ شیخ کمال الدین مرحوم نے علامہ سیوطی کی تعلیم و تربیت کے لئے شیخ شہاب الدین ابن طباخ اور شیخ کمال الدین ابن ہمام کو وصی بنایا۔ چنانچہ علامہ سیوطی کو جامع شیخونیہ (قاہرہ) میں داخل کرا دیا گیا۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور قاہرہ کے علمائے وقت میں سے تقریباً ہر بڑی شخصیت سے استفادہ کیا۔ "حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ" میں اپنے مشائخ کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو بتاتے ہیں۔ چند اساتذہ یہ ہیں:۔

۱۔ قاضی القضاۃ علم الدین صالح بلقینی (م ۸۶۸ھ) سے فقہ کی تعلیم پائی۔

۲۔ شیخ شرف الدین یحییٰ مناوی (م ۸۷۱ھ) سے تفسیر بیضاوی پڑھی۔

۳۔ شیخ تقی الدین احمد شمنی حنفی (م ۸۷۲ھ/ ۱۴۶۷ء) سے حدیث اور عربیت کی تعلیم حاصل کی۔

۴۔ شیخ سیف الدین حنفی (م ۸۸۱ھ/ ۱۴۷۶ء) سے کشاف، توضیح، تلخیص المفتاح اور رسالہ عضدیہ وغیرہ پڑھے۔

۵۔ شیخ شہاب الدین الشار مساحی (م ۸۶۵ھ/ ۱۴۶۱ء) سے علم فرائض کی تحصیل کی۔

۶۔ محمد بن ابراہیم شروانی رومی سے علم طب کا درس لیا۔

سیاحت:۔

علامہ سیوطی کے ذوقِ علم نے انہیں دوسرے ممالک کے دیکھنے کا بھی موقع بہم پہنچایا

اور انہوں نے شام، یمن، حجاز، بلادِ مغرب اور برصغیر کے سفر کئے۔ برصغیر میں کب آئے اور کس حصہ میں آئے؟ اس بارے میں علامہ سیوطی نے خود کچھ نہیں لکھا اور وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

تدریس وافتاء:۔

تحصیلِ علم کے بعد ۸۷۲ھ/۱۴۶۷ء میں علامہ سیوطی نے تدریس شروع کی اور اس سال علامہ بلقینی کی کوشش سے جامع شیخونیہ میں اپنے والد کی جگہ پر کام شروع کیا۔ اُن کے والد اس جامع میں "مشیخۃ الحدیث" کا منصب رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ جامع ابن طولون میں مسندِ درس کو زینت بخشی جس سے اُن کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی جامع ابن طولون میں قدماء کے طریقۂ اِملا کو زندہ کیا مگر معاصرین کی مخالفت سے یہ سلسلہ بند کر دیا۔

۸۹۱ھ/۱۴۸۶ء میں بیبرسیہ میں شیخ جلال الدین بکری کی وفات کے بعد خانقاہ بیبرسیہ میں "مشیخۃ التصوف" کے منصب پر فائز ہوئے لیکن وہاں ایک جماعت سے اختلاف ہو گیا اس لئے ۹۰۶ھ/۱۵۰۰-۱ء میں الگ کر دیئے گئے۔

علامہ سیوطی نے تدریس شروع کرنے سے پہلے ۲۱ سال کی عمر میں ۸۷۱ھ سے افتاء نویسی کا آغاز کیا مگر احتیاط کا یہ عالم تھا کہ بزعم خود مجتہد ہونے کے، فتویٰ مذہب شافعی کے مطابق دیتے تھے۔ بیبرسیہ کے زمانۂ قیام میں قاضی القضاۃ بنا دیئے گئے تھے۔

آخری زمانۂ حیات:۔

۹۰۶ھ/۱۵۰۰-۱ء میں خلوت نشین ہو گئے اور اپنا وقت عبادت و ریاضت میں گزارنے لگے۔ آخری زمانۂ حیات میں دائیں بازو میں درد ہوا اور ورم آگیا۔ تکلیف بڑھتی گئی اور اسی مرض میں ۱۹-جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء کو اپنے مکان

واقع روضۃ المقیاس میں وفات پائی۔

سیرت وکردار :۔

علامہ سیوطی زاہد و عابد، صابر و شاکر اور مستقل مزاج تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اُن کی طبیعت کی تیزی کا ذکر بھی کیا ہے۔

غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے اور علوم اسلامیہ پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ شعر وسخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ اُن کی کتابوں میں کہیں کہیں اشعار مل جاتے ہیں۔ اُن کی شاعری زیادہ تر علمی فوائد اور دینی نصائح پر مشتمل ہوتی تھی۔

تصنیفات :۔

علامہ سیوطی کثیر التصانیف تھے۔ اُن کا زمانہ جمع، شرح اور تفسیر کا زمانہ ہے۔ ایجاد و ابداع کا نہیں۔ جمع و شرح میں انہوں نے کمال پیدا کیا ہے جرمن مستشرق بروکلمان نے مطبوعہ و غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد ۴۱۵ بتائی ہے۔ مولانا عبدالحئی فرنگی محلّی پانچ سو سے زائد بتلاتے ہیں[1] اور فلوگل نے کشف الظنون کے آخر میں جو فہرست مہیا کی ہے اُس میں پانچسو اکسٹھ کتابیں مذکور ہیں۔ یہ واضح رہے کہ ان میں ضخیم تصنیفات کے ساتھ مختصر رسالے بھی ہیں۔

علامہ سیوطی کی تصنیفات کو اُن کی زندگی ہی میں مقبولیت حاصل ہوگئی تھی اور ہر دور میں علماء نے ان کی کتابوں سے اعتناء کیا ہے۔ علامہ سیوطی جامع العلوم تھے لیکن سات علوم میں انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ یہ سات علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع ہیں۔[2]

اس مختصر سے مضمون میں یہ تو ممکن نہیں کہ علامہ سیوطیؒ کی تمام تصنیفات کا احاطہ کیا

---

[1] الفوائد البہیہ ۔ [2] حسن المحاضرہ ج ۱، ص ۱۹۰ ۔

جائے۔ صرف قرآن مجید سے متعلق اہم کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ الاتقان فی علوم القرآن

۲۔ الدر المنثور فی التفسیر الماثور۔ علامہ سیوطیؒ نے قرآن مجید کی ایک مبسوط و مفصل تفسیر بنام "ترجمان القرآن فی التفسیر المسند" کے نام سے لکھی بعد میں اس کا اختصار "الدر المنثور" کر دیا۔ یہ اختصار بھی چھ جلدوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اصل تفسیر "ترجمان القرآن فی التفسیر المسند" کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ تفسیر جلالین:۔

اس تفسیر کا نصف حصہ سورۃ الکہف تا والناس اور سورۃ فاتحہ علامہ جلال الدین محلی شافعی (م ۸۶۴ھ) نے لکھا تھا۔ باقی حصہ جلال الدین سیوطی نے لکھ کر ۸۷۰ھ میں مکمل کی۔

"جلالین" کے دونوں مؤلف شافعی المذہب تھے لیکن کتاب کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ہر مکتبِ فکر کے علماء نے اس سے اعتناء کیا شرحیں اور حواشی لکھے اور نصاب میں شامل کی۔ برصغیر پاک و ہند کے مدارس میں پڑھائی جا رہی ہے اور یہاں کے علماء نے بکثرت حواشی لکھے ہیں چند اہم حواشی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حواشی تفسیر جلالین:۔[1]

۱۔ کمالین حاشیہ جلالین۔

شیخ سلام اللہ (م ۱۲۲۹ھ) بن شیخ الاسلام محمد دہلوی کا یہ حاشیہ پہلی مرتبہ ۱۲۸۷ء میں شائع ہوا۔ یہ حاشیہ جلالین کے متن کی طرح نہایت مختصر ہے۔

۲۔ الہلالین حاشیہ جلالین:۔

مولانا تراب علی لکھنوی (م ۱۲۸۱ھ) نے تفسیر جلالین کے آخری پارہ پر حاشیہ لکھا۔ ڈاکٹر زبید احمد کی رائے کے مطابق یہ حاشیہ کمالین کی نسبت زیادہ جامع ہے۔

---

[1] ماہنامہ "العلم" (کراچی) شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء

۳۔ تعلیقات الجلالین :۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) کا یہ حاشیہ ۱۲۸۷ھ میں علی گڑھ سے چھپا کتاب کے دیباچہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ علوم کے بڑے بڑے پہاڑ اس کتاب پر پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور بظاہر ان پر کسی مزید اضافے کی ضرورت نہ تھی تاہم

وقد بقيت غوامضه على حالها كان لم ينظر الى اشكالها فاردت ان اكتب ...

(یعنی بہت سی گتھیاں بے سلجھی ہوئی رہ گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان اشکال کی طرف اُن کی نظر نہ گئی۔ اس لئے میں نے کچھ لکھنے کا ادارہ کیا)

۴۔ ترویح الارواح :۔ روح اللہ حنفی نقشبندی (م ۱۳۱۷ھ) نے یہ حاشیہ لکھا ہے۔

۵۔ زلالین حاشیہ جلالین :۔

محمد ریاست علی حنفی نے زلالین کے نام سے حاشیہ لکھا جو مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۳۴۲ھ میں کمالین کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

عبدالرشید دیوان

شمس الحق عبدالرشید بن محمد مصطفیٰ بن عبدالحمید ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۰۰۰ھ/۹۲-۱۵۹۱ء میں جونپور کے ایک نواحی گاؤں بردرنہ میں پیدا ہوئے[1] اُن کے والدِ ماجد اپنے وقت کے مرجع عام اولیاء اللہ میں سے تھے جو ایک واسطہ سے نظام الدین امیٹھوی کے مرید تھے۔

تعلیم و تربیت:-

ابتدائی تعلیم حضرت شمس نور بردنی (م ۱۰۴۷ھ) سے پائی جب شمس نور بردنی شاہزادہ پرویز کی تعلیم کے لئے الہ آباد تشریف لے گئے تو ملا محمد افضل جونپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

تدریس:

انھوں نے بردرنہ کی سکونت ترک کر کے جونپور میں سکونت اختیار کر لی اور درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔

سلسلہ بیعت اور تجرد:-

عبدالرشید اپنے والد سے بیعت تھے۔ طریقہ قلندریہ میں شیخ عبدالقدوس بن عبدالسلام قلندر جونپوری سے بیعت کی تھی[2] اسی طرح شیخ طیب بنارسی (م ۱۰۴۲ھ) اور بعض دوسرے

---

[1] سید سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا ہے کہ اُن کا اصل وطن قصبہ نظام آباد (ضلع اعظم گڑھ) ہے جو سرائے میر سے دس میل بجانب مشرق واقع ہے۔ (حیاتِ شبلی ص ۵۵)۔ [2] الروض الازہر فی تاثر القلندر ص: ۱۷۳۔

صوفیاء سے بھی تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔

کچھ عرصہ درس وتدریس کا شغل اختیار رکھنے کے بعد تجرد کی زندگی اختیار کی۔ امراء و اغنیاء کی مجالس سے پرہیز کرتے تھے اور زیادہ وقت اپنی خانقاہ میں گزارتے تھے۔ شاہجہان نے اُن کا علمی شہرہ سُنا تو ملاقات کا شوق لیئے حاضر ہوا لیکن شاہ کے اصرار کے باوجود ملاقات کے لیئے آمادہ نہ ہوئے[۱]۔ اس زمانہ میں محی الدین ابن عربی کی تصنیفات زیر مطالعہ رہیں۔

وفات:-

روایت ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد فرض شروع کر رہے تھے کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ حادثہ فاجعہ ۹ رمضان المبارک ۱۰۸۳ھ/۲۹ دسمبر ۱۶۷۲ء کو وقوع پذیر ہوا۔ مزار محلہ رشید آباد جونپور میں ہے[۲]۔

تصنیفات:-

دیوان صاحب سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ رشیدیہ (فن مناظرہ)
۲۔ شرح اسرار المخلوقاتِ شیخ اکبر
۳۔ مقصود الطالبین (اوراد و وظائف)
۴۔ حاشیہ شرح مختصر عضدی
۵۔ رسالہ محکوم مربوط
۶۔ زاد السالکین (فارسی)
۷۔ حاشیہ کافیہ ابن حاجب (فارسی)
۸۔ ہفت خوان (مجموعۂ کلام فارسی)
۹۔ خلاصۃ النحو (عربی)
۱۰۔ شرح ہدایت الحکمت (عربی)

نمونہ کلام:-

موصوف فارسی میں شعر کہتے تھے۔ اور "شمسی" تخلص کرتے تھے۔ اُن کے چند

---

[۱] قضا الارب ص: ۲۰۰ ؛ وتذکرہ علمائے ہند ص: ۱۱۹ ؛ [۲] تاریخ شیراز ہند جونپور ص: ۶۴۸ ؛

شعر یہ ہیں۔

ہر گناہِ او دعائے دیگر است
پیچ پیچ زلفش بلائے دیگر است
من بیک دم سیرِ عالم میکنم
روح را دستے و پائے دیگر است
بر بدن صد زخم خنجر گر زنی
کے بمیرم جاں بجائے دیگر است[1]

دیوان عبدالرشید کے ملفوظات شیخ نصرت بن جمال ملتانی (م ۱۰۹۰ھ) نے "گنج ارشدی" کے نام سے جمع کئے تھے۔

---

[1] تاریخ شیرازِ ہند جونپور: ۴۳۰

عبدالحکیم سیالکوٹی

علامہ عبدالحکیم بن شمس الدین کی تاریخ ولادت کے بارے میں اکثر تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ عہد عالمگیری کے مؤرخ بختاور خان نے اُن کا سالِ ولادت "۹۸۸ھ بتایا ہے۔

"تاریخ تولدش لفظ حفظ گفتہ اند"[1]

قرائن سے بھی اُن کی تاریخ ولادت کا یہی زمانہ متعین ہوتا ہے۔

تعلیم :-

علامہ سیالکوٹی نے مولانا کمال الدین کشمیری سے اکتسابِ علم کیا۔ موصوف اپنے دور کے جید عالم اور صوفی تھے۔ ۱۰۱۷ھ/ ۰۹-۱۶۰۸ء میں لاہور میں فوت ہوئے کسی نے خوب مصرعہ تاریخ کہا ہے ؎

ملحق حق قطب و تاج الاولیاء ملا کمال

ملّا کمال الدین کے درس میں اپنے وقت کے تین عظیم سپوت یکجا ہو گئے تھے اور یہ تھے نواب سعداللہ خاں، شیخ احمد سرہندی معروف بہ مجدد الف ثانیؒ اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، علامہ سیالکوٹی نے ملا عبدالسلام (ساکن دیوہ) سے بھی استفادہ کیا تھا۔[2]

عملی زندگی :-

اکبر کے معاصر تذکروں اور تاریخی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا غالباً ابھی دنوں علامہ موصوف کا شہرہ زیادہ نہیں تھا اور وہ لاہور میں مصروف درس و تدریس تھے۔

---

[1] مقالات مولوی محمد شفیع جلد ۴ : ۱۲۳ ۞ [2] حیاتِ شبلی م : ۱۷ ۞

ملا محمد اللہ سندیلوی (م ۱۱۶۰ھ) شارح سلم العلوم نے اُن کے قول کو "قال الفاضل اللاہوری" کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں شاہی دربار کی نظر میں آئے۔ جہانگیر نے انہیں ایک معقول جاگیر عنایت کی اور اُن کا شمار اہل حشمت میں ہونے لگا۔ شاہجہان بر سر اقتدار آیا تو انہیں اکبر آباد کے مدرسہ میں مدرس اعلیٰ مقرر کیا گیا[1]۔ اسی مدرسہ میں دربارِ شاہجہان کے مشہور شاعر حاجی محمد جان قدسی مشہدی بھی مدرس تھے۔

مسندِ تدریس سے علامہ سیالکوٹی دربار تک پہنچے۔ شاہجہان اُن کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اُنہیں "ملک العلماء" کا خطاب دیا۔ اور دو بار چاندی سے تلوا کر اُن کے وزن کے برابر چھ چھ ہزار روپے نقد عطا کئے۔ شاہجہان جن علماء سے مشورہ کرتا تھا اُن میں علامہ سیالکوٹی شامل تھے۔ علامہ سیالکوٹی کے مشورہ سے شاہجہان نے بعض غیر شرعی رسوم مثلاً سجدہ کورنش وغیرہ ختم کیا تھا۔

بیعت:۔

روایت ہے کہ علامہ سیالکوٹی نے نوشہ گنج بخش رح (م ۱۰۶۴ھ) سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی لیکن حضرت نوشہ رح نے اُن کے بارے میں کہا۔

"شما خاطر جمع دارید کہ نصیبِ شما بہرۂ دین و دنیا شدہ است و شما
درکارِ خود مشغول باشید از شما عالم فیضیاب خواہد شد[2]"

چنانچہ حضرت نوشہ رح سے بیعت نہ ہو سکے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ علامہ سیالکوٹی

---

[1] اکبر آباد کا یہ عالیشان مدرسہ اکبر نے تعمیر کرایا تھا۔ اُس کی کچھ عمارت شروع انگریزی عہد میں موجود تھی۔ اب دستبردِ زمانہ کی نذر ہو چکی ہے۔ اس جگہ آبادی ہو گئی ہے اور ایک بڑا محلہ آباد ہے جو "محلہ مدرسہ" مشہور ہے (ملخص از آثار خیر م: ۴۲-۴۳)۔ [2] رسالۃ الامجاز (نسخہ خطی) ص ۲۵۲-۲۵۳۔

۱۰۲۲ھ/۱۴/۱۶۱۳ء میں سیالکوٹ سے سرہند گئے اور حضرت مجدد الف ثانی سے شرف بیعت حاصل کیا اور حضرت کے مجدّد الف ثانی ہونے کے اثبات میں ایک رسالہ "دلائل التجدید" کے نام سے لکھا۔

وفات:۔

علامہ سیالکوٹی ۱۶ ربیع الاوّل ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء کو فوت ہوئے ماثر الکرام کے مؤلف نے ۱۶ ربیع الاول کے بجائے ۱۲ ربیع الاول لکھا ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے ۱۰۶۸ھ لکھا ہے جو درست نہیں۔

علامہ سیالکوٹ میں فوت ہوئے تھے اور وہیں دفن ہوئے۔ اُن کا مزار عہدِ شاہجہاں کے طرزِ تعمیر پر بنایا گیا تھا۔ سنگِ مرمر اور دیگر قیمتی پتھر استعمال کئے گئے تھے۔ سکھ گردی کے زمانہ میں سنگِ مرمر اکھیڑ لیا گیا اور عمارت کی شان و شوکت جاتی رہی۔ دسمبر ۱۹۳۴ء میں علامہ اقبالؒ نے لکھا۔

"... افسوس کہ اُن کا مزار جو تالاب کے کنارے ہی واقع ہے نہایت کس مپرسی کی حالت میں اہلِ سیالکوٹ کی بے حسی اور مردہ دلی کا گلہ گزار ہے۔"

اولاد:۔

علامہ سیالکوٹی کے بیٹے عبداللہ المقلّب بہ "اللبیب" علم و فضل کے اعتبار سے فخرِ زمانہ باپ کے نامور فرزند تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر اُن کے علم و فضل کا قدردان تھا۔ اور اُن سے ہدایہ پر حاشیہ یادگار ہے۔

تصنیفات:۔

ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی اپنے دور کے باکمال عالم تھے۔ اکثر معاصر تذکرہ نگار اور مؤرخ اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ حضرت مجدّد الف ثانی نے انہیں "آفتابِ پنجاب"

قرار دیا تھا۔

ملّا محمد صالح کنبوہ لکھتا ہے :۔

"بہ نیروئے کمالات خدا داد و نہایت معرفت بمبداء و معاد بر کتب معتبرہ کہ ہمگی از تصانیف استادان پاستانست . . . . حواشی خرد پسند معنی طراز تعلیم آوردہ"

غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے :۔

"علامہ زمان و افتخار زمانیاں است، الحق در جمیع فنون درسی مثل او از زمینِ ہند بر نہ خاست"

حافظ عبدالرحمان امرتسری نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ عراق، شام اور ترکی کی متعدد درسگاہوں میں اُن کی تصنیفات داخلِ نصاب ہیں۔ برصغیر سے باہر علمی حیثیت سے جو شہرت ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی کو حاصل ہے اُسے کوئی دوسرا مصنف حاصل نہیں کر سکا۔ ملّا عبدالحکیم سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

تفسیر قرآن :۔

۱۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی ۔

تفسیرِ بیضاوی پر پہلے پونے دو پاروں کا حاشیہ ہے اور طلبہ میں متداول ہے۔

۲۔ حاشیہ علی الکشاف (غیر مطبوعہ)

فقہ و اصول فقہ :۔

۳۔ حاشیہ مقاماتِ اربعہ تلویح (مطبوعہ)

۴۔ حاشیہ علی الحسامی (")

کلام :۔

۵۔ حاشیہ علی شرح عقائد جلالی (مطبوعہ)

۶۔ حاشیہ علی شرح مواقف (مطبوعہ)

۷۔ حاشیہ بر حاشیہ خیالی (مولوی خیالی)

"عقائد نسفی" کی شرح امام تفتازانی نے لکھی جو "شرح عقائد النسفیہ" کے نام سے معروف ہے۔ احمد بن موسیٰ معروف بہ خیالی نے اس شرح پر حاشیہ لکھا۔ عبد الحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ پر حاشیہ تحریر کیا جو "مولوی خیالی" کے نام سے طلبہ میں پہچانا جاتا ہے۔ اس حاشیہ کے بارے میں ایک شعر مشہور ہے کہ

خیالات خیالی بس عظیم است
برائے حلِ او عبد الحکیم است

حاشیہ مطبوعہ ہے۔

۸۔ الرسالۃ الخاقانیہ یا الدر الثمینہ فی علم الواجب تعالیٰ

علامہ سیالکوٹی کی جملہ کتابوں میں اس رسالہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

شاہجہان نے امیر جان نثار خان کی قیادت میں ایک سفارت ایران بھیجی۔ اس وفد میں دربار کے دو عالم۔ محمد فاروق مشرف اور محب علی بھی شامل تھے۔ معقولات کے اہم مسائل علم واجب تعالیٰ اور حشرِ اجساد کے بارے میں وزیر ایران سے اُن کی بحث ہوئی۔ جو بذاتِ خود اہلِ علم میں سے تھا۔ وزیر نے اُن سے گفتگو کی کہ امام غزالیؒ نے ان مسائل کے بارے میں ابو نصر فارابی اور ابن سینا کے خیالات کی تاویل کی ہے۔ دربار ہند کے عالموں سے شافی جواب نہ بن سکا۔

سفارت کی واپسی پر شاہجہان اس صورت حال سے آگاہ ہوا۔ اُس کے ایماء پر ملا سعد اللہ خاں نے علامہ سیالکوٹی کو ان مسائل پر اظہار رائے کی دعوت دی تاکہ وزیر ایران کو ان مسائل پر کوئی مدلل جواب بھیجا جا سکے[1]۔

[1] ملخص از فہرست شروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد جلد دوم ص: ۳۲۱-۳۲۲۔

علامہ سیالکوٹی نے یہ رسالہ ۵ ربیع الآخری ۱۰۵۷ھ کو لکھنا شروع کیا اور اسی ماہ کی ۱۲ تاریخ کو مکمل کر دیا۔ اس میں تین مسائل (حدوث وقدوم، حشر اجساد، علم باری تعالیٰ) زیر بحث آئے ہیں۔ الرسالۃ الخاقانیہ تصحیح متن کے ساتھ اورنٹیل کالج میگزین میں چھپ چکا ہے۔

مؤلف رودِ کوثر نے لکھا ہے کہ "اس رسالے کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ کہ آپ نے اسے دربارِ شاہجہانی میں باریابی کے وقت پیش کیا[1]"۔ یہ روایت درست نہیں ہے کیوں کہ رسالہ کا سالِ تالیف ۱۰۵۷ھ ہے جبکہ اس سے پانچ سال پہلے ملا عبدالحکیم کو چاندی میں تلوایا جا چکا تھا۔

۹۔ زبدۃ الافکار (غیر مطبوعہ)

منطق :۔

۱۰۔ حاشیہ علی میر قطبی (غیر مطبوعہ)

۱۱۔ حاشیہ علی حاشیہ مطالع الانوار (مطبوعہ)

۱۲۔ حاشیہ علی قطبی (غیر مطبوعہ)

نحو :۔

۱۳۔ تکملہ حاشیہ عبدالغفور علی شرح الجامی (مطبوعہ)

معانی :۔

۱۴۔ حاشیہ علی المطول۔

تراجم :۔

۱۵۔ ترجمہ غنیۃ الطالبین (فارسی)

یہ ترجمہ انھوں نے شاہ بلاول قادری لاہوری (م ۱۰۴۶ھ) کی فرمائش پر کیا تھا۔

---

[1] رودِ کوثر: ۳۳۵

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے "ترجمہ غنیۃ الطالبین" کو عبداللہ سیالکوٹی (فرزند عبدالحکیم سیالکوٹی) کی کاوش بتایا ہے[1] جو درست نہیں۔ عبداللہ سیالکوٹی نے والد ماجد کی وفات کے بعد ترجمہ پر مقدمہ لکھا تھا۔ غالباً اسی مقدمہ نگاری سے ڈاکٹر صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔

ناپید تصنیفات:

تذکرہ نگاروں نے علامہ سیالکوٹی کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے مگر ان کے مخطوطات تک موجود نہیں۔

۱۔ حاشیہ شرح حکمت العین۔	۲۔ حاشیہ بر شرح مراح الارواح
۳۔ حاشیہ شرح عقائد تفتازانی	۴۔ القول المحیط (منطق)
۵۔ حاشیہ شرح تہذیب (منطق)	۶۔ کتاب مشہود
۷۔ حاشیہ شرطیہ	۸۔ دلائل التجدید

مخالفت:

علامہ کی اس شہرت و منزلت کے باوجود بعض لوگ اُن کی آزاد خیالی کے شاکی ہیں چنانچہ ملا عبدالرزاق کاشمیری نے اُن کے اکثر حواشی کا رد لکھا ہے۔ ملا کاشمیری شاہجہان کی طرف سے مدرسہ کابل کے مدرس تھے۔

رفاہی یادگاریں:

ملا سیالکوٹی کو تعمیراتی اور رفاہی کاموں کا بہت شوق تھا انھوں نے سیالکوٹ میں ایک عظیم الشان مدرسہ اور مسجد تعمیر کی تھی۔ اس مدرسہ میں ملک کے مختلف حصوں کے طلبہ علمی استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ مسجد جو ۱۰۵۲ھ میں تعمیر کی گئی تھی

---

[1] مقالات دینی و علمی حصہ اول ص ۳۳۸

آج بھی تحصیل بازار سیالکوٹ میں موجود ہے۔

مسجد اور مدرسہ کے علاوہ ایک کاروان سرائے، حمام، ایک وسیع و عریض تالاب اور ایک شاندار عیدگاہ بھی ملاؔ موصوف کی یادگار تھیں، ان میں سے عیدگاہ اور تالاب تاحال موجود ہیں۔

عبد العلی محمد بحر العلوم

خاندانِ فرنگی محل کے گوہرِ شب چراغ مولانا عبد العلی محمد بحر العلوم ۱۱۴۴ھ/۳۲-۱۷۳۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے[1] ابتدائی تعلیم والد ماجد ملا نظام الدین سے حاصل کی اور فاتحہ فراغ ملا کمال الدین سے پڑھا۔ سترہ سال کی عمر میں علوم مروجہ کی تحصیل کر لی۔ اس سال کاکوری کے ایک معزز خاندان میں شادی ہو گئی اور چھ ماہ بعد اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔

ہجرت شاہجہانپور:-

لکھنؤ میں ایک عرصہ سے سُنی شیعہ بحث چلی آ رہی تھی۔ نواب شجاع الدولہ (۱۱۶۹ھ-۱۱۹۰ھ) کے ابتدائی عہد میں تعزیہ کا جلوس نکالنے پر جھگڑا ہوا۔ اس میں ملاّ عبد العلی اور فرنگی محل کے دوسرے علماء نے فطری طور پر سُنّیوں کی تائید کی جس کی وجہ سے انہیں لکھنؤ چھوڑنا پڑا۔

اس وقت روہیلکھنڈ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں (۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء تا ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء) کی حکومت تھی جو شجاع الدولہ کے سخت مخالف تھے۔ اُنھوں نے ملا عبد العلی کو اپنے ہاں بُلا لیا اور شاہجہانپور کے سرکاری مدرسہ میں اُن کا تقرر کر دیا۔ ۱۱۸۸ھ/ ۲۳۔اپریل ۱۷۷۴ء کو حافظ الملک جنگ میں کام آ گئے تو ملا عبد العلی محمد شاہجہانپور سے

---

[1] ملا نظام الدین کا انتقال ۱۱۶۱ھ میں ہوا۔ اور اُس وقت مُلا عبد العلی محمد کی عمر سترہ سال تھی اس طرح ان کا سالِ ولادت ۱۱۴۴ھ بنتا ہے۔ نظامی بدایونی نے سالِ ولادت ۱۱۵۲ھ لکھا ہے (قاموس المشاہیر ج ۲: ۶۵) یہ درست نہیں ہے۔

رامپور چلے گئے۔

قیام رامپور:-

رامپور میں نواب فیض اللہ خاں (م ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۳ء) سربراہِ سلطنت تھے۔ انہوں نے رامپور کے مدرسہ عالیہ کی مسندِ تدریس سپرد کی۔ مُلّا کی شہرت سن کر دور و نزدیک سے طلبہ جوق در جوق رامپور آنے لگے تو نواب صاحب نے طلبہ کے داخلہ پر کچھ پابندیاں عائد کردیں۔ وہ ایک مقرر حد تک ہی مدرسہ عالیہ کے اخراجات برداشت کرنا چاہتے تھے۔ اس کے برعکس مُلّا موصوف کی رائے یہ تھی کہ جو بھی تعلیم کے لئے آتا ہے اُسے داخلہ مِلنا چاہئے۔ اور ریاست کو اس کے اخراجات پورے کرنا چاہئیں۔ چنانچہ نواب صاحب اور مُلّا موصوف کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اور وہ رامپور سے رخصت ہونے کا پروگرام بنانے لگے۔

قیام بُہار:

اسی زمانہ میں منشی صدرالدین (م ۱۴ رمضان ۱۲۱۱ھ/۱۲ مارچ ۱۷۹۶ء) نے بردوان کے قریب بُہار کے قریہ میں مدرسہ جلالیہ کی بنیاد رکھی تھی[۱]۔ جب اُنہیں مُلّا اور نواب کے درمیان اختلافات معلوم ہوئے تو انھوں نے چار سو روپے ماہوار مشاہرہ پر بُہار آنے کی دعوت دی۔ ایک سو طلبہ کا خرچ برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ رامپور میں پانچ سال گزار کر ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں ملا عبدالعلی محمد اہل وعیال سمیت بہار آگئے۔

---

[۱] مدرسہ جلالیہ، سید جلال تبریزی (م ۶۴۲ھ/۱۲۴۴ء) کی یاد میں ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء میں قائم کیا گیا تھا اس کے اخراجات کے لئے بائیس ہزاری پرگنہ کی آمدنی وقف تھی۔ مدرسہ کے ساتھ ایک عمدہ کتب خانہ تھا جو بعد بُہار لائبریری کے نام سے موسوم ہوا اور ۱۹۰۴ء میں حکومت کے حوالہ کردیا گیا۔ یہ ذخیرہ کتب امپیریل لائبریری (موجودہ نیشنل لائبریری) میٹکاف ہال کلکتہ میں محفوظ کیا گیا۔ اس کی فہرست بزبان انگریزی شائع ہوچکی ہے۔

مُلّا موصوف بہار میں علمی و تعلیمی سرگرمیوں میں منہمک تھے کہ بعض مفسدوں اور مطلب پرستوں نے منشی صدرالدین اور اُن کے درمیان کچھ رنجش پیدا کردی جس کی وجہ سے ملّا موصوف دِل برداشتہ ہو گئے۔ نواب محمد علی والا جاہ (م ۱۷۹۵ء/ ۱۲۰۹ھ) نے اُنھیں مدراس آنے کی دعوت دی تو وہ ۲۴ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو مدارس آ گئے۔ نواب محمد علی والاجاہ نے اُن کا شاندار استقبال کیا۔ مُلا موصوف کی پالکی کو خود سہارا دے کر اپنے محل میں اتروایا اور اُن کے شایانِ شان خاطر مدارت کی۔

قیام مدراس :

مدرسہ کلاں مدراس کی صدر مدرسی کے منصب پر فائز ہوئے اور ایک ہزار روپے ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا۔ لیکن ملّا موصوف نے یہ مشاہرہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی ضروریات پر بھی خرچ کیا۔

نواب کے دربار میں اُنھیں عزت و احترام کا مقام حاصل تھا۔ اولیں نشست پر بیٹھتے تھے۔ تمام سرکاری دعوتوں اور رسموں میں اُن کی شمولیت ضروری خیال کی جاتی تھی۔ نواب محمد علی والا جاہ نے ہی اُنھیں بحرالعلوم کے خطاب سے نوازا تھا۔

نواب محمد علی والاجاہ کی وفات کے بعد اُن کا فرزند نواب عمدۃ الامراء گدی نشین ہوا۔ دس دن بعد ۱۱ ربیع الآخر ۱۲۱۰ھ / ۲۲ دسمبر ۱۷۹۵ء کو خطابات تقسیم کئے گئے تو مُلا موصوف کو عمدۃ الامراء نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر "ملک العلماء" کا خطاب دیا۔

۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء میں نواب عمدۃ الامراء بھی فوت ہو گیا۔ اس کی وفات پر جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ دستور کے مطابق عمدۃ الامراء کے بیٹے کو گدی نشین ہونا چاہیئے تھا مگر انگریزوں کی شرائط نہ ماننے کی بنا پر اُنھیں اقتدار سے محروم کر کے نبیرہ محمد علی والاجاہ (نواب عظیم الدولہ) کو گدی پر بٹھانے کی تیاریاں شروع کی گئیں اس موقع پر مُلّا موصوف نے ایک فتویٰ شائع کیا جس پر مختلف علماء کے دستخط تھے کہ تاج و تخت کے حقیقی وارث

کے ہوتے کسی دوسرے کو تخت پر بٹھانا شرعاً اور عرفاً ناجائز ہے مگر انگریزوں نے اس فتویٰ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ نواب عمدۃ الامراء کے بیٹے تاج الامراء کے سپاہیوں کے ہتھیار چھین لئے گئے اور نواب عظیم الدولہ کو گدی پر بٹھا دیا گیا۔

اس فتویٰ کے بعد مُلّا موصوف سے انگریزی حکومت بدظن ہو گئی اور اُن کی اولاد کو دی ہوئی جاگیریں اور مراعات بعد میں چھین لی گئیں

نواب عظیم الدولہ کے زمانہ میں مدرسہ کے اخراجات کی طرف توجہ نہ دی گئی اور طلبہ کے مسائل بڑھتے چلے گئے تاہم مُلّا موصوف قناعت پسند تھے اور مشکل حالات میں بھی طلبہ کو پہلے کی طرح پڑھاتے رہے۔

آخر ۸۱ برس کی عمر میں ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ/۱۳ اگست ۱۸۱۰ء کو مدراس میں وفات پائی اور دوسرے دن مسجد والا جاہی کے صحن سے ملحق سیدھے جانب دفن کئے گئے۔ مختلف شعراء نے تاریخ وفات کے قطعات کہے۔ مولوی ارتضا علی خاں کا ایک قطعہ ہے۔

چو رفت از جہاں فاضلِ نامور
کہ بودہ است کالشمس بین النجوم
خرد یافت تاریخِ سال وفاتش
بزیر زمین رفت گنجِ علوم[۱]

۱۲۲۵ھ

خراجِ تحسین:۔

مُلّا موصوف کی علمی خدمات کے پیشِ نظر اُن کے معاصرین اور بعد میں آنے والے اہلِ علم نے انہیں بھرپور خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ فضلِ امام خیر آبادی اُن کی قوت

۱؎ تذکرہ علمائے ہند میں سالِ وفات ۱۲۳۵ھ/۲۰-۱۸۱۹ء درج ہے۔

یاد داشت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"قوتِ حافظ جناب مولوی صاحب بدرجہ آنست کہ عبارت اکثر کتب درسی از بر است۔" [1]

سید سلیمان ندویؒ نے انہیں ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ کے زمرے میں شمار کیا ہے جنہوں نے دورِ متاخرین میں اجتہاد اور دقت نظری کی خوبی قائم رکھی۔

تصنیفات:۔

صرف:۔

۱۔ ہدایت الصرف (فارسی۔ مطبوعہ)

فقہ و اصول فقہ:۔

۲۔ رسائل الارکان یا الارکان الاربعہ۔ حنفی نقطۂ نظر کے مطابق فقہی مسائل کا استنباط کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بعض عربی مدارس میں نصاب میں شامل رہی ہے۔ (مطبوعہ)

۳۔ مسائل متعلقہ حقہ و حرمت نان پاؤ و افیون و جوز و بنگ۔

یہ در حقیقت ایک استفتاء کے جوابات ہیں جو بحر العلوم، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۴ء) اور شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) نے دیئے تھے مطبع مصطفائی کانپور سے عربی مع بین السطور فارسی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔

۴۔ فاتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت (سن تالیف ۱۱۸۰ھ) مطبوعہ

۵ تنویر المنار شرح منار الانوار (فارسی۔ مطبوعہ)

۶ تکملہ (حاشیہ) شرح تحریر الاصول۔ اصولِ فقہ میں کمال الدین محمد المشہور بہ ابن الہمام صاحبِ "فتح القدیر" کی "تحریر الاصول" بہت اہم سمجھی جاتی ہے اور اس کی متعدد شرحیں

---

[1] تراجم الفضلاء : ۱۲

لکھی گئی ہیں۔ ملا نظام الدین سہالوی نے اس کی شرح لکھنا شروع کی تھی کہ اجل کا بلاوا آگیا اُن کی نامکمل شرح کو تکمیل تک پہنچایا

۷۔ شرح الدائر فی الاصول

حدیث:۔

۸۔ رسالہ فی تقسیم الحدیث (مخطوط۔ رضا لائبریری رامپور)

۹۔ رسالہ اصول الحدیث (" کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ)

عقائد و کلام:۔

۱۰۔ احوال قیامت (مخطوط ـــــ فارسی)

۱۱۔ رسالہ توحید

۱۲۔ شرح فقہ اکبر (مطبوعہ ـــــ فارسی)

۱۳۔ الحاشیہ علی حاشیہ میرزاہد علی شرح المواقف (مطبوعہ)

تصوف:۔

۱۴۔ تنزلات ستہ - اس رسالہ کا اردو ترجمہ سہ ماہی "اقبال ریویو" بابت جولائی ۱۹۶۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۵۔ الرسالۃ الصغریٰ فی السلوک (مخطوط ۔ رضا لائبریری رامپور)

۱۶۔ شرح فص نوحی من فصوص الحکم

۱۷۔ شرح مثنوی مولانا روم (فارسی ـــــ مطبوعہ)

۱۸۔ وحدت الوجود (فارسی)

منطق:۔

۱۹۔ الحاشیہ علی حاشیہ میرزاہد علی رسالۃ القطبیہ (مطبوعہ)

۲۰۔ الحاشیہ علی حاشیہ میرزاہد ملا جلال (")

۲۱- الحاشیہ علی ضابطہ التہذیب (مطبوعہ)

۲۲- شرح سُلم العلوم (")

۲۳- شرح الضابطہ (")

فلسفہ و حکمت :-

۲۴- تعلیقات علی الافق المبین (مخطوطہ، رضا لائبریری رامپور)

۲۵- الحاشیہ علی الصدرا (مطبوعہ)

۲۶- الحاشیہ علی المشاۃ بالتکریر (مخطوطہ)

۲۷- حاشیہ شمس البازغہ (")

۲۸- العجالۃ النافعہ (" - رضا لائبریری رامپور)

ہیئت :-

۲۹- شرح المجسطی (مخطوطہ- رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال)

متفرق :-

۳۰- شرح مقامات المبادی (" - آصفیہ حیدر آباد)

عبدالغفور لاری

رضی الدین عبدالغفور لاریؒ[1]، حضرت سعد بن عبادہ کی اولاد میں سے تھے۔ عبدالرحمان جامی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ جامی بہت کم لوگوں کو مرید کرتے تھے لیکن لاری کے بارے میں ان کا قول ہے۔

"ایک مریدِ کامل یعنی لاری ہزاروں مریدوں سے بہتر ہے"۔ اوران کے بارے میں اکثر یہ شعر گنگنایا کرتے تھے۔

آنجا کہ فہم و دانش مرغ بود شکاری
بازلیست تیز رفتار عبدالغفور لاری

مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر (م ۱۵۳۰ء) اپنی توزک میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ملا عبدالغفور نامی ایک اور عالم بھی بہت ممتاز تھے۔ ملا عبدالرحمان جامی کے مرید تھے اور شاگردِ رشید بھی۔ ملا جامی کی اکثر تصانیف اپنے استاد سے پڑھی تھیں۔ بڑے عالم اور زاہد بزرگ تھے بہت منکسر المزاج اور شریف آدمی تھے۔ کسی بھی عالم کے سامنے کتاب کھول کر بیٹھ جانے میں عار نہ سمجھتے تھے۔ جس فقیر اور درویش کی آمد کا حال سنتے اُس کے پاس جا پہنچتے اور اُس سے کسبِ فیض کرنے میں قطعاً شرم محسوس نہ کرتے"۔[2]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند م : ۱۲۵ ؎ [2] تزکِ بابری م : ۱۰۷ ؎

وفات :-

۵ شعبان ۹۱۲ھ/۲۱ دسمبر ۱۵۰۶ء کو انتقال کیا اور خیابانِ ہرات میں مُلّا جامی کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ تاریخ وفات "مالک مخدوم قطب"، "جناب خواجہ لاری" اور "عارف پیر حق لاری" سے برآمد ہوتی ہے۔

تصنیفات :-

لاری نے اپنے استاد و مرشد عبدالرحمان جامی کی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں۔

۱۔ حاشیہ نفحات الانس

۲۔ حاشیہ فوائد الضیائیہ۔ کافیہ کی شرح "فوائد الضیائیہ" پر حاشیہ مکمل نہ ہو سکا بعد میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اس کا تتمہ لکھا۔ یہ حاشیہ برصغیر میں معروف و متداول ہے۔ آرمینیس ویمبرے نے لکھا ہے کہ "ملا عبدالغفور کی شرحیں زیادہ مشہور نہیں ہیں مگر قدر و قیمت میں کم نہیں ہیں"۔ [۱]

---

[۱] تاریخ بخارا (اردو ترجمہ) ۲: ۳۰۱

عبدالقاہر جرجانی

عبدالقاہر بن عبدالرحمان جرجانی کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہیں۔ انہوں نے محمد بن حسین فارسی (م ۴۲۱ھ) سے تعلیم پائی تھی کسی دوسرے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا۔ انھوں نے زندگی بھر کوئی سفر نہ کیا۔[۱]

جرجانی مذھباً شافعی اشعری تھے اور علم بیان اور نحو میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸ء یا ۴۷۴ھ / ۱۰۸۱ء میں فوت ہوئے۔[۲]

جرجانی سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ مغنی شرح ایضاح

۲۔ مقتصد فی شرح اعجاز القرآن

۳۔ مائۃ عامل

۴۔ دلائل الاعجاز (معانی)

۵۔ اسرار البلاغت (بلاغت)

مؤخرالذکر دو کتابوں کے بارے میں مولوی ذوالفقار کا بیان ہے کہ "یہ دو کتابیں آیت کبریٰ و ید بیضا ہیں ان دو علموں میں متاخرین کا علم ان دو کی طرف منتہی ہوتا ہے۔"[۳]

---

[۱] قضا الارب ۳: ۲۲۷ ۔ [۲] ایضاً و قاموس المشاہیر ج اوّل ۳: ۶۷ ۔

[۳] قضا الارب ۳: ۲۲۷

عبدالوہاب بن ابراہیم زنجانی

عزالدین ابوالمعالی عبدالوہاب بن ابراہیم بن عبدالوہاب الخزرجی زنجانی عربی ادب و انشا میں بُلند مرتبہ کے مالک ہیں۔ حالاتِ زندگی کے بارے میں متداول تذکرے خاموش ہیں۔ غالباً شافعی المسلک تھے۔ تاج الدین سبکی (م ۷۷۱ھ) نے اُن کے والد کو "شافعی المذھب" لکھا ہے۔

بغداد میں ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء میں وفات پائی۔

زنجانی سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں:[1]

۱۔ التصریف العزی (زنجانی) علم صرف کی متداول عربی تالیف ہے متعدد علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ علامہ تفتازانی کی شرح بہت معروف ہے۔

۲۔ معیار النظار فی علوم الاشعار (مخطوطہ)

۳۔ الہادی فی النحو۔

---

[1] اعلام جلد ۴ : ۳۳۰

عبداللہ نسفی

ابوالبرکات کنیت، حافظ الدین لقب اور عبداللہ نام ہے۔ نسب نامہ یہ ہے ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی۔ اُن کا اصل وطن ایذج (اصفہان) تھا مگر نسف میں سکونت اختیار کر لینے کے سبب نسفی مشہور ہوئے۔

ابوالبرکات نے فقہ کی تعلیم شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری (م ۶۴۲ھ) حمید الدین ضریر اور بدرالدین خواہر زادہ سے حاصل کی۔[۱]

اپنے دور کے امام اور جلیل القدر حنفی فقیہ گزرے ہیں۔ اُن کے تفصیلی حالاتِ زندگی نہیں ملتے۔ کافی عرصہ بخارا میں سکونت پذیر رہے۔

۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء میں وفات پائی۔ خیر الدین زرکلی نے اُن کی مندرجہ ذیل تصنیفات کے نام لکھے ہیں۔[۲]

۱۔ مدارک التنزیل۔ قرآن مجید کی معروف و متداول تفسیر ہے علماء نے اس پر حواشی لکھے ہیں۔

۲۔ وافی فی الفروع (فقہ) ۳۔ کافی (فقہ) وافی فی الفروع کی شرح ہے۔

۴۔ کنز الدقائق (فقہ) وافی کی تلخیص ہے۔ بکثرت شروح و حواشی لکھے گئے ہیں۔

۵۔ المنار (اصولِ فقہ)

۶۔ کشف الاسرار (اصول فقہ) المنار کی شرح ہے۔

---

[۱] سیر الاحناف ص: ۸۸ ۔ [۲] الاعلام ج ۴ ص ۱۹۲ ۔

۷۔المصفیٰ۔ ابوحفص نسفی (م ۵۳۷ھ) کی نظم کی شرح ہے مخطوطات کی صورت میں بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔ ۸۔عمدۃ العقائد:۔

"سیر الاحناف" میں اُن کی مندرجہ ذیل مزید کتابوں کا ذکر ہے۔[1]

۹۔مستصفیٰ شرح فقہ النافع

۱۰۔منتخب اخکسثی کی دو شرحیں

۱۱۔عقیدہ حافظیہ

کنزالدقائق کے تراجم:۔

فارسی:۔ شاہ ولی اللہ کے بھائی شاہ اہل اللہ نے یہ ترجمہ کیا۔

اُردو:۔ مولانا محمد احسن نانوتوی نے اپنے بھائی مولوی محمد منیر کی فرمائش پر ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں فارسی سے اردو ترجمہ کیا اور "احسن المسائل" نام رکھا۔ توضیح وتشریح کے لئے حاشیہ لکھا ہے اور حسبِ ضرورت متن میں اضافہ کیا ہے۔

۲۔ کنزالدقائق کا دوسرا ترجمہ مولانا ظہیر احمد ظہیرؔی سہسوانی نے "ظہیر الحقائق" کے نام سے کیا ہے۔

شروح کنزالدقائق:۔

عربی:۔ کنزالدقائق میں مسائل اِس متانت اور اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ اُس نے قبول عوام حاصل کرلیا۔ اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئی ہیں جن کا احاطہ مقصود نہیں۔ صرف اہم شرحوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ تبیین الحقائق۔ فخرالدین ابومحمد عثمان بن علی زیلعی (م ۷۴۳ھ/۱۳۴۲ء)

۲۔ رمز الحقائق۔ بدرالدین محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء)

---

[1] سیر الاحناف ص: ۸۹

۳۔البحرالرائق ۔ نہایت مبسوط شرح ہے۔ زین الدین بن نجیم مصری (م ۹۷۰ھ) نے شروع کی مگر پایۂ تکمیل کو پہنچنے سے پہلے اُن کا انتقال ہوگیا بعد میں ان کے بھائی سراج الدین عمر نے مکمل کی۔

۴۔النہرالفائق ۔سراج الدین عمر نے البحرالفائق کا اختصار کیا ہے۔

۵۔شرح کنزالدقائق ۔ ملا مسکین معین الدین

۶۔شرح کنزالدقائق ۔قاضی عبدالبر بن محمد حلبی (م ۹۲۱ھ/۱۵۱۵ء)

۷۔شرح کنزالدقائق ۔ قاضی زین الدین بن عبدالرحیم بن محمود عینی (م ۸۶۴ھ/۶۰-۱۴۵۹ء)

۸۔الفوائد فی حل المسائل والقواعد (شرح مراد خانیہ)

مولانا مصطفیٰ بن بالی (بالی زادہ) نے ۱۰۳۶ھ میں مکمل کی۔

۹۔شرح کنزالدقائق ۔ شیخ قوام الدین ابوالفتوح مسعود بن ابراہیم کرمانی (م ۷۴۸ھ/ ۱۳۴۷ء)

۱۰۔شرح کنزالدقائق ۔ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عمر صالحی حنفی دمشقی مفتی شام (م ۹۵۰ھ/ ۱۵۴۳ء)

۱۱۔شرح کنزالدقائق ۔عزالدین یوسف بن محمود رازی طہرانی نے زیلعی (م ۷۴۳ھ/۱۳۴۲ء) کی شرح کا اختصار کیا۔قاہرہ میں ۱۷ شوال ۷۷۳ھ کو مکمل ہوئی۔

۱۲۔المطلب الفائق ۔علامہ شیخ بدرالدین محمد بن عبدالرحمان عیسٰی ویروی کی سات جلدوں میں مبسوط شرح ہے

۱۳۔شرح ۔ ابوحامد محمد بن احمد بن ضیا مکّی (م ۸۵۸ھ)

۱۴۔المستخلص ۔ ابراہیم بن محمد قاری حنفی نے ۹۰۷ھ میں مکمل کی۔

فارسی :۔

۱۵۔معیارالحقائق ۔ضیاء الدین محمد الحسینی۔

عبداللہ یزدی

ملّا عبداللہ یزدی شہ آبادی بن شہاب الدین حسین نے علوم مروجہ کی تحصیل جمال الدین محمود (شاگرد جلال الدین دوانی) سے کی۔ اُن کے ہم درسوں میں مرزا جان شیرازی اور ملّا مقدس اردبیلی شامل تھے۔ یہ تینوں ہم جماعت علوم عربیہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ اردبیلی نے فقہ و اصول میں نام پیدا کیا۔ عبداللہ یزدی اور مرزا جان نے ادب اور منطق کے فنون میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

ملّا عبداللہ یزدی ۹۸۱ھ/ ۷۴-۱۵۷۳ء میں فوت ہوئے۔ حاجی خلیفہ چلپی نے ۱۰۵۰ھ/ ۴۱-۱۶۴۰ء لکھا ہے جو درست نہیں۔ عبداللہ کی حسب ذیل کتابیں ملتی ہیں۔

۱۔ حاشیہ مطوّل ۲۔ حاشیہ مختصر المعانی (تالیف - ۹۶۲ھ)

۳۔ حاشیہ بر حاشیہ مطوّل - ملّا نظام الدین عثمان خطائی (م ۹۰۱ھ) نے مطوّل پر حاشیہ لکھا اس پر مزید حاشیہ ہے۔

۴۔ حاشیہ بر حاشیہ مختصر المعانی۔ یہ بھی خطائی کے حاشیہ پر مزید اضافہ ہے۔

۵۔ حاشیہ بر حاشیہ مطوّل - سیّد شریف جرجانی کے حاشیہ مطوّل پر اضافہ ہے۔

۶۔ شرح تہذیب المنطق۔

عبداللہ بن عمر بیضاوی

"بیضا" مضافاتِ شیراز میں ایک بستی ہے۔ یہیں ابوسعید (ابوالخیر) عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی پیدا ہوئے۔ اُن کی تاریخ ولادت کسی تذکرہ نگار نے نہیں لکھی۔ قیاس چاہتا کہ ساتویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں پیدا ہوئے۔

وہ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والد ماجد ابوبکر بن سعد کے عہد میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے۔ ابتدائی تعلیم وطنِ مالوف میں حاصل کی بعد میں تبریز چلے گئے۔ تاج الدین سبکی کا بیان ہے[1] کہ تبریز میں ایک علمی مجلس میں علامہ بیضاوی شریک ہوئے چونکہ اس شہر میں غیر معروف تھے اور کسی سے شناسائی نہ تھی اس لئے مجلس کے آخر میں بیٹھے۔ مدرس نے دورانِ تدریس میں ایک لطیف نقطہ بیان کیا اور سامعین سے اِس کی وضاحت کے لئے استفسار کیا۔ بیضاوی اپنی جگہ سے اٹھے اور اس عمدگی سے بحث کی کہ خود مدرس انگشت بدنداں رہ گئے۔ مدرس نے کہا کہ ان ہی لفظوں میں ایک بار پھر بحث دُہرا دیجئے چنانچہ بیضاوی نے گفتگو دہرا دی اور بطور استفسار فرمایا کہ اس بحث میں ایک غلطی ہے۔ ذرا آپ اس کی تصحیح کیجئے۔ مدرس لاجواب ہو گئے۔ اہل علم کی اس مجلس میں وزیر مملکت موجود تھا اُس نے بیضاوی کو قریب بلایا۔ احوال دریافت کئے۔ علامہ بیضاوی نے عہدۂ قضا کے لئے درخواست کی۔ وزیر نے خلعتِ فاخرہ سے نوازا اور عہدۂ قضا پر فائز ہوئے۔

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۵، ص: ۵۹۔

شیخ محمد بن محمد سے ارادت کے بعد عہدۂ قضا سے الگ ہو گئے اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہنے لگے

تبریز میں ۶۸۴ھ یا ۶۸۵ھ/۱۲۸۵ء یا ۱۲۸۶ء میں وفات پائی اور اپنے شیخ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تصنیفات:۔

امام بیضاوی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار رہیں۔

۱۔ شرح مصابیح امام البغوی (حدیث)

۲۔ طوالع الانوار فی اصول الدین (علم کلام)

۳۔ المصباح فی اصول الدین (علم کلام۔ طوالع الانوار کا اختصار ہے)

۴۔ الایضاح فی اصول الدین۔

۵۔ شرح المحصول (اصولِ فقہ۔ امام فخر الدین رازی کی تالیف "المحصول" کی شرح ہے)

۶۔ شرح المنتخب (اصول فقہ)

۷۔ مرصاد الافہام الی مبادی الاحکام یا "شرح مختصر ابن حاجب" (اصول فقہ)

۸۔ منہاج الوصول الی علم الاصول (اصول فقہ)

۹۔ شرح التبنیہ لابی اسحاق الشیرازی ۴ جلد۔

۱۰۔ الغایۃ القصویٰ فی درایت الفتویٰ۔

۱۱۔ التہذیب والاخلاق فی التصوف۔

۱۲۔ شرح الکافیہ (ابن حاجب کی متداول تالیف کی شرح ہے)

۱۳۔ کتاب فی المنطق ۱۴۔ مختصر فی الہیئۃ

۱۵۔ لب اللباب فی علم الاعراب۔ ۱۶۔ موضوعات العلوم وتعارفہا

۱۷۔ انوار التنزیل واسرار التاویل۔

یہ تفسیر علامہ بیضاوی نے اپنے شیخ محمد بن محمد کے ایماء پر تالیف کی۔ اس کی بنیاد علامہ جاراللہ زمخشری کی "کشاف" پر ہے۔ زمخشری چونکہ معتزلی تھے اس لئے تفسیر میں "اعتزال" رہ پا گیا۔ علامہ بیضاوی نے مسلکِ شافعی کے مطابق ترتیبِ نو کردی اور زمخشری کے اعتزال پر شدید گرفت کی۔

تفسیر بیضاوی برصغیر پاک و ہند اور مصر کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

حواشی تفسیر بیضاوی

"انوار التنزیل و اسرار التاویل" پر علماء نے بکثرت حواشی تحریر کئے ہیں۔ ان میں سے بعض ایک دوسرے کی نقل ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے علماء کے معروف اور اہم حواشی کی تفصیل یہ ہے۔[1]

۱۔ مولانا مصلح الدین لاری، سندھ کے حاکم مرزا شاہ حسن کے استادوں میں سے تھے۔ ۹۵۱ھ میں مکہ معظمہ چلے گئے۔ اُن سے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ یادگار ہے۔

۲۔ ابوالفضل گازرونی (م ۹۵۹ھ) ملا جلال الدین دوانی کے شاگرد اور ملا مبارک ناگوری کے اُستاد تھے۔ انہوں نے بیضاوی پر حاشیہ لکھا۔

۳۔ شیخ محمد احمد آبادی (م ۹۸۲ھ) ابو صالح محمد بن احمد میاں جی کے نام سے معروف ہیں۔ انہوں نے عربی زبان میں "تفسیر محمدی" لکھی۔ اس کے ساتھ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا۔

۴۔ وجیہ الدین علوی (م ۹۹۸ھ) شاگرد ملا عماد طاری نے بھی ایک حاشیہ تحریر کیا ہے۔

۵۔ قاضی نور اللہ شوستری شیعی نے بھی ایک حاشیہ تحریر کیا۔

۶۔ عبدالسلام لاہوری (م ۱۰۳۷ھ) شاگرد میر فتح اللہ شیرازی کی تالیفات میں حاشیہ بیضاوی کا ذکر ملتا ہے۔

---

[1] ماہنامہ "العلم" (کراچی) جنوری تا مارچ ۱۹۷۲ء ص: ۵۴-۵۵۔

۷۔التعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی کے نام سے شیخ عبدالحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے تفسیر کے کچھ اجزاء پر حواشی لکھے۔ اُنہوں نے تفسیر بیضاوی کے معتبر اور مؤثر حصوں پر قلم اٹھایا ہے۔

۸۔عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) کا حاشیہ معروف ہے صرف سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ پر حاشیہ ہے۔

۹۔عبدالسلام ساکن دیوہ نے اپنے استاد ملاّ عبدالسلام لاہوری کی پیروی میں ایک حاشیہ تحریر کیا۔

۱۰۔جلال الدین بن نصیر جنابی (م گیارہویں صدی ہجری) نے حاشیہ تفسیر بیضاوی لکھا۔

۱۱۔حافظ امان اللہ بنارسی (م ۱۱۳۳ھ) سے بھی ایک حاشیہ یادگار ہے۔

۱۲۔نورالدین احمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ) تفسیر سے خاص شغف رکھتے تھے۔ دوسری تفسیری کتابوں کے ساتھ ساتھ بیضاوی پر تحشیہ کیا۔

۱۳۔محمد عابد لاہوری (م ۱۱۶۰ھ) نے بھی ایک حاشیہ لکھا۔

۱۴۔مُلاّ حامد بن عبدالرحیم جونپوری نے بھی تعلیقات و حواشی تحریر کئے۔

۱۵۔عبدالحکیم لکھنوی (م ۱۲۸۸ھ) بحرالعلوم عبدالعلی لکھنوی کے پوتے تھے۔ اُن سے کئی دوسری اہم کتابوں کے علاوہ حاشیہ تفسیر بیضاوی بھی یادگار ہے۔

۱۶۔محمد اسرائیل سلہٹی نے حاشیہ تفسیر بیضاوی لکھا۔

نظام التواریخ:۔

یہ تاریخ علامہ بیضاوی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر سلطان ابوسعید کے زمانہ (۶۷۴ھ ۔ ۷۳۶ھ) تک ایران کی مجمل تاریخ ہے۔ ۱۹۳۰ء میں حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔

مؤلف نے اس تاریخ میں اپنا نام "ابو القاسم عمر البیضاوی" لکھا ہے جب کہ علامہ بیضاوی (مفسر قرآن) کی کنیت ابو سعید اور ابو الخیر ہے۔ نیز یہ کتاب ۷۱۹ھ میں تالیف ہوئی۔ مؤلف کے اپنے الفاظ ہیں۔

"الی یومنا ھذا وھو حادی العشرین ذی القعدہ سنہ تسع عشر و سبعمائۃ ھجریہ"[1]

جب کہ علامہ بیضاوی (مفسر قرآن) کی وفات ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء میں ہو چکی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق وہ ۷۱۶ھ/۱۷-۱۳۱۶ء میں فوت ہوئے۔ اور غالباً یہ دوسری روایت بھی "نظام التواریخ" کے عہدِ تالیف کے حوالہ سے متعین کرنے کی کوشش ہوئی ہے اس لئے اسے علامہ بیضاوی کے بجائے کسی دوسرے بیضاوی کی تالیف سمجھنا چاہیئے۔

---

[1] فہرست مخطوطاتِ شفیع ۳: ۲۲۵

عبیداللہ بن مسعود

صدرالشریعت ثانی عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی بخاری حنفی بلند پایہ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے دادا "تاج الشریعت" مؤلف "وقایہ" سرآمدِ روزگار تھے۔ والد ماجد صدرالشریعت اوّل کے لقب سے معروف تھے اور خود "صدرالشریعت ثانی" مشہور تھے۔

۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء میں وفات پائی اور اپنے اسلاف کے قبرستان شرع آباد (مضافاتِ بخارا) میں دفن کئے گئے۔ اُن سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ التنقیح (اصولِ فقہ)　۲۔ التوضیح۔ التنقیح کی شرح ہے۔

۳۔ نقایہ، مختصر الوقایہ۔ عبیداللہ بن مسعود کے دادا تاج الشریعت محمود (م ۶۷۳ھ) کی تالیف "وقایۃ الروایۃ" کا اختصار ہے۔ نقایہ پر اکابر علماء نے شرحیں لکھی ہیں۔

۴۔ شرح وقایۃ الروایۃ

شروح نقایہ (مختصر الوقایہ)

۱۔ کمال الدرایہ فی شرح النقایہ۔ شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن محمد شمنی (م ۸۷۲ھ)

۲۔ شرح۔ علاء الدین علی بن محمد مصنفک (م ۸۷۵ھ)

۳۔ شرح۔ شیخ قاسم بن قطلوبغا محدث حنفی (م ۸۷۹ھ) یہ شرح ناتمام رہی۔

۴۔ شرح وقایہ۔ ملا عبدالعلی برجندی نے ۹۳۲ھ میں مکمل کی۔

۵۔ شرح وقایہ۔ محمود بن الیاس رومی نے ۸۵۱ھ میں مکمل کی۔

۶۔ شرح وقایہ۔ ملا عبدالرحمان جامی (م ۸۹۸ھ) نے فارسی زبان میں یہ شرح لکھی ہے۔

۷۔ شرح وقایہ۔ ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد نے ۹۰۷ھ میں تالیف کی۔

۸۔ جامع الرموز۔ شمس الدین محمد خراسانی قہستانی (م ۹۶۲ھ)

۹۔ فتح باب العنایہ۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ)

حواشی شرح وقایہ:۔

شرح وقایہ پر اکابر فقہاء نے بیش قیمت حواشی لکھے ہیں جن کا ذکر مولانا عبدالحئ لکھنوی نے اپنے "حاشیہ" میں کیا ہے۔ چند اہم حواشی یہ ہیں۔

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ۔ یوسف بن جنید توقانی المعروف بہ اخی چلپی کا حاشیہ متداول ہے محشی نے ۸۹۱ھ میں یہ حاشیہ لکھنا شروع کیا اور ۹۰۱ھ میں فارغ ہوا۔

۲۔ حاشیہ مولانا عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائنی (م ۹۹۴ھ) یہ حاشیہ صرف کتاب البیع تک ہے۔

۳۔ حاشیہ علامہ سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ)

قاضی عضد الدین ایجی

قاضی عضد الدین عبدالرحمان بن احمد بن عبدالغفار بن احمد۔ ۶۸۰ھ/۸۲-۱۲۸۱ء میں شیراز کے ایک نواحی گاؤں "ایج" میں پیدا ہوئے۔

قاضی عضد الدین نے اپنے دور کے نامور اساتذہ اور مولانا زین الدین (شاگرد علامہ ناصر الدین بیضاویؒ) سے اکتسابِ فیض کیا۔

عہد علائی (۶۹۵ھ تا ۷۱۵ھ) کے آخری ایام میں برصغیر پاک و ہند میں آئے اور دیپال پور میں قیام کیا۔ یہاں محمد بن تغلق کو تعلیم دی۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے لکھا ہے کہ "اُن ہی کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق نے روشن خیالی اختیار کی[۱]۔" کچھ عرصہ بعد موصوف واپس شیراز چلے گئے اور ابو سعید والئی شیراز نے انہیں قاضی کا منصب دیا۔

محمد بن تغلق ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا تو اُس نے دہلی کے مشہور عالم مولانا معین الدین عمرانی کو چالیس لاکھ روپیہ دے کر قاضی صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ یہ رقم بطور ہدیہ پیش کر کے شیراز سے برصغیر آنے کی دعوت دیں۔ قاضی موصوف نے رضامندی کا اظہار کیا مگر ابو سعید نے بصد منت و سماجت روک لیا۔ مولوی رحمان علی کا بیان ہے۔

"چوں پادشاہ شیراز از ماجرا واقف گشت
بجدائی قاضی راضی نشد بلکہ از جمیع املاک سلطنت
برآمدہ بخدمت قاضی آمدہ التماس نمود کہ شما

۱۔ آئینہ حقیقت نما: ۴۳۲ ❖

بر تخت سلطنت نشینید من خدمتِ شما کنم
جز منکوحہ خود ہر چہ دارم ازاں شما است، قاضی
چوں ایں ہمہ مروت وہمت ازوی بدید فسخ عزیمت
دیارِ ہند نمود [۱]"

محمد قاسم فرشتہ کی روایت ہے کہ

"مولانا عضد الدین استادِ خود را چہل لک تنکہ در یک روز بخشیدے [۲]

اس عبارت سے یہ تاثر ملتا ہے کہ قاضی موصوف عہدِ محمد بن تغلق میں برصغیر میں آئے تھے۔ یہ تاثر درست نہیں۔

قاضی موصوف معقولات کے امام تھے۔ حافظ شیرازی نے اُن کے بارے میں کہا۔

دگر شہنشہ دانش عضد کہ در بینش
بنائے کار موافقت بنام شاہ نہاد

قاضی صاحب کو اللہ تعالےٰ نے دولت وثروت سے بھی نوازا تھا۔ اور طلبہ پر فیاضانہ رقم خرچ کرتے تھے۔ اُن کے دامنِ علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں شمس الدین کرمانی، ضیاء الدین عفیفی اور سعد الدین تفتازانی جیسے فخرِ روزگار علماء شامل ہیں۔ اثیر الدین ابہری مؤلف "ہدایت الحکمت" اُن کے معاصر تھے اور اُن سے مناظرہ کرتے رہتے تھے

وفات:۔

آخر عمر میں معتوبِ اقتدار ہو گئے تھے اور قلعہ دریمیان میں قید کر دیئے گئے تھے۔ دورانِ قید ہی میں ۷۵۶ھ/ ۱۳۵۵ء کو انتقال ہوا [۳]۔

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند ۲: ۲۲۸-۲۲۹ ٭ [۲] بحوالہ آئینہ حقیقت نما ٭
[۳] حکمائے اسلام جلد دوم ۲: ۲۴۲ ٭

تصنیفات:

خیر الدین زرکلی نے اُن کی مندرجہ ذیل تصنیفات. کا ذکر کیا ہے۔

۱. مواقف۔
۲. عقائد عضدیہ۔
۳. جواہر الکلام (غیر مطبوعہ)
۴. شرح مختصر ابنِ حاجب۔
۵. رسالہ عضدیہ
۶. الفوائد الغیاثیہ (معانی و بیان)
۷. اشرف التواریخ (غیر مطبوعہ)۔
۸. المدخل فی علم المعانی والبیان والبدیع۔

علی اکبر الہ آبادی

قاضی علی اکبر حسینی حنفی الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ بلند پایہ عالم دین تھے۔ علامی سعد اللہ خاں نے انہیں اپنے فرزند لطف اللہ کا معلم مقرر کیا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانۂ بادشاہت میں شاہزادہ محمد اعظم کی تعلیم پر مامور رہے۔ جب عالمگیر کو اُن کی فقاہت اور بالغ نظری کا علم ہوا تو لاہور کا عہدۂ قضا اُن کے سپرد کر دیا۔ قاضی صاحب نے نہایت محنت اور دیانت داری سے اپنی ذمہ داریاں پوری کیں۔

"فتاویٰ عالمگیریؒ" کے چوتھائی حصّہ کی انہوں نے نگرانی کی۔ ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۸ء میں لاہور کے گورنر قوام الدین اصفہانی کے اشارے پر کوتوالِ شہر نے انہیں قتل کر دیا۔ عالمگیر کو جب علم ہوا تو کوتوالِ شہر کو قصاص میں قتل کر دیا گیا اور گورنر کو شیخ الاسلام کے حوالے کر دیا گیا جو قاضی صاحب کے لواحقین کے معاف کرنے پر جان بچا سکا۔

قاضی صاحب بلند پایہ قواعد دان تھے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ فصولِ اکبری (فارسی)

اس میں عربی زبان کی صرف کے قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ مدارس عربیہ میں مبتدی طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے

فصولِ اکبری کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ ایک شرح ملّا علاء الدین فرنگی محلی (م ۱۲۴۲ھ/۲۷-۱۸۲۶ء) سے یادگار ہے[۱]۔ دوسری عمدہ اور نفیس شرح شاہ حمایت علی

---

[۱] تذکرہ [illegible] ہند: ۱۴۱ ٭

قلندر کاکوروی (م ۲۵ رجب ۱۲۲۶ھ/ ۱۷۔ اگست ۱۸۱۱ء) نے "رکاز الاصول" کے نام سے لکھی ہے جو کئی بار طبع ہو چکی ہے

۲۔ اصول اکبری یا اصول الاکبریہ (عربی)

فصولِ اکبری کے موضوع پر ہی عربی زبان میں یہ کتاب تالیف کی ہے۔

۳۔ گہر منظوم (فارسی) عربی زبان کے قواعدِ صرف کو فارسی نظم میں بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ رسالہ لامیہ۔ اس رسالہ میں الف لام (حرف تعریف) کے استعمال اور معانی پر بحث ہے۔

لہ تذکرہ مشاہیر کاکوری ص: ۱۳۷

عمر بن محمد ـــــ نجم النسفی

ابتدائی زندگی

نخشب۔ ماوراالنہر کا مردم خیز شہر ہے۔ عرب اس کو نسف کہتے ہیں۔ یہیں ۴۶۱ھ / ۱۰۶۸ء میں عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن محمد بن علی بن لقمان پیدا ہوئے۔ اُن کی کنیت ابو حفص، لقب نجم الدین اور صفت نسبتی، نسفی اور سمرقندی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نسفی نے حدیث و فقہ وغیرہ کی تحصیل کے لئے ساڑھے پانچ سو شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اُن کے شیوخ میں صدر الاسلام محمد بن محمد بن الحسین البزوری (م ۴۹۳ھ) عطا بن حمزہ السغدی، قاضی ابو علی الحسن بن عبد المالک حنفی اور ابو محمد اسماعیل بن محمد النوحی النسفی جیسے حضرات شامل ہیں۔

علمی سفر:-

نجم الدین نسفی نے ماوراالنہر، عراق اور حجاز کا سفر کیا اور ان علاقوں کے اہم شہروں میں قیام کیا۔ مکہ معظمہ گئے تو اس زمانے میں علامہ جار اللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) وہاں مقیم تھے۔ نسفی اُن سے ملاقات کرنے گئے۔ مکان پر جا کر دستک دی۔ آواز آئی

من ھذا؟ (کون)

نسفی نے کہا "عمر"

زمخشری نے کہا "انصرف" (واپس چلے جاؤ)

نسفی کی شوخ طبیعت گدگدائی اور اُنہوں نے جواب میں کہا "عمر لا ینصرف" (عمر غیر منصرف ہے)

زمخشری آنے والی کی لیاقت تاڑ گئے اور بولے" اذا نکرہ ، ینصرف" (نکرہ ہو تو منصرف ہوتا ہے)

اس کے بعد ملاقات ہوئی:۔

تدریس:۔

نسفی سرآمد روزگار علماء میں سے تھے اور طلبہ جوق در جوق اُن سے رجوع کرتے تھے۔ اُن سے بلا مبالغہ سینکڑوں افراد نے تعلیم پائی۔ تذکرہ نگار تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ اُن کے بعض اساتذہ بھی علمی معاملات میں اُن سے مشورہ کرتے تھے۔ اُن کے معروف ترین شاگرد صاحبِ ہدایہ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی مرغینانی ہیں۔

وفات:۔

نسفی نے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۵۳۷ھ / ۴ دسمبر ۱۱۴۲ء کو سمرقند میں انتقال کیا۔

اولاد:۔

اُن کی اولاد میں صرف ایک بیٹے کا نام ملتا ہے جو باپ کی طرح صاحب علم و فضل اور علمی روایت کے امین تھے۔

تصنیفات:۔

نسفی کثیر التصانیف عالم تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تاریخ اور ادب کے موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ اُن کی کتابوں کی تعداد سو سوا سو تھی مگر ان میں سے بہت کم ملتی ہیں۔ مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری نے اپنے تحقیقی مقالہ میں اکیس کتابوں کا ذکر کیا ہے[۱] تفصیل یہ ہے۔

تفسیر و قرأت

۱۔ التیسیر فی التفسیر (۴ جلد) عربی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اس تفسیر کی چوتھی

---

[۱] ماہنامہ "معارف" جلد ۷۵، شمارہ ۴، مقالاتِ عرشی۔

جلد کتاب خانہ رضائیہ رامپور میں ہے۔ (مخطوطہ)

۲۔ الاکمل والاطول فی التفسیر۔ یہ بھی تفسیرِ قرآن ہے (مخطوطہ)

۳۔ رسالہ فی الخطاء فی قراۃ القرآن (مطبوعہ)

حدیث:۔

۴۔ کتاب الیواقیت فی المواقیت۔ فضائل اوقات پر حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

۵۔ تطویل الاسفار لتحصیل الاخبار۔

فقہ:۔

۶۔ المنظومہ فی الفقہ۔ امام محمد بن حسن الشیبانی کی معروف تالیف "الجامع الصغیر" کو نسفی نے نظم کیا ہے۔

۷۔ المنظومہ النسفیہ فی الخلافیات۔

۸۔ کتاب المسارح فی الفقہ۔

۹۔ کتاب اللائر فی الفقہ۔

۱۰۔ کتاب طلبہ الطلبہ۔

۱۱۔ قید الاوابد لما فیہ من تالیف الشوارد۔

۱۲۔ الخصائل فی المسائل۔

تصوّف واخلاق:۔

۱۳۔ رسالہ فی بیان مذاہب المتصوّفہ

۱۴۔ المنبہات (مخطوطہ)

تاریخ وتذکرہ:۔

۱۵۔ تعداد الشیوخ لعمر۔ نسفی نے اپنے شیوخِ حدیث کے حالات لکھے ہیں:۔

۱۶۔ کتاب القند بمعرفۃ علماء سمرقند۔

۱۷۔ تاریخ بخارا۔

ادب:۔

۱۸۔ الاشعار بالمختار من الاشعار (دس جلدیں)

۱۹۔ مجالۃ النخشی لضیفہ المغربی

دائرۃ المعارف:۔

۷۰۔ مطلع النجوم و مجمع العلوم ۔ یہ کتاب متداولہ علوم و فنون کی دائرۃ المعارف ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ کتاب خانہ رضائیہ رامپور میں محفوظ ہے

عقائد

۷۱۔ عقائد النسفی (کتاب التوحید والعقائد)

عقائد پر مختصر سا رسالہ ہے لیکن اسے جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے بہت کم کتابیں اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں اور پھر ان شرحوں پر حواشی لکھے گئے ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:

★ شرح عقائد النسفی ۔ سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ)

★ حاشیہ الخیالی علی شرح عقائد ۔ شیخ احمد بن موسیٰ خیالی (م ۸۶۲ھ)

★ الفوائد النسفیہ ۔ سعد الدین تفتازانی کی شرح پر العصام (م ۹۵۱ھ) کا حاشیہ ہے۔

★ حاشیہ بہشتی ۔ خیالی کے حاشیہ پر حاشیہ ہے از شیخ رمضان علی۔

★ حاشیہ سیالکوٹی ۔ خیالی کے حاشیہ پر حاشیہ ہے جو عبد الحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) نے لکھا اور "مولوی خیالی" کے نام سے معروف ہے۔

★ حاشیہ علی حاشیہ سیالکوٹی ۔ از ضیاء الدین خالد البغدادی علامہ سیالکوٹی کے حاشیہ پر اُن کے شاگرد کا حاشیہ ہے۔

★ حاشیہ الاسکندری ۔ خیالی کے حاشیہ پر حاشیہ ہے جو ابو عبداللہ الاسکندری (م ۱۳۰۰ھ) نے لکھا۔

★ حاشیہ مصلح الدین ۔ حاشیہ خیالی پر حاشیہ ہے۔

★ حاشیہ مولوی خادم حسین عظیم آبادی۔

مفتی عنایت احمد کاکوروی

مفتی عنایت احمد بن منشی محمد بخش بن منشی غلام محمد بن منشی لطف اللہ ۹ شوال ۱۲۲۸ھ/ ۵۔ اکتوبر ۱۸۱۳ء کو دیوہ (ضلع بارہ بنکی) میں پیدا ہوئے۔ نسباً قریشی تھے[۱]۔ خاندان کے ساتھ ترکِ سکونت کر کے کاکوری آ گئے جو لکھنؤ سے نو میل جانب مغرب ایک مردم خیز قصبہ ہے۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم دیوہ میں حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں بغرضِ تعلیم رامپور گئے جہاں مولوی سید محمد رامپوری، مولوی حیدر علی ٹونکی اور نور الاسلام سے اکتسابِ فیض کیا پھر دہلی جا کر محدثِ عصر شاہ محمد اسحاق (م ۱۲۶۲ھ) سے کتبِ حدیث سبقاً سبقاً پڑھیں اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

علی گڑھ میں مولانا بزرگ علی مارہروی سے معقولات کا درس لیا۔ مولانا بزرگ علی شاہ عبد العزیز اور شاہ رفیع الدین کے شاگرد تھے اور قلعہ کی جامع مسجد کے مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ عہد محمد شاہ (۱۱۳۱ھ — ۱۱۶۱ھ) میں . . . نواب ثابت خاں گورنر کول (علی گڑھ) نے اپنی تعمیر کردہ مسجد میں بنوایا تھا۔ مولانا بزرگ علی کا ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۸ء میں انتقال ہوا[۲]۔

تدریس: علی گڑھ میں مولانا بزرگ علی کے بعد ایک سال تدریسی خدمات انجام

---

[۱] تذکرہ مشاہیر کاکوری ص : ۲۸۹ [۲] حیات وحید الزماں ۲ : ۱۷۱

دیں۔ ان کے اہتمام مدرسہ کو دیکھتے ہوئے لیفٹیننٹ گورنر نے ایک سو روپیہ انعام دیا جس کی روداد "اخبار الحقائق و تعلیم الخلائق (آگرہ)" میں ان الفاظ میں شائع ہوئی۔

"خبر علی گڑھ :- وہاں کے جمیع شرفاء اور رؤساء جناب لیفٹیننٹ گورنر بہادر کے شکرگزار ہیں کہ جناب محتشم الیہ سے حال درس و تدریس مدرسہ علی گڑھ کمال رضامند ہوئے۔ سو روپے انعام دیئے۔ مولوی مفتی عنایت احمد مہتمم مدرسہ اور مدرسین کی ازبس تحسین کی۔ واقعی میں وہ مدارس اور مہتمم ممدوح اور مدرس سب قابلِ تحسین و آفرین ہیں کہ ایک عجیب علوم خیز مدرسہ ہے[۱]"

ملازمت :-

تدریسی خدمات کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ پہلے مصنف و مفتی تھے۔ بعد میں صدر امین ہوکر بریلی چلے گئے۔ صدرِ امین کا عہدہ منصف اور صدر الصدور کے درمیان ہوتا تھا۔ آخر ترقی پاکر آگرہ کے صدرِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔

بریلی کی سکونت کے دوران میں ۲۲ جنوری ۱۸۵۵ء کو ایک کتب خانے کے قیام کے لئے مسٹر ہارن جائنٹ مجسٹریٹ نے ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ قیام کتب خانہ کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی مفتی عنایت احمد کو علمی قدر و منزلت کی بنا پر رکن چنا گیا۔[۲]

انقلاب ۱۸۵۷ء :

مفتی صاحب صدر اعلیٰ ہوکر آگرہ جارہے تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامۂ کارزار گرم ہوگیا۔ نظام سلطنت کے درہم برہم ہوجانے اور افراتفری کے باعث آگرہ نہ جاسکے بریلی اور رام پور میں قیام رہا۔ نواب خان بہادر خان نے روہیل کھنڈ میں جہاد کا علم

---

[۱] معارف ج ۶۸، ش ۳ ؛ [۲] "عمدۃ الاخبار" بحوالہ معارف ج ۶۹، ش ۳، ص ۲۳۱:۴۰ ؛

بلند کیا اور عارضی حکومت قائم کرلی۔ اس عارضی فوجی حکومت کی مالیات کے لئے زمینداروں سے مالیہ وصول کیا گیا اور مہاجنوں سے عطیات لئے گئے۔ فوجی حکومت کی امداد کے لئے مفتی صاحب نے فتویٰ دیا تھا[1]

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی بوجوہ ناکام ہوگئی اور انگریزی اقتدار پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگیا۔ مفتی صاحب کا فتویٰ برائے فراہمی مالیات انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا۔ مفتی صاحب پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلا اور حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا سنائی گئی۔

انڈمان کی زندگی:۔

جزائر انڈمان میں "باغیوں" کے لئے جو آسائشیں مہیا ہوسکتی تھیں اُن کا ایک ہلکا سا تصور مولانا محمد جعفر تھانیسری کی خود نوشت" کالا پانی" اور مولانا فضل حق خیرآبادی کی "ثورۃ الہندیہ" سے ہوسکتا ہے۔ قیدیوں کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک کیا جاتا تھا اور اس پر مستزاد انڈمان کی ناقابلِ برداشت آب و ہوا تھی۔

انڈمان میں مفتی صاحب کے پاس کوئی کتاب وغیرہ نہ تھی لیکن احباب کی فرمائش پر محض حافظہ کی مدد سے چند کتابیں لکھیں۔ حافظ وزیر علی کی فرمائش پر "علم الصیغہ" مرتب کی۔ لکھتے ہیں۔

"این رسالہ ایست در علم صرف کہ بپاسِ خاطر شفیق محسن مجمع محاسن حافظ وزیر علی صاحب بجزیرہ انڈمین بمعرض تحریر درآمد۔ ورودِ حقیر درآں جزیرہ از نیرنگِ تقدیر بودہ وکتابے از ہیچ علم نزد خود نداشت"[2]

۱۲۷۵ھ میں حکیم امیر محمد خان سرکاری ڈاکٹر انڈمان کے ایماء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت "تواریخ حبیب اللہ" لکھی۔ آغازِ کتاب میں رقمطراز ہیں۔

---

[1] الرحیم ج ۴، ش ۱۱، ص ۷۹۸ [2] علم الصیغہ: ۲۰۳

"راقم حروف نیرنگِ تقدیر سے فی الحال جزیرہ پورٹ بلیر انڈیمان میں وارد ہے اور کوئی کتاب کسی طرح اپنے پاس نہیں رکھتا ہے۔ بپاس خاطر شفیق و غمگسار و مصدرِ عنایات بر حالِ زار حکیم امیر خاں صاحب نیٹو ڈاکٹر کے یہ رسالہ بیان "تواریخ حبیب اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۲۷۵ھ میں لکھتا ہے۔"[1]

پھر ایک انگریز کی فرمائش پر عربی کی ضخیم تالیف "تقویم البلدان" کا ترجمہ کیا جو دو برس میں مکمل ہوا۔ کہا جاتا ہے یہی ترجمہ اُن کی رہائی کا سبب بنا۔[2]

رہائی:۔

۱۲۷۷ھ میں مفتی صاحب رہا ہوئے تو اُن کے شاگردِ رشید مولانا لطف اللہ علی گڑھی نے تاریخ کہی اور خود کاکوری جا کر پیش کی۔

چوں بفضلِ خالقِ ارض و سما
اوستادم شُد ز قیدِ غم رہا
بہر تاریخِ خلاصِ آں جناب
بر نوشتم "ان استاذی نجا"

یہ بھی لکھا:

کب تک کروں ضبط آہ و فغاں کو میں
بہلاؤں کب تک دلِ ناشاد کو میں
انشاء اللہ ایک ہفتے کے بعد
آتا ہوں قدم بوسئ اُستاد کو میں

---

[1] تواریخ حبیبِ الٰہ: ۲ ☆ [2] قیصر التواریخ ج ۲: ۳۶۱:۴ ☆

کہا جاتا ہے کہ رہائی کے بعد حکومت نے بحالیٔ ملازمت اور صدر الصدور کے منصب پر ترقی دینے کی پیشکش کی جسے مفتی صاحب نے قبول نہ کیا۔ بالآخر سرکاری افسر کے اصرار پر یہ پروانہ لے لیا مگر جہاز پر سوار ہوتے ہی اسے پھاڑ کر سمندر میں پھینک دیا۔[۱]

کانپور میں قیام:-

انڈمان سے واپسی پر مستقل قیام کانپور میں رہا۔ کانپور میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ "فیض عام" کے نام سے اس مدرسہ نے علم و دین کا فیض عام کیا۔ اسی مدرسہ میں مولانا اشرف علی تھانوی مدرس رہے تھے۔ آج کل "مدرسہ فیض عام"، "فیضِ عام انٹر میڈیٹ کالج کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

حج بیت اللہ کے لئے روانگی:-

انڈمان کی اسارت کے زمانہ میں "علم الصیغہ" کا اختتام ان الفاظ سے کیا۔

"حقیر گنا ہگار سیاہ تبار از مکارہ دنیویہ بر آوردہ،
عافیت تامہ عنایت فرمودہ، بر آستانہ خود و آستانہ
حبیبِ خود برساند۔"

حج بیت اللہ کی یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی اور ۱۲۷۹ھ کو حج کے لئے روانہ ہوئے۔ اُنہیں قافلہ نے امیر حج چن لیا۔

شہادت:-

راستہ میں جہاز ناموافق ہوا کی وجہ سے بھٹک گیا اور جدہ کے قریب ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور علم و فضل کے گوہر تابندہ مفتی عنایت احمد کاکوروی سمندر کی لہروں کی نذر ہو گئے۔ یہ سانحہ ۱۷ شوال ۱۲۷۹ھ/ ۷۔ اپریل ۱۸۶۳ء کو پیش آیا تھا۔

---

[۱] معارف ج ۶۹، ش ۳

علم و فضل:-

مؤلف "تذکرہ مشاہیر کاکوری" نے اُن کے بارے میں لکھا ہے۔

"یہ نہایت ہی متقی و متورع و متبحر فاضل تھے۔ علمائے ربانیین میں شمار کئے جاتے تھے"۔[1]

مفتی صاحب کی علمی مہارت اور برجستہ گوئی کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ یہاں ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے جس سے اُن کے شعری ذوق اور برجستہ گوئی پر روشنی پڑتی ہے۔

ایک دفعہ کچھ افراد بیٹھے اس مصرعہ کی خوبی سے لطف اٹھا رہے تھے اور گرہ لگانے کی فکر میں غلطاں تھے۔

سحر برخاستم از خواب و بوسیدم درِ خود را

۔ اتنے میں مفتی صاحب تشریف لائے۔ انھوں نے مصرعہ سن کر فی البدیہہ پہلا مصرعہ لگا کر شعر مکمل کر دیا۔

بہ شب در خواب دیدم بر درِ خود دلبرِ خود را
سحر برخاستم از خواب و بوسیدم درِ خود را[2]

مفتی صاحب آخری ایام میں صنعتِ مہملہ میں ایک کتاب "لوامع العلوم و اسرار العلوم" لکھ رہے تھے۔ اس کے لئے چالیس فنون کے ایک ایک مسئلہ کا انتخاب کیا تھا اور ہر ایک پر چالیس اوراق لکھنے کا ارادہ تھا۔ تفسیر قرآن میں "علم آدم الاسماء کلہا" اور حدیث میں "کل مسکر حرام۔ رواہ مسلم" منتخب کی تھیں۔ افسوس کہ یہ مسودہ پایۂ تکمیل کو پہنچنے سے پہلے ہی ضائع ہو گیا۔

---

[1] تذکرہ مشاہیرِ کاکوری ص: ۲۹۰ [2] معارف ج ۶۹، ش ۳ ص

مفتی صاحب حج کے سفر پر روانہ ہوئے تو مسودہ ساتھ تھا اُن کے ساتھ یہ مسودہ بھی غرقاب ہو گیا۔

تصنیفات :۔

مفتی صاحب سے انیس کتابیں یادگار ہیں۔ اُن کی تصنیفات میں خاصا تنوع اور رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ کسی نے آج تک اُن پر بطورِ اعتراض قلم نہیں اٹھایا۔ تمام کتابوں کے نام تاریخی ہیں[۱]

۱۔علم الفرائض (۱۲۶۲ھ مطبوعہ) ۲۔ملخصات الحساب (۱۲۶۳ھ۔مطبوعہ)

۳۔تصدیق المسیح (۱۲۶۸ھ)

۴۔الکلام المبین فی آیات رحمۃ اللعالمین (۱۲۷۰ھ مطبوعہ)

۵۔ضمان الفردوس (۱۲۷۲ھ) صحیح بخاری کی مشہور حدیث کی شرح ہے۔ دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں زبان کے گناہوں اور دوسرے میں بدکاری جیسے گناہوں کا تذکرہ ہے۔

۶۔رسالہ در مذمت میلہ ہا (۱۲۷۲ھ)

ہندوؤں کی مذہبی تقریبات اور میلوں، ہولی، دیوالی وغیرہ میں مسلمان شریک ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے طرزِ عمل کی اصلاح کے لئے یہ کتابچہ لکھا گیا۔

۷۔بیان شب قدر (۱۲۷۲ھ۔مطبوعہ)

۸۔محاسن العمل الافضل۔ در بیان نماز (۱۲۷۲ھ۔مطبوعہ)

۹۔ہدایات الاضاحی (۱۲۷۲ھ۔مطبوعہ)

۱۰۔فضائل درود و سلام (۱۲۷۲ھ۔مطبوعہ)

---

[۱] تذکرہ مشاہیر کاکوری ص: ۲۹۰ ؎

۱۱۔الدر الفرید فی مسائل الصیام والقیام والعید (۱۲۷۲ھ مطبوعہ)

۱۲۔احادیث الحبیب المتبرکہ (۱۲۷۵ھ) ۱۳۔تواریخ حبیب الٰہ (۱۲۷۵ھ۔مطبوعہ)

۱۴۔خجستہ بہار (نثر فارسی بہ اندازِ گلستان) ۱۲۷۶ھ

۱۵۔وظیفۂ کریمیہ (۱۲۷۶ھ۔مطبوعہ) ۱۶۔علم الصیغہ (۱۲۷۲ھ۔مطبوعہ)

۱۷۔فضائل علم وعلمائے دین (۱۲۷۲ھ۔مطبوعہ)

۱۸۔ترجمہ تقویم البلدان ۱۹۔نقشہ مواقع النجوم

آخری کتاب بریلی کے دورانِ قیام میں لکھی گئی تھی۔"عمدۃ الاخبار" کی اطلاع کے مطابق مفتی صاحب نے اس کتاب کا ایک ورق (چارٹ) مسٹر بارن کے مجوزہ کتب خانے کے لئے دیا تھا۔یہ کتاب جدید علم ہیئت کے مباحث پر حاوی تھی۔بعض انگریزوں نے اسے بہت پسند کیا۔یہ روایت بھی ہے کہ لیفٹیننٹ گورنر صوبہ نے (جو خود ہیئت کا عالم تھا) اسے خاص طور پر پسند کیا اور مفتی صاحب کو خان بہادر کا خطاب دیا۔[1]

اس روایت کی تصدیق کسی دوسرے ماخذ سے نہیں ہوتی۔علمی خدمات کی بنیاد پر شمس العلماءؒ جیسا کوئی خطاب ملنا چاہیے تھا نہ کہ خان بہادری کا۔

---

[1] تذکرہ مشاہیر کاکوری: ۲۵۰

فخرالدین زرادی

فخرالدین زرادی ۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء میں قصبہ سامانہ میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں پڑھنا شروع کر دیا۔ بڑے ہوئے تو دہلی چلے آئے اور مولانا فخرالدین ہانسوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔[1] قاضی کمال الدین ہانسوی اور شیخ نصیرالدین محمود اودھی اُن کے ہم درس تھے۔[2]

شیخ نصیرالدین محمود اودھی، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء سے تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔ اُن کے ذریعہ، سلطان المشائخ کے حضور پہنچے اور سلطان المشائخ کی خدمت میں رہنے لگے۔

عام طور پر حلقۂ صوفیاء میں علوم ظاہر کے شناور کم ہوتے ہیں لیکن مولانا زرادی اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے بارے میں شیخ عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے۔

"درامرِ دین صلابتی تمام داشت و عظمتے وافر۔"[3]

حصولِ تعلیم کے بعد سلطان المشائخ کے حلقۂ درویشاں میں شامل ہو گئے۔ اور غیاث پور میں سکونت اختیار کر لی۔ سلطان المشائخ کے انتقال ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ) کے بعد فیروز آباد منتقل ہو گئے۔

سیاحت:

مولانا زرادی ایک عرصہ دُنیا کی آلائشوں سے دور جنگل، بیابان اور پہاڑوں

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص: ۱۶۰۔ [2] نزہت الخواطر ج دوم ص: ۱۴۰۔ [3] اخبار الاخیار ص: ۹۲۔

میں یادِ الٰہی میں مصروف رہے۔ اسی عالم میں حضرت معین الدین چشتی (۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء) کی زیارت کے لئے اجمیر گئے۔ وہاں سے فریدالدین گنجِ شکر کے حضور اجودھن (پاک پٹن) حاضر ہوئے۔[1]

زیارتِ حرمین اور وفات :-

محمد بن تغلق نے دہلی کے بجائے دولت آباد کو دارالحکومت بنایا تو اہل دہلی کو نقل مکانی کرنی پڑی۔ مولانا فخرالدین بھی اُن لوگوں میں شامل تھے۔ دولت آباد سے زیارتِ حرمین کے لئے تشریف لے گئے۔ زیارت حرمین سے فراغت کے بعد بغداد میں قیام رہا۔ شیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت کی۔ واپسی پر جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور مولانا موصوف نے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی، یہ حادثہ ۷۲۸ھ/ ۲۸-۱۳۲۷ء کو واقع ہوا۔

سلطان المشائخ کی نظر میں زرادی کا مقام :-

مولانا زرادی "جامعِ علم وتقویٰ" ہونے کے ساتھ ساتھ خوش طبعی، سخن سنجی اور فصاحتِ کلام کی بدولت اہلِ شہر میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان ہی خوبیوں نے انہیں سلطان المشائخ کا منظورِ نظر بنا دیا تھا۔

بنگال کے عالی استعداد نوجوان سراج الدین عثمان، سلطان المشائخ کے مرید ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ نوجوان بڑی قابلیت رکھتا ہے۔ اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا تو درویشی میں پختہ ہوتا۔ یہ سُنکر مولانا زرادی نے انہیں اپنی صحبت میں رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سلطان المشائخ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ سراج الدین عثمان نے مولانا زرادی سے استفادہ کیا اور حضرت سلطان المشائخ کی وفات کے بعد بھی تحصیلِ علم کے لئے دہلی رُکے رہے

---

[1] اخبارالاخیار ص: ۹۲

پھر وطن واپس گئے اور سرزمینِ بنگال میں چشتی سلسلہ کی خانقاہ قائم کی۔[1]

سلطان المشائخ نے بیماری میں متعدد مریدوں کو خلافت عطا کی اور اجازت نامے مرحمت فرمائے۔ ان اجازت ناموں کا مضمون مولانا موصوف ہی نے لکھا اور خود انہیں بھی سندِ خلافت دی گئی۔

اخلاق وعادات:۔

مولانا موصوف صاف گو، بے خوف اور دین کے معاملہ میں کسی کی پرواہ نہ کرنے والے تھے۔ مؤلف "سیر الاولیاء" نے محمد بن تغلق سے اُن کی ملاقات کا حال لکھا ہے کہ:۔

محمد بن تغلق دولت آباد کو دارالحکومت بنانے کے بعد تُرکستان پر حملہ کرنا چاہتا تھا تاکہ منگولوں کا قلع قمع کیا جا سکے۔ علماء کو طلب کیا گیا کہ وہ عوام کو جہاد کی ترغیب دیں۔ سلطان المشائخ کے خلفائے خاص کو بھی بلایا گیا۔ شیخ قطب الدین (جو سلطان المشائخ کا راسخ العقیدہ مرید اور مولانا زرادی کا شاگرد تھا) مولانا زرادی کو بادشاہ کے ہاں لے گیا۔

جب مولانا سراپردۂ بادشاہ میں داخل ہوئے تو شیخ قطب الدین نے اُن کی جوتیاں اٹھا لیں اور خدمت گاروں کی طرح بغل میں داب کر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے مولانا زرادی سے گفتگو شروع کی۔ بادشاہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ چنگیز خاں کی نسل کا صفایا کر دوں۔ آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے۔" مولانا نے جواب میں صرف "انشاء اللہ" کہا۔ بادشاہ نے کہا۔ "یہ شک کا کلمہ ہے" مولانا نے فرمایا "مستقبل کے بارے میں ایسا ہی کہا جا سکتا ہے"۔ بادشاہ کو یہ بات چنداں پسند آئی مگر موضوع بدلنے کی خاطر کہا "مجھے کوئی نصیحت کیجئے"۔ اُنہوں نے فرمایا "غصہ کو دباؤ"۔ بادشاہ نے کہا "کیسا غصہ؟" مولانا نے وضاحت کی "غضبِ سبعی" (درندوں والا

---

[1] ملخص از تاریخ دعوت وعزیمت جلد سوم ص: ۱۲۹

غصہ اس پر بادشاہ کو مزید تاؤ آیا مگر مصلحتاً خاموش رہا۔

دستر خوان بچھایا گیا۔ بادشاہ اور مولانا نے ایک ہی پلیٹ میں کھایا مگر محسوس ہوتا تھا کہ مولانا بادشاہ کے ہم پیالہ ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ بادشاہ اظہارِ خاطر کے لئے ہڈی سے گوشت اُتار اُتار کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا۔ مولانا نہایت بے دلی سے تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے۔ دستر خوان اٹھایا گیا اور بادشاہ نے مولانا کو رخصت کیا۔

بوقتِ رخصت بادشاہ نے ایک تھیلی اور اونی پوشاک بطور ہدیہ پیش کی۔ اس سے پہلے کہ مولانا تھیلی اور خلعت وصول کرتے شیخ قطب الدین نے ہاتھ بڑھا کر خود لے لیں۔

مولانا چلے گئے تو بادشاہ نے اپنے درباری قطب الدین سے کہا۔

"اے فریبی انسان! تو نے یہ کیا حرکت کی۔ پہلے تو تُو نے اُس کی جوتیاں اٹھالیں۔ پھر خلعت اور تھیلی سنبھال لی اور اُسے میری تلوار سے بچالیا اور مصیبت اپنے سر لی۔" قطب الدین نے جواباً کہا "وہ میرے اُستاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں۔ میرے لئے مناسب تو یہ تھا کہ اُن کی جوتیاں بغل میں لینے کے بجائے تعظیماً سر پر رکھ لیتا اور یہ خلعت اور تھیلی کیا بڑی چیز ہے۔" اس پر بادشاہ نے ڈانٹ ڈپٹ کی۔ بعد میں جب کبھی بادشاہ کی مجلس میں مولانا زرادی کا ذکر ہوتا تو وہ افسوس کا اظہار کرتا کہ وہ اُس کی خون آشام تلوار سے بچ گیا تھا۔

تصنیفات:۔

مولانا زرادی سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ عثمانیہ (زرادی)

یہ رسالہ سراج الدین عثمان کے لئے مرتب کیا گیا تھا اور اُن کے نام پر اسے "عثمانیہ" نام دیا۔ بعد میں مؤلف کے نام پر "زرادی" مشہور رہا۔

۲۔ الخمسین مسائلِ کلام پر ایک رسالہ ہے۔

۳۔ رسالہ اباحتِ سماع۔

۴۔ اصول السماع۔ یہ رسالہ ۱۳۱۱ھ میں مولانا غلام احمد خان بریان نے مسلم پریس جھجر سے شائع کیا۔[1]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت م: ۱۷۸ (حاشیہ)

فضلِ امام خیر آبادی

امام معقولات فضلِ امام خیر آبادی کے آباو اجداد ایران سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر پاک وہند میں وارد ہوئے اور اُن کا خاندان برصغیر کے مختلف شہروں میں منتشر ہوگیا۔ اُن کے والد ماجد بدایوں سے خیر آباد چلے گئے تھے اور وہ وہیں پیدا ہوئے۔ مولوی رحمان علی نے اُنہیں "فاروقی" لکھا ہے[۱]۔ شجرۂ نسب یہ ہے۔

فضلِ امام بن محمد ارشاد (ارشد؟) بن شیخ محمد صالح بن محمد واجد بن عبدالماجد بن قاضی صدرالدین ہرگامی۔

تعلیم وتربیت:۔

خیر آباد میں سید عبدالواحد خیر آبادی (م ۱۲۱۸ھ) سے علومِ مروجہ کی تحصیل کی۔ ایک رائے کے مطابق ملا محمد ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ فرنگی محلی سے بھی استفادہ کیا تھا۔

ملازمت:

فارغ التحصیل ہوئے تو دہلی چلے گئے اور الیسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کرلی۔ پہلے مفتی اور بعد میں صدرالصدور کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

تدریس:۔

فرائضِ منصبی کے ساتھ ساتھ طلبہ کو منطق وفلسفہ کا درس بھی دیتے تھے۔ طلبہ پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ مشہور ہے کہ مولانا فضلِ امام کے صاحبزادے

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند ص: ۱۶۲ ❊

مولانا فضلِ حق خیر آبادی نے تدریس شروع کی تو مولانا فضلِ امام نے اُن کے ذمہ ایک بڑی عمر کا طالب علم کر دیا جو کند ذہن بھی تھا۔ انہوں نے اِس طالب علم کو کچھ دیر سبق پڑھایا مگر طالب علم کی کُند ذہنی سے تنگ آکر کتاب پھینک دی اور طالب علم کو اٹھا دیا۔ طالب علم نے مولانا فضلِ امام سے شکایت کی۔ مولانا فضلِ حق بلائے گئے۔ باپ نے اپنے بیٹے کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ دستارِ فضیلت دُور جا گری اور غیظ آلود لہجے میں فرمایا۔

"تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا۔ ناز و نعم میں پرورش پائی جس کے سامنے کتاب رکھی اُس نے خاطر داری سے پڑھایا طلبہ کی قدر و منزلت تُو کیا جانے۔ اگر مسافرت کرتا، بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ طالب علم کی قدر ہم سے پوچھ"۔[1]

شاہ غوث علی پانی پتی فرماتے ہیں۔

"شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور مولانا فضلِ امام کی شاگردی کا مجھے فخر حاصل ہے۔ آخر اللہ کر کی جو شفقت میرے حال پر تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ دہلی سے پٹیالہ بغرضِ تعلیم چلا گیا میری عمر اٹھارہ برس کی تھی کہ اُستاد فوت ہو گیا۔ میں نے بھی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا کہ نہ ایسا شفیق اور قابل اُستاد ملے گا اور نہ پڑھوں گا"۔[2]

مولانا فضلِ امام، تصوّف کے بھی رمز شناس تھے۔ شاہ صلاح الدین گوپاموی

---

[1] باغی ہندوستان ۳: ۱۶۴؎ [2] تذکرہ غوثیہ

سے بیعت کا تعلق تھا بعد میں ایک دوسرے بزرگ شاہ قدرت اللہ سے بیعت ہوئے۔

وفات :۔

اُن کی زندگی کا آخری حصہ پٹیالہ میں گزرا لیکن وفات آبائی گاؤں خیرآباد میں ۵ ذی القعدہ ۱۲۴۴ھ/۹ مئی ۱۸۲۸ء کو ہوئی۔[ا] مرزا اسداللہ خان غالب نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کیا۔

اے دریغا قبلۂ اربابِ فضل | کرد سوئے جنت الماویٰ خرام!
چوں ارادت از پے کسبِ شرف | جُست سالِ فوت آں عالی مقام
چہرۂ ہستی[ہ] خراشیدم نخست | تا بنائے تخرجہ گردد تمام
گفتم اندر "سایہ لطفِ نبی" | باد آرامشگہ "فضلِ امام"

۲۵۷   ۹۹۲ــ۵

۲۵۷+ ۹۹۲ - ۵ = ۱۲۴۴ھ

اولاد :۔

مولانا فضل امام کی نرینہ اولاد میں تین صاحبزادے تھے۔ جن میں سے فضلِ حق خیرآبادی نے علم و عمل کی دُنیا میں خوب نام پیدا کیا۔ باقی دو صاحبزادے فضلِ عظیم اور فضل الرحمان تھے۔

تالیفات :۔

مولانا فضل امام اپنے زمانہ میں معقولات کے امام گنے جاتے تھے جملہ تذکرہ نگار ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ مولوی رحمان علی کے الفاظ میں "در علوم عقلیہ گوی سبقت ربودہ"[۲]!

[ا] "تذکرہ علمائے ہند" میں ۱۲۴۳ھ درج ہے۔ اور عبدالشاہد خاں شروانی نے "باغی ہندوستان" میں ۱۲۴۰ھ سالِ وفات بتایا ہے۔

[۲] تذکرہ علمائے ہند ۲ : ۱۶۲

اُن سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں:۔

۱۔ مرقات (منطق)

۲۔ شرح اُفق المبین (ملا باقر داماد) مفتی انتظام اللہ شہابی کے کتب خانہ میں ایک نسخہ موجود تھا۔[۱]

۳۔ تشحیذ الاذہان فی شرح بدیع المیزان (منطق)

شیخ عبداللہ تلنبی (م ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء) نے منطق کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ "میزان المنطق" کے نام سے لکھا جو کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ اس کی شرح خود ہی "بدیع المیزان" (عربی) لکھی۔ یہ شرح بھی دہلی سے ۱۸۴۵ء/۱۲۶۱ھ سے شائع ہو چکی ہے۔

بدیع المیزان منطق کی معیاری کتاب ہے۔ "تشحیذ الاذہان" اس کی شرح ہے۔ زبید احمد نے "حاشیہ" قرار دیا ہے۔[۲]

۵۔ حاشیہ الحاشیۃ الزاہدیہ قطبیہ

۶۔ آمد نامہ اس تالیف کے بارے میں ہمہ گیر غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ "آمدنامہ" فارسی زبان کے مبتدیوں کے لئے ایک رسالہ بھی ہے جو "صفوۃ المصادر" کے نام سے مشہور ہے۔ کئی مشاہیر نے اس "آمد نامہ" کو مولانا فضلِ امام سے منسوب کر دیا ہے مثلاً۔

"آمد نامہ فارسی بھی آپ کی یادگار سے مقبول انام ہے"۔[۳]

سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں۔

"بچوں کا فارسی ابتدائی رسالہ "آمدنامہ" اُن ہی کی آمدِ طبع کا نتیجہ ہے"۔[۴]

شیخ اکرام بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

---

[۲] Contribution of Indo-Pak to Arabic Literature

[۱] تراجم الفضلاء (دیباچہ) ت

[۳] اکمل التاریخ جلد اول حاشیہ ص ۸۴ ۔ [۴] حیات شبلی ص ۲۲

"اُن کا آمدنامہ اب بھی فارسی کے طلبہ استعمال کرتے ہیں۔"[1]

بچوں کا "آمدنامہ" (صفوۃ المصادر) دراصل مصطفیٰ خان ولد حاجی روشن خان مالک مصطفائی پریس کانپور کی آمدِ طبع کا نتیجہ ہے۔ مولانا فضل امام کا "آمدنامہ" مکمل صورت میں تاحال شائع نہیں ہوا۔ اس میں فارسی زبان کے قواعد، بدیع اور بیان کے اصولوں سے بحث کی گئی ہے۔ پانچویں باب میں چند نامور علماء کا تعارف ہے جسے انگریزی ترجمہ اور حواشی کے ساتھ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی نے شائع کیا ہے۔

۷۔ خلاصۃ التواریخ (تاریخ ہند)

۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں مولانا فضل امام نے یہ کتاب تالیف کی اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ گنج بخش، مرکز تحقیقاتِ فارسی۔ ایران و پاکستان۔ اسلام آباد میں موجود ہے۔[2] مقدمہ میں مولانا فضل امام نے لکھا ہے۔

"میگوید اضعف عباد اللہ۔ . . . . . محمد فضل امام
بن محمد ارشد الخیر آبادی۔ . . . . کہ روزی بخاطر فاتر این
بندہ نحیف گزشت کہ چوں دانستن احوال گزشتگان
موجبِ عبرت و خبرت می باشد . . . . این چند
اجزاء از کتبِ معتبرہ مانند تاریخ فرشتہ و شمشیر
خانی و منتخب التواریخ و دیگر کتب بعبارت سلیس و واضح
انتخاب کردہ . . . . و بنائے این کتاب بر چند گفتار نہادہ شد"[3]

---

[1] رودِ کوثر ص ۵۹۵ ؛ [2] فہرست نسخہ ہائی خطی کتاب خانہ گنج بخش۔ اسلام آباد ص ۱۵۷ - ۱۵۸ ؛
[3] نسخہ گنج بخش ص ۱

فضلِ حق خیر آبادی

علامہ فضلِ حق بن فضل امام خیر آبادی ۱۲۱۲ھ/۹۸-۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی رحمان علی نے انہیں "عمری، حنفی، ماتریدی، چشتی" لکھا ہے[1] یعنی مولانا کا نسب خلیفۂ ثانی حضرتِ عمر فاروق رضؓ سے ملتا ہے۔ فقہی مسائل میں حنفی المسلک ہیں علم کلام میں ماتریدی نقطۂ نگاہ کے حامل ہیں اور تصوف میں چشتی سلسلہ میں منسلک ہیں۔ وہ دھومن شاہ دہلوی سے تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔

تعلیم و تربیت:-

مولانا فضل حق نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے حدیث کا درس لیا۔[2] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بھی استفادہ کیا تھا۔[3] تیرہ برس کی عمر میں علومِ مروجہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔

مولانا فضل حق ناز و نعمت میں پلے اور رئیسانہ ٹھاٹ باٹ سے طالب علمی کا زمانہ گزارا۔ اُن کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ چار ماہ اور کچھ دنوں میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو تدریس کا آغاز کیا۔ مولوی رحمان علی نے لکھا ہے کہ "۱۲۶۴ھ میں انہیں لکھنؤ میں مولانا فضلِ حق کی زیارت ہوئی۔ وہ حقہ پی رہے تھے اور شطرنج بھی کھیل رہے تھے، ساتھ ساتھ ایک طالب علم کو "افق المبین" کا درس بھی دے رہے تھے۔ اور تمام مطالب بڑی خوبی سے بیان کرتے جا رہے تھے

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص: ۱۶۴ء [2] ایضاً ص: ۱۶۴ء [3] باغی ہندوستان ص: ۲۹ء

متذکرۃ الصدر بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تدریس کا شغل چوّن[۵۴] سال کی عمر میں بھی جاری تھا۔

ملازمت:۔

والد ماجد کے انتقال (۱۲۴۴ھ) کے بعد دہلی کے ریذیڈنٹ کے دفتر میں سررشتہ دار ہو گئے۔ مولانا نازک مزاج اور خوددار واقع ہوئے تھے لیکن اس ملازمت میں عزت و احترام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا چنانچہ استعفاد ے کر نواب فیض محمد خاں کے بلاوے پر ریاست جھجر چلے گئے۔

جھجر سے الور گئے جہاں دو سال قیام رہا۔ یہاں سے ٹونک گئے اور آخر نواب یوسف علی خان والئی رامپور کے ایماء پر رامپور چلے گئے۔ رامپور میں محکمہ عدل و انصاف سے منسلک رہے۔ تقریباً آٹھ برس رامپور میں قیام رہا۔

رامپور سے لکھنؤ چلے گئے پہلے "صدر الصدور" بنائے گئے بعد میں کچہری "حضور تحصیل" کے مہتمم بنائے گئے۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ / جولائی ۱۸۵۵ء میں ایک ناگوار واقعہ، حادثہ ہنومان گڑھی سے آزردہ ہو کر دوبارہ ریاست الور چلے گئے۔

ہنومان گڑھی (متصل اجودھیا، فیض آباد) کا واقعہ یہ تھا کہ ہندو جوگیوں نے مسلمانوں کو مسجد میں اذان دینے سے روک رکھا تھا اور اگر کوئی مسلمان مسجد میں جا نکلتا تو اُسے زدوکوب کیا جاتا۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء کو مسلمانوں کے خون میں جوش آیا اور انہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کا ارادہ کر لیا۔ ہنومان گڑھی میں ہندو جوگیوں سے مقابلہ ہوا اور مسجد میں ۲۶۹ مجاہدین شہید ہو گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، قیام لکھنؤ کے زمانہ میں اُن سے ملے تھے اور مولانا فضلِ حق نے ان کے کہنے پر ملازمت ترک کی تھی[۱]۔

---

[۱] علمائے حق اور اُن کی مظلومیت کی داستانیں ص: ۶

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء:۔

جنگِ آزادی میں مولانا نے حصہ لیا۔ دہلی میں جنگ کے آخری مرحلہ میں تشریف لائے تھے۔ بہادر شاہ ظفر سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جیون لال کے روزنامچہ میں اُن کی محل میں آمد و رفت کے اندراجات ملتے ہیں۔

فتویٰ جہاد:۔

جنگ کے دوران میں علماء کی طرف سے ایک فتویٰ جاری کیا گیا تھا عبدالشاہد خان شروانی نے "باغی ہندوستان" میں لکھا تھا کہ اس فتویٰ پر مولانا نے دستخط کئے تھے۔ اُن پر اعتماد کرتے ہوئے دوسرے اہلِ قلم نے بھی اس روایت کو نقل در نقل کیا۔ مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری نے اپنے ایک مضمون "مولانا فضلِ حق خیرآبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد" میں لکھا ہے کہ صادق الاخبار میں شائع ہونے والے فتویٰ پر مولانا کے دستخط نہیں ہیں۔ کیوں کہ وہ ۱۶۔ اگست ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی تشریف لائے تھے اور یہ فتویٰ جولائی ۱۸۵۷ء کی ابتدا یا وسط میں جاری کیا گیا تھا۔[1] آج فتویٰ اور اس پر دستخط کرنے والوں کے نام ہمارے سامنے ہیں جن میں مولانا فضل حق خیرآبادی کا نام نہیں ہے۔

لیکن اِس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جو افراد فتویٰ پر دستخط نہیں کر سکے انہوں نے جنگِ آزادی میں حصہ نہیں لیا اور جن کے دستخط ہیں اُن میں سے ہر ایک صفِ اوّل کا مجاہد اور راہنما تھا۔ مولانا فضل حق خیرآبادی نے جنگ میں حصہ لیا اور اِسی "جرم" کے پیشِ نظر انڈیمان میں قید رہے۔

دہلی سے روانگی:۔

۱۹ ستمبر کو شہر دہلی پر انگریزی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ مولانا کے اپنے بیان کے مطابق

---

[1] ماہنامہ "تحریک" (دہلی) بابت اگست ۱۹۵۷ء

پانچ دن مکان میں بند رہنے کے بعد اہل و عیال سمیت رات کی تاریکی میں دہلی سے نکلے اور راستے کی مشکلات برداشت کرتے ہوئے بھیکم پور (ضلع علی گڑھ) پہنچے۔ وہاں اٹھارہ روز رہے پھر نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمان خان شروانی کے عمِ محترم نواب عبدالشکور خان رئیس بھیکم پور نے آؤ بھگت کی۔ کچھ عرصہ روپوش رہے۔

گرفتاری:۔

ملکہ وکٹوریہ نے یکم نومبر ۱۸۵۷ء کو عفوِ عام کا اعلان کیا۔ مولانا فضلِ حق اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے خیر آباد گئے۔ لکھتے ہیں:۔

"مجھے اس بات کا بالکل خیال نہ رہا کہ بے ایمان کے عہد و پیمان پر اعتماد اور بے دین کی قسم پر بھروسہ کسی بھی حالت میں درست نہیں خاص طور پر جب کہ بے دین جزا و سزائے آخرت کا بھی منکر ہو۔"[1]

چند روز اطمینان سے گزرے پھر دو بے ایمان اور فسادی اشخاص نے مخبری کی اور مولانا اپنے مکان سے گرفتار کر لئے گئے۔ مقدمہ کی پیشی کے لئے لکھنؤ لے جائے گئے۔

رودادِ مقدمہ اور سزا:۔

مولانا کے مقدمہ کے بارے میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب مولانا کا مقدمہ پیش ہوا تو اتفاق سے جج مولانا کا شاگرد تھا۔ اس نے مولانا کی صدر الصدوری کے زمانہ میں اُن سے کچھ کام سیکھا تھا۔ وہ رہا کر دینا چاہتا تھا۔ گواہوں نے جج کی مدد کی اور مولانا کو پہچاننے سے انکار کر دیا لیکن مولانا نے برملا کہا کہ ہاں! فضلِ حق میں ہوں اور میں ہی نے باغیانہ فتویٰ پر دستخط کئے ہیں۔ اس بیان کے بعد جج مجبور تھا کہ مولانا کو سزا دے بعض لوگوں نے مولانا کی معقولات میں دستگاہ کے پیش نظر مزید داستان بنائی کہ مولانا نے

---

[1] الثورۃ الہندیہ ص: ۱۶۹

چند الزام اپنے اُوپر خود ہی قائم کرلیے اور پھر ان کو تارِ عنکبوت کی طرح توڑ دیا۔"

لیکن یہ داستان چنداں قابلِ اعتماد نہیں۔ مولانا فضلِ حق خود نوشت میں جج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"میرا معاملہ ایسے ظالم حاکم کے سپرد کر دیا جو مظلوم پر رحم کرنا ہی نہ جانتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس ظالم نے میری جلاوطنی اور عمر قید کا فیصلہ کیا۔"[1]

مولانا کے اِس ریمارک کے پیشِ نظر متذکرۃ الصدر داستان کو کیوں کر درست سمجھا جا سکتا ہے۔

بہر حال مولانا کو جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں حبسِ دوام کی سزا ہوئی اور جائداد ضبط کرلی گئی۔

مولانا کو انڈمان بھیج دیا گیا۔ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انڈمان کب پہنچے البتہ اتنا معلوم ہے کہ ان سے پہلے مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم اور کئی دوسرے علماء وہاں پہنچ چکے تھے۔

انڈمان کی زندگی:۔

مولانا انڈمان کی آب و ہوا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"آب و ہوا ناموافق، پہاڑی علاقہ، اس میں دشوار گزار گھاٹیاں اور راستے، وہاں کی بادِ صبا لُو سے بھی زیادہ سخت، غذا حنظل سے زیادہ کڑوی، پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں اور اس کے سنگریزے بدن کی پھنسیاں۔"

---

[1] الثورۃ الہندیہ ص : ۴۱، ۷

مولانا نے یہ کوئی شاعری نہیں کی اور نہ انہوں نے اپنی کہانی کو جاذب نظر بنانے کے لئے یہ نقشہ کھینچا ہے۔ موجودہ دور میں بھی کالا پانی کی زندگی اس سے کچھ ہی مختلف ہے اور جس دور کی زندانی زندگی کا مولانا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ ایسے ہی تھے۔

اِس ناموافقت آب و ہوا اور ماحول کا اثر تھا کہ وہ کئی سخت بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ خارش کے باعث بدن زخموں سے بھر گیا تھا اور ان زخموں کی ٹیسیں روح کو تحلیل کر دیتی تھیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آغاز میں مولانا کے ذمے صفائی کی خدمت کی گئی ٹوکرا اٹھائے کوڑا کرکٹ اٹھاتے رہتے، اُن کے کپڑے اتروا کر تہمد اور چادر دے دی گئی۔ پاؤں سے ننگے رہتے تھے۔ یہ وہ دلخراش منظر تھا جو صرف اس جرم کی پاداش میں دیکھنا پڑا کہ کچھ دیوانے اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے ——— آخر میں مولانا کا علم و فضل کام آیا اور انہیں برائے نام محرّری کا کام سونپ دیا گیا۔

وفات :-

انڈیمان ہی میں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ / ۱۹ اگست ۱۸۶۱ء کو اس جہانِ فانی سے عالمِ بقا کو رخصت ہوئے۔ عبدالشاہد خاں شروانی کا بیان ہے کہ مولانا کا مزار اب تک مرجع خلائق اور زیارت گاہ انام ہے۔[۱]

یہ بھی زمانہ کی نیرنگیوں میں سے ہے کہ جو مجاہد آزادی خیر آباد میں پیدا ہوا۔ دہلی میں جوانی گزاری، لکھنؤ میں بوڑھا ہوا وہ وطن سے دور جزائر انڈیمان میں ابدی نیند سو رہا ہے ؏

چمن میں ہر طرف بکھری ہے داستان میری

---

[۱] الثورۃ الہندیہ ص: ۱۷۷

ازواج واولاد

مولانا نے دو شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ بی بی وزیرن سے تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے مولانا عبدالحق تھے جو شمس العلماء ہوئے اور جنہوں نے علمی دُنیا میں اپنے خاندان کی روایت برقرار رکھی۔

دوسری اہلیہ دہلی کی تھیں اُن سے دو لڑکے شمس الحق اور علاء الحق تھے۔

تلامذہ:۔

مولانا کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں ہے۔ اُن سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا۔ چند اہم نام یہ ہیں:۔

۱۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی (م ۱۳۱۶ھ)

۲۔ ہدایت اللہ خان جونپوری اُستاد مولانا سید سلیمان اشرف۔

۳۔ فیض الحسن سہارنپوری۔ ۴۔ جمیل احمد۔

۵۔ سلطان احمد بریلوی۔ ۶۔ عبداللہ بلگرامی۔

۷۔ عبدالقادر بدایونی۔ ۸۔ شاہ عبدالحق کانپوری

۹۔ ہدایت اللہ بریلوی اُستاد فضل حق رامپوری

۱۰۔ غلام قادر ۱۱۔ خیرالدین دہلوی والد ماجد مولانا ابوالکلام آزاد

علمی وادبی زندگی:۔

مولانا ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور رئیسانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ ادبی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ غالب، صدرالدین آزردہ، امام بخش صہبائی جیسے اہل علم و فکر اُن کے احباب میں شامل تھے۔ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ فارسی شاعری میں فرقتی تخلص کرتے تھے۔ اُن کا ایک شعر ہے۔

فرقتی در کعبہ رفتی بارہا نامسلمان، نامسلمانی ہنوز

عربی زبان میں بیسیوں قصائد لکھے۔ پُر گو تھے کہ چار ہزار سے زائد اشعار لکھ ڈالے۔ مرزا غالب سے غایت درجہ کے تعلقات تھے۔ غالب ابتدا میں مشکل اور نامانوس زبان میں شعر کہتے تھے۔ بعد میں سادہ زبان اور خوبصورت لب و لہجہ اختیار کیا۔ اس بارے میں مولوی محمد حسین آزاد کی رائے ہے۔

"مولوی فضل حق صاحب فاضل بے عدیل تھے۔ ایک زمانہ میں دہلی کی عدالت ضلعی میں سررشتہ دار تھے۔ اُسی عہد میں مرزا خان عرف مرزا خانی صاحب کوتوالِ شہر تھے۔ وہ مرزا قتیل صاحب کے شاگرد تھے۔ نظم نثر فارسی اچھی لکھتے تھے۔ غرض کہ یہ دونوں باکمال مرزا صاحب کے دلی دوست تھے۔ ہمیشہ باہم دوستانہ جلسے اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے۔ انہوں نے اکثر غزلوں کو سُنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ شعر عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ مرزا صاحب نے کہا۔ اتنا کہہ چکا اب تدارک کیا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا خیر ہوا سو ہوا۔ انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو۔ مرزا صاحب نے دیوان حوالے کیا۔ دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا۔ وہ یہی دیوان ہے جو آج ہم عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں۔"[1]

مولانا حالی لکھتے ہیں:۔

"مولوی فضلِ حق کی تحریک سے اُنہوں (غالب) نے اپنے اُردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا دو ثلث

---

[1] آبِ حیات ص: ۵۰۵

کے قریب نکال ڈالا اور اس کے بعد اس روش پر چلنا چھوڑ دیا"[1]

اُردو ادب کے شیدائیوں پر مولانا فضلِ حق کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے غالب کو مشکل پسندی اور بے معنی طرزِ بیان کو چھوڑ کر سادہ کہنے کی ترغیب دی اور غالب نے آسان کہہ کر اُردو کا دامن بھرا۔ غالب کا متروکہ کلام دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا فضلِ حق واقعی "گوہر شناس" تھے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ سے "امتناعِ نظیرِ خاتم النبیین" کے موضوع پر رسالہ بازی ہوئی۔ یہ ایک علمی مسئلہ تھا جس پر دو بڑے دماغ ٹکرا گئے مگر بعد میں یہ مسئلہ دو گروہوں میں اختلاف کا باعث بن گیا مرزا غالب بھی اس بحث میں مولانا فضلِ حق کے زیرِ اثر آ گئے تھے۔ حالانکہ طبعاً انہیں ان مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مولانا فضلِ حق سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں۔

۱۔ الجنس العالی شرح جواہر المعالی۔
۲۔ شرح افق المبین۔
۳۔ حاشیہ تلخیص الشفا۔
۴۔ حاشیہ شرح سُلّم قاضی مبارک۔
۵۔ ہدیۃ السعیدیہ۔
۶۔ رسالہ تشکیک۔
۷۔ رسالہ طبعی و کُلّی۔
۸۔ رسالہ علم و معلوم۔
۹۔ الروض المجود فی حقیقت وحدت الوجود۔
۱۰۔ رسالہ قاطیغوریاس۔
۱۱۔ الثورۃ الہندیہ۔
۱۲۔ رسالہ تحقیق حقیقت الاجسام
۱۳۔ قصائد فتنۃ الہند۔
۱۴۔ مجموعۃ القصائد۔
۱۵۔ امتناع نظیر
۱۶۔ تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ۔

---

[1] یادگارِ غالب ص: ۲۰۱

قاسم بن علی الحریری

ابو محمد قاسم بن علی بن محمد بن عثمان الحریری ۴۴۶ھ/۵۵-۱۰۵۴ء میں عراق کے ایک گاؤں مشان میں پیدا ہوا۔[1] اُس نے بصرہ میں تعلیم پائی۔ پست قد اور بدصورت ہونے کی وجہ سے لوگوں کے طنز کا نشانہ بنا رہتا تھا لیکن صاحبِ طرز انشاپرداز اور "مقامات نویسی" میں یکتائے روزگار تھا۔ تقریباً ستّر سال کی عمر میں ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء میں فوت ہوا۔

حریری سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ مقاماتِ حریری:۔ مقامات نویسی کا آغاز بدیع الزمان احمد بن حسین الہمدانی (م ۳۹۸ھ/۱۰۰۷ء) کی "مقاماتِ ہمدانی" سے ہوتا ہے اور حریری کی کاوشوں سے یہ صنفِ ادب بامِ کمال کو پہنچتی ہے۔ یہ کتاب کلامِ عرب کے متنوع اسالیب، امثال و محاورات اور رموزِ کلام کا ذخیرہ ہے۔ "مقاماتِ حریری" کے ترجمے تقریباً دنیا کی تمام اہم زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو میں متعدد شروح اور حواشی لکھے گئے ہیں۔

مقامات کی تالیف کے بارے میں حریری کا اپنا بیان ہے کہ ایک روز بصرہ کی جامع مسجد میں ابوزید سروجی نامی ایک بھکاری بھیک مانگ رہا تھا اور لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے رومی سپاہیوں کے ہاتھوں اپنی بیٹی کی فرضی گرفتاری

---

[1] مشاہیرِ اُمت ج ۵: ۴۲ ؎

کا سماں باندھ رہا تھا۔ اس کی دردانگیز گفتار سے متاثر ہو کر لوگ اُسے بھیک دینے پر مجبور ہو گئے۔ اِس منظر اور ابوزید سروجی کی قادر الکلامی سے متاثر ہو کر حریری نے اُسی شام "مقامات" لکھنے کا فیصلہ کر لیا اور اُس بھکاری کی نسبت سے مقامات کے مرکزی کردار کو "ابوزید سروجی" کا نام دیا۔

"مقامات" ۴۹۵ھ / ۱۱۰۱ء میں شروع ہوئی اور تقریباً دس سال میں ۵۰۴ھ / ۱۱۰۹ء کے لگ بھگ مکمل ہوئی مقامات کا ایک نسخہ بخطِ مؤلف مرقومہ ۵۰۴ھ دارالکتب مصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔[۱]

آج کا عربی ادب مقامات کے زمانہ سے بہت آگے جاچکا ہے لیکن "مقامات" کی اہمیت اپنی جگہ قائم ہے۔ مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ لکھتے ہیں۔

"عصرِ حاضر کے علماء مقاماتِ حریری سے ناراض ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اِسی پر بس نہیں بلکہ بعض حضرات حدودِ ادب سے متجاوز ہو کر کتاب اور مصنفِ کتاب کی نسبت سقیم الفاظ استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں فرماتے ہیں۔ لیکن میں مقاماتِ حریری کا مداح ہوں اور سمجھتا ہوں کہ حفظِ معانی، لغات اور لغات کے مختلف استعمالات، علم بدیع کے تفننات وغیرہا کی حقیقت جس طرح یہ کتاب واشگاف کرتی ہے دوسری کتاب اِس کے مساوی میرے علم میں نہیں ہے"[۲]

۲۔ درۃ الغواص فی اوہام الخواص (لغت) پڑھے لکھے افراد زبان کے معاملہ میں جو غلطیاں کرتے ہیں اُن سے بحث کی گئی ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کی تین شرحوں، پانچ حاشیوں، ایک مختصر، ایک منظوم اور ایک تکملہ کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ ملحۃ الاعراب (نحو)

---

[۱] ماہنامہ "فاران" (کراچی) شمارہ مئی ۱۹۵۳ء
[۲] مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں ص ۳۱۲ - ۹۴ء

قطب الدین رازی

ابو عبداللہ قطب الدین محمد بن محمد رازی "رے" کے ایک گاؤں "ورا" میں پیدا ہوئے مشاہیرِ وقت سے علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ اُن کے ابتدائی دور کے اساتذہ میں شیخ جمال الدین کا نام بہت نمایاں ہے۔ ۷۳۶ھ/۱۳۳۵ء میں سلطان ابو سعید کا انتقال ہوا اور نامور وزیر غیاث الدین قتل کر دیا گیا۔ اس افراتفری کے دور میں قطب الدین رازی ترکِ سکونت کر کے دمشق چلے گئے۔ دمشق میں قاضی عضد الدین ایجی سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ یہیں علامہ تاج الدین سبکی کا اُن سے تعارف ہوا۔

علامہ قطب الدین رازی کے فقہی مسلک کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اُن کا سلسلۂ نسب چونکہ آل بویہ سے ملتا ہے اور آل بویہ بالاتفاق شیعہ تھے اس لئے نور اللہ شوستری نے "مجالس المومنین" میں انہیں شیعہ گردانا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے انہیں حنفی المسلک قرار دیا ہے۔ مگر قرینِ قیاس روایت یہ ہے کہ وہ شافعی المسلک تھے۔ تاج الدین سبکی نے اُن کا تذکرہ "طبقات الشافعیہ" میں لکھا ہے۔

علامہ رازی علوم مروجہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے مگر اپنے رجحانِ طبع اور منطق و فلسفہ سے گہرے شغف کی وجہ سے "معقولی" مشہور ہوئے۔ علامہ سبکی نے لکھا ہے۔

"میں نے رازی کو منطق و فلسفہ میں امام پایا اور وہ تفسیر و بیان و معانی کے عالمِ متبحر ہیں۔"

علامہ رازی کی زندگی کا زیادہ حصہ دمشق میں گزرا۔ اُن کی دولت و ثروت کے بھی چرچے تھے۔ وہ مدرسہ ظاہریہ کے نچلے حصہ میں رہتے تھے۔ اور مدرسہ کے بالائی حصہ میں اُن کے

ہم نام ایک دوسرے عالم رہائش پذیر تھے۔ امتیاز کی خاطر انہیں قطب الدین تحتانی کہا جاتا تھا اور دوسرے مدرس قطب الدین فوقانی مشہور تھے۔

۷۶۶ھ/۱۳۶۴ء میں دمشق میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

تصنیفات:۔

علامہ رازی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ شرح مطالع الانوار (منطق)

مطالع الانوار۔ قاضی سراج الدین محمود بن ابی بکر ام (۶۸۹ھ) کی معروف و متداول تالیف ہے۔ مختلف منطقیوں نے اس کی شرحیں اور حواشی لکھے ہیں۔ علامہ رازی نے غیاث الدین وزیر کے لئے اس کی شرح "لوامع الاسرار" کے نام سے لکھی جو "شرح مطالع" کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ شرح رسالہ الشمسیہ قطبی (منطق)

عمر بن علی کاتبی قزوینی معروف بہ نجم الدین ام (۶۷۴ھ/۷۶-۱۲۷۵ء) نے منطق میں ایک رسالہ "الشمسیہ" لکھا۔ قزوینی، نصیر الدین طوسی ام (۶۷۲ھ) کا شاگرد تھا اور ساتویں صدی ہجری کے سرآمد روزگار منطقیوں میں سے تھا۔ علامہ رازی نے اس کی شرح لکھی جو مؤلف کے لقب کی مناسبت سے "قطبی" مشہور ہوئی۔

۳۔ رسالہ قطبیہ (منطق)

تصور و تصدیق کی بحث پر مختصر اور جامع رسالہ ہے۔ میر زاہد ہروی نے اس کی شرح لکھی جو مدارس عربیہ میں متداول ہے۔

۴۔ محاکمات (فلسفہ)

امام فخر الدین رازی نے "اشارات" کی شرح میں شیخ بو علی سینا پر اعتراضات کئے تھے۔ محقق نصیر الدین طوسی نے اپنی "شرح اشارات" میں ان کے جوابات لکھے۔

علامہ قطب الدین نے دونوں شارحین کے اعتراضات اور جوابات پیش نظر رکھ کر محاکمہ لکھا جو فلسفہ کی ایک اہم کتاب خیال کی جاتی ہے۔

۵۔ شرح الحاوی الصغیر۔

چار جلدوں پر محیط نامکمل شرح ہے۔

۶۔ حواشی علی الکشاف۔ علامہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) کی مشہور تفسیر "کشاف" پر سورہ طٰہٰ تک حواشی ہیں۔

لطف اللہ نسفی

لطف اللہ نسفی معروف بہ فاضل کیدانی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔ اُن سے فقہ حنفی کے مطابق طریقِ نماز پر مختصر رسالہ "خلاصہ کیدانی" یادگار ہے۔ کسی افغانی مُلّا نے تُک بندی کی ہے۔

تو طریقِ صلوٰۃ کے دانی
گر نہ خوانی خلاصہ کیدانی

خلاصہ کیدانی کا فارسی ترجمہ شیخ جمال نے زیب النساء بیگم کی فرمائش پر کیا۔ جس کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۳ء پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔[1]

پشتو ترجمہ "توضیح المعانی" صوبہ سرحد (پاکستان) کے مشہور صوفی بزرگ حضرت میاں محمد عمر چمکنی نے کیا۔ جس کا ایک قلمی نسخہ صاحبزادہ فضل احمد پشاوری کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

---

[1] فہرست مخطوطات شیرانی جلد دوم ص: ۲۷۶

مُحبّ اللہ بہاری

قاضی محب اللہ بہاری موضع کرا (مضافات بہار شریف) کے ایک نیک خاندان کے چشم وچراغ تھے۔

حالاتِ زندگی:-

ابتدائی درسی کتب اپنے علاقہ کے علماء سے پڑھیں بعد میں مُلّا قطب الدین شمس آبادی (م ۱۱۲۱ھ)[1] سے اکتساب فیض کیا۔[2] ایک دوسری روایت کے مطابق انہوں نے قطب الدین سہالوی سے تعلیم پائی تھی۔[3]

تعلیم سے فراغت کے بعد دکن چلے گئے۔ جہاں اورنگ زیب عالمگیر نے شاہی ملازمت میں لے لیا۔ لکھنؤ اور حیدر آباد میں یکے بعد دیگرے قاضی شرع مقرر ہوئے لیکن کسی سبب معتوب ہو کر اس عہدہ سے معزول ہوئے۔[4]

اِس عتاب کے کچھ عرصہ بعد عالمگیر نے اپنے پوتے رفیع القدر بن شہزادہ معظم کی تعلیم پر مامور کیا۔

---

[1] ملّا قطب الدین امیٹھی (مضافات لکھنؤ) کے خاندانِ سادات میں سے تھے۔ وہاں سے شمس آباد (قنوج) میں آکر سکونت اختیار کرلی۔ اپنے زمانہ کے نامور عالم تھے۔ ملّا قطب الدین سہالوی (م ۱۱۰۳ھ) کے شاگرد تھے۔ تمام عمر شمس آباد کی مسندِ افتاء ودرس پر فائز رہے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۱۲۱ھ میں وفات پائی۔

[2] سبحۃ المرجان۔

[3] تراجم الفضلاء باب پنجم۔

[4] علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد اول ص: ۹۴۷۔

شاہ عالم (م ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ عطا ہوا اور فاضل خان کے خطاب سے نوازے گئے۔[1]

وفات:-

۱۱۱۹ھ/۸-۱۷۰۷ء میں انتقال ہوا۔[2] اور محلہ چاند پور شہر بہار میں مدفون ہوئے انتقال کی تاریخ اس مادہ سے نکلتی ہے۔

قاضی مولوی محب اللہ

۱۱۱۹ھ

نیز

رفتہ سوئے ارم محب اللہ

۱۱۱۹ھ

مادۂ تاریخ ہے۔

علمی مقام:-

ملا محب اللہ بہاری کو جو شہرت نصیب ہوئی ہے وہ بے مثال ہے۔ جملہ تذکرہ نگار اُن کی ذہانت و فطانت اور جلالتِ علمی کا ذکر کرتے ہیں۔ مولوی رحمان علی نے انہیں ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

بحرے بود از بحارِ علوم و بدرے بود بین النجوم[3]

محب اللہ بہاری منطقی اور فلسفی کے ساتھ اچھے ادیب بھی تھے۔ اُن کی کتابوں میں ادبی پہلو نمایاں ہے۔ غالباً یہ اس تحریک کا شعوری یا غیر شعوری نتیجہ ہے جو میر باقر داماد

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۵۔

[2] ایضاً "بزم تیموریہ" میں سال وفات ۱۱۹۰ھ درج ہے جو سہو کتابت ہے۔

اور صدر الدین شیرازی کے زیر اثر پیدا ہوئی تھی۔ اُن کے ڈھلے ڈھلائے اور ترشے ترشائے فقرات ان ہی ایرانی فضلاء کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔

تصنیفات:۔

قاضی محب اللہ بہاری سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ سُلم العلوم (منطق)

فن منطق کی ادق اور مشکل ترین کتاب ہے۔ برصغیر سے باہر منطق کی صرف دو کتابیں لکھی گئیں جنہیں عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی۔ پہلی کتاب نجم الدین عمر بن علی قزوینی کی "الشمسیہ" ہے اور دوسری کتاب علامہ سعد الدین تفتازانی کی "تہذیب المنطق" ہے۔

ان دونوں کتابوں پر منطقیوں نے شروح اور حواشی لکھے ہیں۔ آج مدارسِ عربیہ میں ان کتابوں کے بعد "سلم العلوم" پڑھائی جاتی ہے۔ سلم العلوم مختصر اور جامع کتاب ہے مؤلف نے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ تمام اشکالات اور نزاعی مباحث کا احاطہ کیا ہے۔ محب اللہ بہاری نے "سلم العلوم" کے دیباچے میں لکھا ہے۔

"میری خواہش ہے کہ سُلم درسی کتابوں میں اس طرح چمکے جیسے ستاروں میں چاند [1]"

مؤلف موصوف کی زندگی ہی میں اُن کی یہ خواہش پوری ہو گئی علماء نے اس کی شرحیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔

اوّلیں شرح:۔

مولانا فضل امام خیرآبادی نے قاضی مبارک گوپاموی کے ذکر میں لکھا ہے۔

---

[1] سلم العلوم،

اوّل کسیکہ حاشیہ بر میر زاہد
نوشت وسلم را شرح کرد، او بود.[1]

(قاضی مبارک) پہلے شخص ہیں جنہوں نے میر زاہد پر حاشیہ لکھا اور مسلم کی شرح کی۔ مولانا فضل امام کی یہ رائے درست نہیں۔ قاضی مبارک نے اپنی شرح کے خاتمہ پر ترقیمہ لکھا ہے۔

قد تم الشرح بفضل من اللہ تعالیٰ وتبارک من عبدہ محمد مبارک فی سنۃ الف ومائۃ اربعین و ثلث من الھجرۃ النبویۃ فی سابع شھر ربیع الاول یوم الخمیس فی بلدۃ شاہ جہاں آباد۔[2]	اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے بندے محمد مبارک کے ہاتھوں یہ شرح ۷۔ ربیع الاول ۱۱۴۳ھ بروز جمعرات، بشہر شاہجہاں آباد (دہلی) میں مکمل ہوئی

مُلا احمد عبد الحق فرنگی محلی (م ۱۱۶۷ھ) نے اپنی شرح سُلّم (تصدیقات) کے خاتمہ پر لکھا ہے۔

صنفہ خادم الطلبہ احمد عبد الحق بن فاضل الکامل محمد سعید بن ملا قطب الدین شہید قطب العلماء والعرفا الانصاری السہالی (کذا) سنۃ الف ومائۃ وثلاثین من الھجرۃ النبوۃ[3]	طلبہ کے خادم احمد عبد الحق نے جو فاضل کامل محمد سعید بن قطب العلماء والعرفاء ملا قطب العلماء والعرفاء، ملا قطب الدین سہالوی کا فرزند ہے۔ اس شرح کو ۱۱۳۰ھ میں تصنیف کیا۔

---

[1] تراجم الفضلاء، ص: ۸ ٭ [2] شرح سلم العلوم۔ قاضی مبارک
[3] شرح سلم العلوم (خاتمہ) ٭

مُلّا عبدالحق کی اِس عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ قاضی مبارک کی شرح کو اوّلیت حاصل نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مُلّا احمد عبدالحق کی شرح ہی اوّلیں شرح ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں۔

وقد کنت بالغاً فی الایضاح لم نجد مثلہ شرحاً موضحاً فائقاً للابکار نافعاً للطلاب[۱])	میں نے مطالب کی توضیح میں پوری کوشش کی ہے۔ ایسی واضح، اعلیٰ خیالات سے ممتاز اور طلبہ کے لئے مفید کوئی دوسری شرح ہم نے نہیں پائی۔

گویا احمد عبدالحق کی شرح سے پہلے کچھ شرحیں لکھی گئی تھیں جو زیادہ واضح اور طلبہ کے لئے مفید نہیں تھیں۔

سُلم العلوم کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ چند اہم شرحیں یہ ہیں۔

۱۔ شرح قاضی مبارک۔ ۲۔ شرح حمداللہ سندیلوی۔

۳۔ شرح مُلّا احمد عبدالحق۔ ۴۔ شرح مُلّا مبین۔

۵۔ شرح ملّا مسافر۔

۲۔ مسلم الثبوت (اصولِ فقہ)

کتاب کا نام تاریخی ہے جس سے سالِ تالیف ۱۱۰۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ اصول فقہ کی معروف درسی کتاب ہے۔

۳۔ الجوہر الفرد۔

۴۔ مغالطہ عامۃ الورود۔

---

[۱] شرح سلم العلوم (خاتمہ)

محمد بن ابراہیم شیرازی

محمد بن ابراہیم شیرازی ملقب بہ صدر الدین ۹۷۹ھ/۷۲-۱۵۷۱ء یا ۹۸۰ھ/۷۳-۱۵۷۲ء میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ علمی حلقوں میں اخوند ملّا صدرا یا صدر المتہالین کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

ابتدائی زندگی:-

ملّا موصوف ایک با اثر اور صاحبِ حیثیت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ بوڑھے والد کے اکلوتے تھے۔ اُن کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا۔ اس زمانے میں "اصفہان" علماء و فضلاء کا مرجع تھا اور ایران کے گوشے گوشے سے علم کے پیاسے اصفہان آتے تھے۔ مُلّا صدرا نے بھی اصفہان کی درس گاہوں سے اکتسابِ فیض کیا۔ اُن کے اساتذہ میں شیخ بہاء الدین عاملی اور میر باقر داماد کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اِن دونوں اساتذہ سے "اجازت" حاصل کی تھی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے مُلّا موصوف کے اساتذہ میں میر ابوالقاسم مندرسکی کا نام بھی لکھا ہے۔ جو عارف و زاہد ہونے کے علاوہ بے نظیر ریاضی دان تھا۔

مخالفت:-

ملّا صدرا کے افکار سے بعض با اثر افراد کو اتفاق رائے نہیں تھا۔ اُنہوں نے ملّا موصوف کی شدید مخالفت کی۔ "الاسفار الاربعہ" کے دیباچے میں انہوں نے اِس مخالفت کا ذکر کیا ہے۔

ایک دلچسپ روایت "قصص العلماء" میں ملتی ہے کہ میر باقر داماد کی وفات کے

بعد ملا صدرا نے انہیں خواب میں دیکھا اور اُن سے کہا کہ "میں اُن ہی خیالات کا اظہار کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتابوں میں پیش کئے ہیں لیکن مجھے مُلحد قرار دیا جاتا ہے اور آپ کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ایسا کیوں ہے؟" میر باقر داماد نے جواب دیا کہ "میں نے فلسفہ پر اس طرح قلم اٹھایا ہے کہ متکلم میرا مفہوم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ صرف فلسفی ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس تمہارے اندازِ بیان سے ہر شخص مفہوم سمجھ جاتا ہے اور وہ تمھیں مُلحد قرار دینے لگتا ہے۔"[۱]

اس خواب سے اتنا واضح ہے کہ وہ میر باقر داماد کے خوشہ چین تھے اور انہوں نے متکلین کی مخالفت برداشت کی تھی۔ غالباً اسی مخالفت کے باعث وہ اصفہان سے "قم" کے قریب "کھک" نامی گاؤں میں علیحدگی کی زندگی گزارنے لگے تھے۔ یہاں سے وہ فلسفیانہ مسائل پر غور و فکر کے نتائج اپنی تحریروں کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔

تدریس:۔

ملا موصوف کی قابلیت کا شہرہ دُور دُور تک پھیل رہا تھا اور طالبانِ علم کشاں کشاں اُن کی مجلس میں آنے لگے تھے۔ اُن دنوں اللہ وردی خان (حاکم شیراز) نے اُن کے آبائی شہر "شیراز" میں ایک درس گاہ قائم کی اور ملاؔ کو اپنے وطن آکر خدمات انجام دینے کی دعوت دی۔ ملاؔ اس دعوت پر شیراز آ گئے اور مدرسہ اللہ وردی خان اُن کے دم قدم سے ایک مثالی درس گاہ بن گیا۔

وفات:۔

کہا جاتا ہے کہ مُلاؔ صدرا نے سات بار سفرِ حج کیا۔ آخری بار سفرِ حج سے واپسی پر بصرہ پہنچنے پر ۱۰۵۱ھ/۱۶۴۰ء میں وفات پائی۔

---

[۱] منقولہ از براؤن ص: ۴۲۹

تصنیفات:-

ملّا موصوف نے زندگی کے آخری حصے میں سینکڑوں طالب علموں کو فیض پہنچایا انہوں نے طلبہ کے لئے بہت سی کتابیں لکھیں۔ تذکرہ نگار اُن کی اڑتالیس کتب اور رسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ جملہ کتابوں میں سے صرف ایک فارسی میں ہے۔ باقی سب ہی عربی زبان میں ہیں۔

ملّا موصوف کی مشہور کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ الاسفار الاربعہ (فلسفہ)

فلسفہ کی ایک اہم اور دقیق کتاب ہے۔ دارالترجمہ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) نے اِس کا اردو ترجمہ کرایا تھا۔ مترجمین میں مولانا میرک شاہ کاشمیری اور سید ابوالاعلیٰ مودودی شامل تھے۔ سید مودودی نے راقم الحروف کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ انہوں نے "الاسفار الاربعہ" کے درمیانی دو سفروں (کتابوں) کا ترجمہ کیا تھا۔ جو ساڑھے تین ہزار صفحات پر پھیلا ہوا تھا۔ لیکن یہ شائع نہ ہو سکا۔[1]

۲۔ شواہد الربوبیت۔ ۳۔ المبداء والمعاد

۴۔ شرح اصول الکافی۔ "اصول الکافی" شیخ کلینی کی معروف تالیف ہے۔ ملّا صدرا نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے

۵۔ حواشی بر شفا ابن سینا۔ "شفا" کے مابعد الطبیعاتی حصہ پر حواشی ہیں۔

۶۔ شرح حکمت الاشراق از شہاب الدین سہروردی مقتول۔

۷۔ الواردات القلبیہ۔ ۸۔ کسر اصنام الجاہلیۃ۔ ۹۔ کتاب الہدایہ۔

۱۰۔ شرح ہدایت الحکمت معروف بہ صدرا۔ ۱۱۔ تفسیر سورِ مختلفہ قرآن مجید

---

[1] مکاتیب ابوالاعلیٰ حصہ دوم ص: ۱۰۳

محمد بن اسماعیل بخاری

ابتدائی زندگی:-

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ ۱۲ شوال ۱۹۴ھ/۱۹ جولائی ۸۰۹ء کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد میں سے مغیرہ نے اسلام قبول کیا اور بخارا میں سکونت اختیار کی تھی۔ اُن کے والد اسماعیل علم حدیث میں رسوخ رکھتے تھے اور امام مالک کے شاگرد تھے۔ گھر میں قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا تھا۔

امام بخاری ابھی بچپن میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور والدہ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ انھوں نے سولہ سال کی عمر تک وطن میں تحصیلِ علم کی اور اس عمر میں امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابیں یاد کرلیں۔

سولہ سال کی عمر میں والدہ اور برادر بزرگ کے ساتھ حج کی غرض سے حجاز روانہ ہوئے۔ بھائی اور والدہ فریضۂ حج ادا کر کے واپس وطن چلے گئے لیکن امام بخاری یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ چھ سال تک حجاز میں قیام رہا اور اہلِ علم سے استفادہ کیا۔

تعلیمی سفر:-

امام بخاری نے سماع حدیث کے لئے دور دراز کے سفر اختیار کئے۔ شام، مصر اور جزیرہ میں دو سال رہے۔ بغداد، کوفہ، اور بصرہ جو علم کے مرکز تھے کئی بار گئے، امام ذہبی کے بیان کے مطابق امام بخاری جب نیشاپور گئے تو شہر کے لوگوں نے ایسا شاندار استقبال کیا کہ اس سے پہلے انھوں نے کسی حاکم کو بھی یوں خوش آمدید نہ کہا تھا۔ اہل شہر تین منزل باہر آگئے تھے اور انہیں ساتھ لے کر چلے۔

نیشاپور میں قیام :-

امام بخاری نے نیشاپور میں بزمِ حدیث سجادی - امام محمد بن یحییٰ ذہلی نے لوگوں سے کہا کہ اس صالح عالم کی مجلس میں بیٹھ کر اُن سے حدیث سنیں۔ اُن کے کہنے پر اور امام بخاری کے شغفِ حدیث کو دیکھ کر عوام نے اس قدر رجوع کیا کہ خود محمد بن یحییٰ ذہلی کی مجلسِ درس ماند پڑ گئی۔

مسئلہ خلقِ قرآن پر امام بخاری اور حنابلہ کے درمیان اختلاف رونما ہوا۔ امام ذہلی بھی امام بخاری کے شدید نکتہ چیں بن گئے۔ حکومتِ وقت پر حنابلہ کا اثر تھا اس بنا پر امام بخاری کو اختلافِ رائے کے جرم میں قید و بند کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ آخر نیشاپور سے واپس وطن بخارا آگئے۔

وفات :-

بخارا کا حاکم امام بخاری سے خوش نہ تھا۔ اس لئے یہاں بھی آرام و سکون نہ مِلا تو اپنے ننھیال خرتنگ (بخارا سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں) چلے گئے۔ خرتنگ سے سمرقند جا رہے تھے کہ ۲۵۶ھ / ۸۷۰ء میں باسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

تصنیفات :-

امام بخاری سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱- الجامع الصحیح	۲- الادب المفرد
۳- التاریخ الکبیر	۴- التاریخ الاوسط
۵- التاریخ الصغیر	۶- خلق افعال العباد
۷- جزو رفع الیدین	۸- قراۃ خلف امام
۹- برالوالدین	۱۰- کتاب الضعفاء
۱۱- الجامع الکبیر	۱۲- التفسیر الکبیر۔

۱۳۔ کتاب الاشربہ	۱۴۔ کتاب الهبہ
۱۵۔ کتاب المبسوط	۱۶۔ کتاب الکنیٰ
۱۷۔ کتاب العلل	۱۸۔ کتاب الفوائد
۱۹۔ کتاب المناقب	۲۰۔ اسامی الصحابہ
۲۱۔ کتاب وحدان	۲۲۔ قضایا الصحابہ

متذکرۃ الصدر تمام کتابوں میں سے "الجامع الصحیح" کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اُن کی کسی دوسری تالیف کو حاصل نہ ہوئی۔ "الصحیح" انہوں نے سولہ سال کے عرصہ میں مکمل کی اور اس کو تین مرتبہ لکھا۔ کثرت سے "الصحیح" کی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ فتح الباری۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

۲۔ عمدۃ القاری۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی (م ۸۵۵ھ)

۳۔ ارشاد الساری۔ شہاب احمد بن الخطیب القسطلانی (م ۹۲۳ھ)

۴۔ الکواکب الدراری۔ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی کرمانی (م ۷۸۶ھ)

۵۔ شرح النووی۔ علامہ نووی (م ۶۷۹ھ) تا کتاب الایمان، شارح شرح مکمل نہ کر سکے تھے۔ اس کا ذکر شرح الصحیح المسلم کے مقدمہ میں ہے۔

۶۔ ہدایۃ الباری۔ زکریا انصاری تلمیذ حافظ ابن حجر (م ۹۲۸ھ)

۷۔ تیسیر القاری۔ نور الحق (م ۱۰۷۳ھ) بن شیخ عبدالحق دہلوی

۸۔ التوشیح علی الجامع الصحیح۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۹۔ شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح۔ جمال الدین شافعی (م ۶۷۲ھ)

۱۰۔ شرح شیخ الاسلام ابن محب اللہ بخاری۔

۱۱۔ عون الباری۔ نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ)

۱۲۔ نبراس الساری فی اطراف البخاری۔ مولانا عبدالعزیز حنفی۔

۱۳۔ فیض الباری ۔ بدر عالم میرٹھی ۔ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے افادات ہیں۔

۱۴۔ حاشیہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (م ۱۲۹۸ھ)

۱۵۔ لامع الدراری ۔ از افادات مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) مولانا محمد زکریا نے مرتب کی ہے۔

محمد بن عیسیٰ ترمذی

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی —— قبیلہ بنو سلیم سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ترمذ کے مقام پر ۲۰۹ھ/ ۲۵-۸۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ ترمذ دریائے جیحوں کے کنارے واقع ایک قدیم شہر ہے۔ جہاں کے تین افراد نے بہت شہرت حاصل کی۔

۱۔ ابوالحسن احمد بن حسن ترمذی۔ ترمذی کبیر کے نام سے مشہور ہیں۔
امام احمد کے شاگرد تھے اور امام ترمذی صاحب السنن کے اُستاد۔
۲۔ حکیم ترمذی صاحب نوادر الاصول۔
۳۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی صاحب السنن۔

امام ترمذی کے زمانہ میں خراسان اور ماوراالنہر میں علم حدیث کا خوب چرچا تھا۔ تاہم موصوف نے حصولِ علم اور سماع حدیث کے لئے دور دراز کے طویل سفر کئے۔ اُن کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ علامہ ذہبی نے امام بخاری، امام مسلم، علی بن حجر مروزی، ہناد بن سری، قتیبہ بن سعید اور محمد بن بشار کو اُن کے اساتذہ میں شمار کیا ہے امام ابوداؤد بھی اُن کے شیوخ میں سے ہیں۔

امام بخاری کی وفات کے بعد اُن کی ذات مرجع خلائق تھی۔ اُن کے تلامذہ میں خراسان اور ترکستان کے علاوہ دُنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے افراد ملتے ہیں۔

امام ترمذی آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ بعض تذکرہ نگار انہیں مادر زاد اندھا بتاتے ہیں مگر ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے۔ امام موصوف پر زہد و تقویٰ اور خشیتِ الٰہی

اس قدر غالب تھی کہ ان کی آنکھوں سے اکثر آنسو جاری رہتے تھے۔ اس گریہ وزاری سے اُن کی بینائی جاتی رہی تھی۔

امام موصوف کا انتقال مشہور روایت کے مطابق ۲۷۹ھ/۸۹۲ء میں ترمذ میں ہوا اور قریہ بورغ میں دفنائے گئے جو ترمذ سے چھ فرسخ کی مسافت پر ہے۔

تصنیفات:۔

امام ترمذی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ العلل الصغریٰ۔ اس موضوع پر "العلل الکبریٰ" ناپید ہے۔

۲۔ کتاب المفرد ۳۔ کتاب التاریخ۔

۴۔ کتاب الزہد ۵۔ کتاب الشمائل النبویہ۔

۶۔ کتاب الاسماء والکنیٰ ۷۔ الجامع الترمذی۔

ان میں سے العلل الصغریٰ، کتاب الشمائل النبویہ اور الجامع الترمذی مطبوعہ ہیں۔

شروح جامع ترمذی:۔

جامع الصحیح البخاریؒ کے بعد سب سے زیادہ شرحیں جامع ترمذی کی لکھی گئی ہیں۔ کچھ اہم شرحوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱تا۴۔ شروح اربعہ۔ اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل شرحیں ہیں۔

عارضۃ الاحوذی۔ ابن العربی مالکی (م ۵۴۶ھ)

قوت المغتذی۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

شرح الجامع للترمذی۔ ابو طیب سندھی (م ۱۱۰۹ھ)

شرح الجامع للترمذی (فارسی) سراج احمد سرہندی۔

۵۔ شرح الجامع للترمذی۔ حافظ ابو الفتح محمد بن محمد بن سید الناس الشافعی۔ (م ۷۳۴ھ) نے شرح کا آغاز کیا تھا مگر پایۂ تکمیل کو پہنچنے سے پہلے شارح کا انتقال ہو گیا بعد میں

حافظ زین الدین عبد الرحیم بن حسین عراقی (م ۸۰۶ھ) نے مکمل کی۔

۶۔ اللب اللباب فیما یقول الترمذی، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

۷۔ التعلیقات علی الترمذی۔ حافظ احمد بن شاکر (کتاب البیوع تک اُن کی تصحیح متن کے ساتھ تعلیقات شائع ہوئیں۔ بعد میں دوسرے اہل علم نے اس کام کو مکمل کیا اور پانچ جلدوں میں مصر سے یہ اہم تالیف شائع ہوئی)

۸۔ تحفۃ الاحوذی۔ مولانا عبد الرحمان مبارک پوری (م ۱۳۵۳ھ)

۹۔ العرف الشذی۔ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کے درسی افادات اُن کے شاگرد مولانا محمد چراغ صاحب نے مرتب کئے ہیں۔

۱۰۔ معارف السنن۔ یہ بھی مولانا انور شاہ کاشمیری کے افادات علمیہ ہیں جو مولانا محمد یوسف بنوری (م ۱۳۹۷ھ) نے ترتیب دیئے ہیں۔

۱۱۔ الکوکب الدری۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے افادات مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے ترتیب دیئے ہیں۔

۱۲۔ نزول الثوی۔ مولانا اصغر حسین صاحب پرنسپل مدرسہ دار الہدیٰ پٹنہ نے حنفی نقطہ نظر سے سوالاً جواباً یہ کتاب لکھی ہے۔

محمد احسن نانوتوی

مولانا محمد احسن بن لطف علی برصغیر کے مردم خیز قصبہ نانوتہ (ضلع سہارنپور) میں ۱۲۴۱ھ/ ۲۶-۱۸۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جد امجد قاضی مظہر الدین صدیقی سکندر لودھی کے زمانہ میں برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ خاندان میں تعلیم کا چرچا تھا اور ہر فرد نوشت وخواند سے بہرہ ور تھا۔

تعلیم و تربیت :-

مولانا محمد احسن نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ والدِ ماجد سے قرآن مجید حفظ کیا اور دہلی چلے گئے۔ دہلی کالج میں داخلہ لیا جہاں ان کے عزیز مولانا مملوک علی نانوتوی (م ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۱ء) مدرس تھے۔ دہلی کالج میں انھوں نے مولانا مملوک علی اور مولوی سبحان بخش سے بطورِ خاص استفادہ کیا۔ اُن دنوں دہلی میں شاہ عبد الغنی مجددی (م ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء) اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) کی درسگاہیں علم حدیث کی اشاعت کے لئے مصروف تھیں۔ ان دونوں حضرات سے حدیث کی تعلیم پائی اور اول الذکر سے تعلقِ بیعت بھی قائم کیا۔

ملازمت :-

علوم مروجہ کی تحصیل کے بعد ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۷ء میں بنارس کالج میں بحیثیت مدرس اوّل (فارسی) اُن کا تقرر ہوا۔ چار پانچ سال یہاں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد بریلی کالج گئے جہاں شعبۂ فارسی کے سربراہ بنائے گئے چند سال بعد شعبہ عربی کا اجرا ہوا تو دونوں شعبوں کی صدارت اُنہیں سپرد کی گئی۔

بریلی میں تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہوا۔ مولانا ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں رائے رکھتے تھے۔ ۲۲ مئی کو نمازِ جمعہ کے بعد مسجد نو محلہ میں تقریر کی جس میں اس امر پر زور دیا کہ کمپنی کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا موزوں نہیں۔ اس سے عام مسلمانوں کے جذبات بھڑک اُٹھے اور انھیں جان بچانا مشکل ہو گیا آخر کو توالِ شہر شیخ بدرالدین کے کہنے پر بریلی سے آنولہ چلے گئے اور وہاں سے رامپور (افغانان) ہوتے ہوئے نانوتہ پہنچے۔ جب ۶ مئی ۱۸۵۸ء کو بریلی پر دوبارہ کمپنی کا قبضہ ہو گیا تو واپس آگئے اور کالج کی ملازمت بحال ہو گئی۔

سفرِ حج :۔

۱۵ دسمبر ۱۸۶۶ء کو بریلی سے بغرضِ حج روانہ ہوئے۔ پانچ ماہ اس سفر میں لگے۔ حرمین میں اپنے مرشد شاہ عبدالغنی مجددی (م ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء) اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۸ء) سے خاص طور پر ملے۔ ۱۳ مئی ۱۸۶۷ء کو واپس بریلی آئے۔

نانوتہ میں قیام :۔

۱۸۷۷ء میں بریلی کالج ناقابلِ برداشت مصارف کی وجہ سے بند ہو گیا تو مولانا محمد احسن وطنِ مالوف نانوتہ آگئے۔ یہاں "احسن المدارس" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جو ۱۹۳۷ء تک چلتا رہا۔ یہ زمانہ ان کی تصنیف و تالیف کے لئے خاصا اہم رہا۔

وفات :۔

۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء میں بیمار ہوئے بغرضِ علاج دہلی گئے مگر افاقہ نہ ہوا۔ واپسی پر مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (م ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) کے اصرار پر دیوبند ٹھہرے جہاں اُن کے بھائی محمد منیر نانوتوی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ مولوی محمد منیر نے اپنے بھائی کی ہر قسم کی خدمت کی مگر موت سے کسے رستگاری ہے آخر رمضان ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء کو وفات پائی اور دارالعلوم دیوبند کے قبرستان میں دفنائے گئے۔

علمی خدمات:۔

مولانا محمد احسن بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ایک کامیاب طابع و ناشر بھی تھے۔ اُنہوں نے ستمبر ۱۸۶۲ء/۱۲۶۲ھ میں مطبع صدیقی کے نام سے بریلی میں ایک مطبع قائم کیا تھا جس سے خانوادۂ شاہ ولی اللہ کی کتابیں شائع ہوئیں یہ مطبع تقریباً ۱۶ سال قائم رہا اور اس عرصہ میں اس سے اردو مطبوعات کا گراں قدر ذخیرہ منظرِ عام پر آیا۔ جناب محمد ایوب قادری صاحب کے الفاظ میں "ان کے مطبع صدیقی کا مقصد صرف تجارتِ کتب نہ تھا بلکہ دراصل یہ ولی اللہی اکیڈیمی تھی۔ اس مطبع سے ولی اللہی حکمت و فلسفہ کی خوب نشر و اشاعت ہوئی"۔

مطبع صدیقی سے ایک ہفتہ وار اخبار "احسن الاخبار" کے نام سے ۷ ستمبر ۱۸۶۲ء سے شائع ہونا شروع ہوا جو کچھ عرصہ اپنی بہار دکھا کر بند ہو گیا۔

مولانا محمد احسن عربی و فارسی پر تو عبور رکھتے ہی تھے۔ انگریزی زبان سے بھی کامل طور پر آگاہ تھے۔ شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے اور تاریخ گوئی کے فن میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اُن سے مندرجہ ذیل کتب یادگار ہیں۔

۱۔ تحفۃ المحصنین (تالیف ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء)

۲۔ اصول جرثقیل (تالیف ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء)

۳۔ نافع خریداراں (مسائل بیع وشرا) (سال تالیف ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء)

۴۔ قواعد اردو حصہ چہارم (تالیف ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲ء)

۵۔ رسالہ عروض (تالیف ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء)

۶۔ زاد المخدرات۔ دربیان تعلیم نسواں (تالیف ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء)

۷۔ مفید الطالبین۔

۸۔ مذاق العارفین۔ امام غزالی کی مشہور تالیف "احیاء العلوم" کا اردو ترجمہ ہے جو منشی نولکشور کی فرمائش پر (۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء تا ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء) پانچ سال کے عرصہ میں چار جلدوں میں

کیا گیا تھا۔ یہ ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہے۔ ترجمہ کے ساتھ موضوعات کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے

۹۔ تہذیب الایمان ترجمہ اغاثۃ اللہفان (ابن قیمؒ)

۱۰۔ احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق (تالیف ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء)

۱۱۔ غایۃ الاوطار۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "دُرِ مختار" کا ترجمہ مولوی خرم علی بلہوری کر رہے تھے کہ تکمیل سے پہلے اُن کا انتقال ہو گیا۔ باقی ترجمہ از باب الاذان تا کتاب الصلوٰۃ اور چھوڑے ہوئے حصوں کو پورا کیا۔ غایۃ الاوطار تاریخی نام ہے جس سے سال ترجمہ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۴ء برآمد ہوتا ہے۔

۱۲۔ حمایت اسلام۔ سر سید احمد خاں کی فرمائش پر گوڈفرے ہگنز Godfery Higgins کی کتاب Apology for Mohammad کا ترجمہ کیا۔

۱۳۔ کشاف ترجمہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (شاہ ولی اللہ)۔ تالیف ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء

۱۴۔ سلکِ مروارید ترجمہ عقد الجید (شاہ ولی اللہ) تالیف ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء

۱۵۔ خیر متین ترجمہ حصن حصین (تالیف ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء)

۱۶۔ نکاتِ نماز ترجمہ اسرار الصلوٰۃ

۱۷۔ مجموعہ مثنویات۔

مندرجہ بالا تصنیفات و تراجم کے علاوہ مطبع کی ضروریات کے پیش نظر مندرجہ ذیل کتابوں کو مفید حواشی اور ضروری تصحیح کے ساتھ مرتب کیا:۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ)

۲۔ ازالۃ الخفاء (" ")

۳۔ الشفاء

۴۔ کنوز الحقائق حاشیہ کنز الدقائق
۵۔ نفحۃ الیمن (الشیخ احمد یمنی)
۶۔ خلاصۃ الحساب (بہاء الدین عاملی)
۷۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (شاہ ولی اللہ)
۸۔ فتاویٰ عزیزی (شاہ عبد العزیز دہلوی)
۹۔ جواہر القرآن (امام علی بن نجف علی)
۱۰۔ رسالہ نیچرل فلاسفی۔
۱۱۔ تنبیہ الرقیق علی مغالطہ الحق الحقیق

میر محمد باقرِ داماد

میر محمد باقر داماد بن سیّد محمد استرآباد میں پیدا ہوئے اُن کے سالِ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ اُن کے عرف "داماد" کے بارے میں دو اسباب بتائے جاتے ہیں۔

نظامی بدایونی کے بقول "وہ شاہ عباس اوّل کے داماد تھے اور اس وجہ سے داماد مشہور ہو گئے۔"[1] دوسری رائے یہ ہے کہ اُن کے والد سیّد محمد، محقق ثانی شیخ علی بن عبد العلی کے داماد تھے اور اُن کے والد اِسی عُرف سے مشہور تھے بعد میں باپ کا عُرف بیٹے کا عُرف بن گیا۔[2]

میر محمد باقر نے ابتدائی تعلیم مشہد میں حاصل کی۔ بعد میں اصفہان آگئے اور عُمر کا زیادہ حصہ یہیں گزرا۔ عوام و خواص میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور اُن کی مجلسِ درس میں تشنگانِ علوم کا ہجوم رہتا تھا۔

اُنہیں فلسفہ و حکمت اور شعر و شاعری کے علاوہ تاریخِ طبعی سے خاص لگاؤ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے شہد کی مکھیوں کی عادات کا بطورِ خاص مطالعہ کیا۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے شیشے کے مرتبان میں مکھیوں کا چھتہ لگایا ہوا تھا۔

میر محمد باقر داماد شعر و شاعری میں "اشراق" تخلص کرتے تھے۔

وفات :۔ ۱۰۴۱ھ/۳۲-۱۶۳۱ء میں انتقال کیا۔

---

[1] قاموس المشاہیر جلد ۲: ص: ۲۳۶ [2] [3] تاریخ ادبیات ایران (ترجمہ) ص ۵۰۷ و براؤن ج ۴ ص ۴۲۸

تصنیفات:-

میر باقر داماد کی زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہیں البتہ شاعری اُنہوں نے فارسی میں کی۔ اُن کی کچھ کتابوں کی فہرست یہ ہے:-

۱۔ افق المبین (فلسفہ) نامانوس تراکیب اور محاورات کے استعمال سے اِس کتاب کی زبان نہایت ثقیل ہو گئی ہے۔

۲۔ شرح مختصر الاصول۔
۳۔ صراط المستقیم۔
۴۔ حبل المتین۔
۵۔ عیون المسائل۔
۶۔ نبراس الضیاء۔
۷۔ خلۃ الملکوت۔
۸۔ کتاب الرواشح السماویہ۔
۹۔ کشف الحقائق
۱۰۔ شارع النجاۃ
۱۱۔ مثنوی مشرق الانوار [۱]
۱۲۔ الایماضات والتشریفات (صحیفۃ الملکوتیۃ)

فہرست نگار کتاب خانہ سالار جنگ کے بقول صفوی دور میں شیعہ علوم پر لکھی گئی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے۔[۲]

---

[۱] بحوالہ حکمائے اسلام ج ۲: ص: ۳۱۲۔

[۲] فہرست کتب خانہ سالار جنگ جلد اوّل ص: ۴۰۔

محمد حسن فرنگی محلّی

ملّا محمد حسن بن قاضی غلام مصطفیٰ بن ملا محمد اسعد خلفِ اکبر ملّا قطب الدین شہیدؒ سہالوی نے ملّا کمال الدین فتح پوری اور ملّا نظام الدین سہالوی سے اکتسابِ علم کیا۔[1]

اُن کی ابتدائی زندگی دہلی میں گزری لیکن جلد ہی فرنگی محل آکر درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ بعض حوادث کی بنا پر انہیں وطن مالوف کو خیر باد کہنا پڑا چنانچہ شاہجہاں پور چلے گئے۔

شاہجہانپور سے نواب ضابطہ خاں کی فرمائش پر نجیب آباد چلے گئے۔ نواب ضابطہ خاں نے انہیں مدرسہ دارانگر میں مدرس مقرر کردیا۔[2] مرہٹوں کی وجہ سے نجیب آباد میں گڑبڑ پھیلی تو نواب فیض اللہ خان کے عہدِ اقتدار (۱۱۸۸ھ - ۱۲۰۸ھ) میں رامپور چلے گئے۔ رامپور میں عربک کالج (مدرسہ عالیہ) میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے۔ بعد میں مولانا عبدالعلی فرنگی محلّی اسی عہدہ پر فائز ہوئے۔[3] رامپور کے دورانِ قیام میں انتقال ہوا۔ سال وفات کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ علی احمد خان شوقؔ نے سالِ رحلت ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء لکھا ہے۔[4] "نزھت الخواطر" کے مصنف نے بھی یہی لکھا ہے۔[5] مولوی عنایت اللہ (م ۱۹۱۱ء) نے تاریخ وفات ۳ صفر ۱۲۰۹ھ / ۳۰۔ اگست ۱۷۹۴ء درج کی ہے۔[6]

تصنیفات:-

اکثر تذکرہ نگاروں نے ملّا موصوف کی ذکاوت اور تبحر علمی کا ذکر کیا ہے۔ وہ کثیر التصانیف

---

[1] آثار الاول من علمائے فرنگی محل ص ۱۰، ۱۱۔

[2] وقائع عبدالقادر خانی (علم و عمل) ج اول ص: ۷۵۔

[3] مکاتیب غالب ص: ۶۔

[4] تذکرہ کاملانِ رامپور ص: ۳۵۱۔

[5] نزہت الخواطر جلد ۶ ص: ۲۹۸۔

[6] تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۴۸۔

اور وسیع حلقہ تلامذہ رکھنے والے تھے۔ مؤلف "تذکرہ علمائے ہند" نے مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے[1]۔

۱۔ شرحِ مسلم الثبوت (تا مبادی الاحکام)۔ ۳۔ معارج العلوم (منطق)۔
۲۔ شرح سلم العلوم۔ ۴۔ حواشی زواہدِ ثلاثہ۔
۵۔ حاشیہ شرح ہدایت الحکمت صدرالدین شیرازی۔
۶۔ حاشیہ شمسِ بازغہ۔ ۷۔ غایۃ العلوم (حکمت)[2]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ۳ : ۱۸۵۔

[2] غالباً اسی کو صاحب "آثار الاول" نے مدارج العلوم کے نام سے ذکر کیا ہے ص: ۱۱۔

میر محمد زاہد ہروی

میر محمد زاہد ہروی بن قاضی محمد اسلم ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ قاضی محمد اسلم ہرات کے رہنے والے تھے بعد میں ترکِ سکونت کرتے ہوئے جہانگیر کے عہد میں لاہور آئے۔ جہانگیر اُن کے تقویٰ و تورّع سے نہایت متاثر تھا۔ پہلے انہیں کابل کا منصبِ قضا پیش کیا بعد میں شاہی لشکر کا قاضی بنا دیا۔ شاہجہان نے انہیں اسی منصب پر فائز رکھا اور اپنا امام خاص قرار دیا۔ ۱۰۶۱ھ میں لاہور میں فوت ہوئے[۱]۔

میر محمد زاہد بھی اپنے والد کی صفتِ نسبتی "ہروی" سے مشہور ہوئے۔

تعلیم:-

ابتدائی تعلیم اپنے والد قاضی محمد اسلم سے پائی۔ ملا محمد فاضل بدخشانی، ملا صادق حلوائی سے کابل میں استفادہ کیا۔ بعد میں توران جا کر مرزا محمد جان شیرازی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فنونِ حکمت مرزا محمد جان شیرازی کے شاگرد ملا یوسف سے سیکھے پھر لاہور آئے اور ملا جمال لاہوری سے فاتحۂ فراغ پڑھا جو علوم عربیہ میں یگانۂ روزگار تھے۔

ملازمت

شاہجہان نے میر زاہد کو رمضان ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۴ء میں کابل کی وقائع نگاری پر مامور کیا۔ عہدِ عالمگیری میں بہت دنوں اس عہدے پر فائز رہے پھر اکبر آباد (آگرہ)

---

[۱] بزم تیموریہ ۲: ۲۱۵

میں لشکرِ شاہی کے محتسب مقرر ہوئے۔ یہ تقرر ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء میں عمل میں آیا تھا۔ آخر بادشاہ نے کابل کی صدارت تفویض کی اور خدماتِ جلیلہ انجام دیں۔

تدریس:۔

میرزاہد سرکاری مصروفیات کے ساتھ ساتھ طالبانِ علم کو بھی نوازتے رہے جن دنوں اکبر آباد میں محتسبِ لشکر تھے۔ شاہ ولی اللہ کے والدِ ماجد شاہ عبدالرحیم نے اُن سے معقولات کی تعلیم پائی۔ اسی طرح کابل کے زمانۂ قیام میں بھی طالبانِ علم اُن سے استفادہ کرتے رہے۔ آخر عمر میں تدریس اور تقویٰ و تورع کا یہ عالم تھا کہ شاہی ملازمت سے علیحدگی اختیار کرلی اور ہمہ تن تعلیم و تعلّم اور تزکیۂ نفس میں مصروف رہے۔

میرزاہد کو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (م ۱۰۷۹ھ) سے نہ صرف تعلقِ ارادت تھا بلکہ ایک روایت کے مطابق اُن کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔

"انفاس العارفین" میں شاہ ولی اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے اُن کی دینداری اور دُنیوی معاملات سے ناواقفیت کا اظہار ہوتا ہے حضرت شاہ عبدالرحیم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک دن ماہ رمضان میں میرزاہد نے اُن کی دعوت کی۔ مغرب کے وقت ایک کباب فروش آیا اور کبابوں سے بھرا ہوا خوان اُن کے سامنے رکھ دیا اور کہنے لگا کہ میں کباب بطور نذرانہ لایا ہوں۔ میرزاہد مسکرائے اور کہنے لگے کہ "اے شخص نہ میں تیرا پیر ہوں اور نہ اُستاد ہی پھر نذرانہ کاہے کا؟" میرزاہد نے تاکید سے کباب لانے کا سبب پوچھا تو پتہ چلا کہ اُس کی دکان راستہ پر ہے اور میرزاہد کے ماتحت سپاہیوں نے دکان کو راہ سے ہٹانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ میرزاہد نے کہا "کل تحقیق ہوگی اب چلے جاؤ"۔ اس پر کباب فروش نے کہا کہ "میں کباب آپ کے لئے لایا ہوں۔ شام ہو چکی ہے اب یہ فروخت نہیں کر سکتا آپ قبول فرمالیں"۔

اس پر میرزاہد نے اپنے بچّوں کے معلّم کو بُلا کر کہا کہ ان کبابوں کی قیمت کیا ادا کی

جائے۔ معلم نے آٹھ آنے قیمت تجویز کی۔ جوادا کر دی گئی۔

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ میں نے اُستادِ محترم سے کہا کہ مقصود تو رشوت سے بچنا ہے لیکن آٹھ آنے میں کباب خریدنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ اُس کا خرچ ادا شدہ قیمت سے زیادہ اٹھا ہے اور کباب فروش آٹھ آنے پر راضی ہو گیا ہے میرزاہد نے کباب فروش کو دوبارہ بلا بھیجا اور اُس پر زور ڈال کہ خرچ اور اُجرت دریافت کی۔ جب حساب ہوا تو قیمت ساڑھے تین روپے بنی۔ بچوں کے معلم کو ڈانٹا اور کہا کہ تم چاہتے ہو کہ میں روزہ حرام طریقے سے حاصل کئے ہوئے کھانے سے افطار کروں۔ یہ کونسی عقل مندی اور ہمدردی تھی چنانچہ کبابوں کی پوری قیمت ادا کی گئی۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ ایک امیر، میرزاہد سے شرح وقایہ پڑھتا تھا جب تک دادا جان (شاہ عبدالرحیم) نہ آجاتے میرزاہد سبق نہ پڑھاتے تھے۔[1]

حضرت محدث دہلویؒ کے ملفوظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہیں شاہ عبدالرحیم کے تفقہ پر اعتماد تھا نیز وہ فقہی معاملات میں از حد محتاط تھے۔

وفات:۔

کابل میں ۱۱۰۱ھ/ ۱۶۹۰ء میں علم کا یہ آفتاب غروب ہوا۔

تالیفات:۔

میرزاہد نے طلبہ کی سہولت کے لئے کئی کتابوں کی شرحیں لکھیں اور ادق کتابوں پر حواشی تحریر کئے تاکہ اُن کے مطالب طلبہ بآسانی سمجھ سکیں۔ معروف ترین کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ حاشیہ شرح مواقف (امورِ عامہ)

---

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ۳: ۸۲ ۔

شاہ ولی اللہؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اِس کا مسودہ میرے والدِ ماجد کے پڑھنے کے زمانے یعنی زمانہ قیام اکبرآباد میں تیار ہوا۔ البتہ مبیّضہ کابل میں تیار ہوا۔

۲۔ حاشیہ شرح تہذیب علامہ دوّانی۔

۳۔ حاشیہ رسالہ تصور و تصدیق۔ قطب الدین رازی۔

ان تینوں حواشی کو "حواشی ثلاثہ" کہا جاتا ہے۔

۴۔ حاشیہ شرح ہیاکل۔

میر زاہد کی کتابیں آج سے تقریباً سو سال پہلے بہت اہم خیال کی جاتی تھیں، اُس وقت تک کسی فرد کو عالم ہی نہ سمجھا جاتا تھا جب تک اُس کا میر زاہد کی کتابوں پر کوئی حاشیہ نہ ہو۔ آج بھی منطق و فلسفہ میں میر زاہد کے شروح و حواشی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

قاضی محمد مبارک گوپاموی

"گوپامئو" اتر پردیش (بھارت) کے ضلع ہردوئی کا ایک قصبہ ہے جو ایک صدی پہلے علم وفضل کا گہوارہ تھا۔ وہاں علم وادب اور عرفان وتصوف کے سوتے جاری تھے۔ قاضی محمد مبارک شارح "سلم العلوم" کو اسی قصبے سے نسبت ہے۔

قاضی مبارک نام کے ایک سے زیادہ بزرگ گزرے ہیں۔ شارح "سلم العلوم" قاضی مبارک سوم ہیں۔ قاضی مبارک اوّل حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی (م ۷۲۵ھ) کے مرید باصفا اور خلیفہ تھے۔ یہ قاضی اول اپنے پیرومرشد کے پائین دہلی میں مدفون ہیں۔ غوثی مانڈوی نے "گلزارِ ابرار" میں اُن کا ذکر کیا ہے۔

قاضی مبارک دوم قصبہ امیٹھی (نزد لکھنؤ) کے مشہور بزرگ اور اکبری دور کے قاضی شیخ نظام الدین سے ارادت رکھتے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) نے "منتخب التواریخ" اور مولوی رحمان علی (م ۱۳۲۵ھ) نے تذکرہ علمائے ہند میں اُن ذکر کیا ہے۔

قاضی محمد مبارک سوم بھی صوفی مشرب تھے اور اپنے دور کے عظیم منطقی اور فقیہ تھے۔

ولادت:-

جملہ تذکرہ نگار قاضی مبارک سوم کی تاریخ ولادت کے بارے میں خاموش ہیں۔ البتہ اُن کی تاریخ ولادت کے بارے میں ایک اشارہ ملتا ہے۔ مغل شہنشاہ محمد شاہ نے ۱۷۔ ربیع الاول سنہ ۹ جلوس شاہی محمد شاہ میں ان کے نام فرمان جاری کیا تھا جس میں انہیں منصب قضا پر فائز ہونے کی اطلاع دی گئی۔ فرمان کے اجرا کے وقت ان کی عمر ۴۰ برس

تھی۔ اجرائے فرمان کی تاریخ کو ہجری سن سے مطابقت دینے سے ۱۱۲۹ھ حاصل ہوتا ہے گویا ۱۱۳۹ھ میں قاضی مبارک ۴۷ سال کے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اندازاً ۱۰۹۲ھ/۱۶۸۱ء میں پیدا ہوئے[1]

مؤلف تذکرۂ علمائے ہند نے قاضی مبارک سوم کے والد کا نام شیخ محمد دائم اوجھی لکھا ہے۔ ان کے جد امجد جابر عجلی ہیں اور عجلی قبیلہ بکر بن وائل کی ایک شاخ ہے[2]

تعلیم و تربیت :۔

قاضی مبارک نے اپنے رشتے کے ایک بزرگ قاضی شہاب الدین اور ان کے صاحبزادے ملا قطب الدین معروف بہ قطب اول سے اکتساب فیض کیا تھا۔ چند کتابیں حاجی صفت اللہ خیرآبادی سے بھی پڑھی تھیں[3] قاضی مبارک کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے میر زاہد ہروی (م ۱۱۰۱ھ) سے بھی استفادہ کیا تھا[4] لیکن یہ روایت بوجوہ درست نہیں اولاً میر زاہد ہروی کا انتقال ۱۱۰۱ھ میں ہوا اور قاضی مبارک کی پیدائش ۱۰۹۲ھ میں ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں میر زاہد کی وفات کے وقت قاضی صاحب کی عمر نو دس سال سے زائد نہ تھی اور میر زاہد اُس وقت اسی سال سے زائد عمر کے تھے۔

ثانیاً میر زاہد کی آخری عمر کابل میں بسر ہوئی اور وہیں فوت ہوئے تھے۔ ظاہر ہے نو دس سال کی عمر میں قاضی مبارک کا سفرِ کابل محال ہے۔

غالباً یہ غلط فہمی اس لئے پیدا ہوئی کہ قاضی مبارک نے اپنی شرح میں جابجا میر زاہد کا ذکر "قال الاستاذ" سے کیا ہے لیکن یہ اشکال بآسانی رفع ہو سکتا ہے۔ عام طور پر مؤلف اپنے استاد کے استاد کو بھی "الاستاذ" کہہ دیتے ہیں۔ ایک

---

[1] معارف ج ۹۳، ش ۳

[2] تاریخ و سیاسیات ج ۲، ش ۱، ص ۸۴

[3] تراجم الفضلاء ص ۱۰

[4] تاریخ و سیاسیات ج ۲، ش ۱، ص: ۸۵

روایت کے مطابق قاضی موصوف نے ملا محمد صالح (فرزند ملا قطب اول) سے بھی اکتساب فیض کیا تھا اور ملا محمد صالح کو میر زاہد سے تلمذ حاصل تھا لہٰذا قاضی مبارک نے اپنے استاد ملا محمد صالح کے استاذ کو "الاستاذ" کے لقب سے یاد کیا ہے

ملازمت:-

محمد شاہ (م ۱۱۶۱ھ) کی طرف سے قاضی مبارک منصبِ قضا پر فائز تھے جیسا کہ ولادت کے ضمن میں شاہی فرمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ عہدہ قضا کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی خاطر دہلی میں مقیم رہے۔

بیعت:-

قاضی محمد مبارک سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت شاہ اکرم دہلوی کے مرید تھے۔ خرقہ خلافت قلندریہ سلسلہ میں شاہ علاء الدین احمد لاہر پوری سے حاصل کیا۔

تصنیفات:-

۱۔ شرح سلم العلوم (منطق)

سلم العلوم کی بکثرت شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں۔

۲۔ حواشی بر حاشیہ میر زاہد۔

معاصرین سے علمی مباحثے:-

قاضی مبارک کے معاصرین میں حمد اللہ سندیلوی (م ۱۱۶۰ھ) اور قاضی احمد علی سندیلوی معروف منطقی تھے۔ اور پھر ایک ہی علاقہ میں ہونے کی وجہ سے کسی قدر معاصرانہ چشمک بھی تھی چنانچہ مولوی رحمان علی کے بیان کے مطابق قاضی مبارک اور قاضی احمد علی سندیلوی کے مابین مناظرہ و مباحثہ رہتا تھا۔[۱]

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۴

وفات:-

دہلی میں وفات پائی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق ۱۱۶۲ھ/ ۱۷۴۹ء میں وفات پائی۔ دوسری روایت کے مطابق سالِ وفات ۱۱۶۴ھ ہے اور "حسن خاتمہ" مادہ تاریخ ہے۔

۱۱۶۴ھ

نعش دہلی سے گوپا مئو لائی گئی اور حظیرہ مولویاں میں دفن کی گئی۔

ملّا محمود جونپوری

جونپور، فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ — ۷۹۰ھ) نے فخر الدین جونا ابن سلطان غیاث الدین تغلق) کے نام پر آباد کیا۔ یہ شہر ابتداء سے اہل فضل وکمال کا مرکز بن گیا۔ تیموری حملہ کے بعد ۸۰۲ھ/۱۳۹۹ء میں جونپور میں شرقی سلطنت قائم ہوئی تو اس کے علم وفضل کو چار چاند لگ گئے۔ اس دور میں ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ/ ۱۴۴۵ء) اور ان کے تلامذہ نے جونپور کو بغداد کا ہم پلہ بنا دیا۔

لودھی خاندان کے عہدِ حکومت میں مولانا اللہ داد جونپوری (م ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء) نے خاصا نام پیدا کیا۔ مولانا اللہ داد کی درس گاہ طلبہ اور شائقین علم و ادب کا مرجع تھی۔ مغل بادشاہوں نے بھی جونپور پر خاص توجہ دی۔ شاہجہان کہا کرتا تھا کہ پورب شیراز ما است"۔ محمد شاہ (م ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کے عہد میں اس ایک شہر میں بیس مدارس تھے۔ اس سرزمین سے بیسیوں نامور علماء اٹھے اُن میں دیوان عبدالرشید مؤلف "رشیدیہ" اور ملا محمود جونپوری دو ایسے آفتاب و ماہتاب تھے جن کی روشنی سے ایک عالم روشن ہوا۔ مولانا شبلی (م ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) کے بقول علامہ تفتازانی اور علامہ جرجانی کے بعد ایسے دو اہل علم کبھی اکٹھے نہیں ہوئے تھے

ملا محمود بن شیخ محمد بن شاہ محمد فاروقی[1] ۹۹۳ھ/۱۵۱۵ء میں پیدا ہوئے۔[2] موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا شاہ محمد فاروقی سے حاصل کی بعد میں مولانا

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص: ۲۲۱۔

[2] قاموس المشاہیر جلد ۲ ص: ۲۰۶۔

محمد افضل جونپوری (م ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علومِ مروجہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کر لی۔

تدریس:-

تعلیم سے فارغ ہو کر اکبر آباد (آگرہ) گئے۔ شاہجہان نے عزت و تکریم کی اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ نظامی بدایونی نے لکھا ہے کہ شاہجہان نے اُن کی شہرت سن کر دربار میں جگہ دی مگر یہ دربار سے چلے آئے۔[1] اس کی تفصیل یوں ملتی ہے کہ

"ملا محمود اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی بادشاہ کے ہمراہ لاہور حضرت شاہ میر لاہوری کے پاس گئے۔ فقیر متوجہ نہ ہوا۔ بادشاہ کو بہت رنج ہوا۔ دونوں علماء نے فرمایا کہ علماء کی طرف توجہ نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ فقیر اُٹھا اور اپنا کمبل بچھا کر خود بہ ادب بیٹھا اور دونوں علماء کو بٹھلایا اور کہا کہ میں جاہل ہوں مجھ کو اس کا مطلب سمجھا دیجئے اور یہ شعر پڑھا ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد
کہ از بہرِ دنیا دہد دیں بباد

(ایسا نہ ہو کہ دِل فرومایہ شاد ہو جائے جو دُنیا کے لئے اپنا دین بادشاہ کی نذر کر چکا ہے)

ملا عبد الحکیم اِس شعر کو سُن کر لوٹنے لگے اور گریباں چاک کیا اور ملا محمود شاہی ملازمت ترک کر کے جونپور واپس آ گئے۔[2]

---

[1] قاموس مشاہیر جلد ۲: ص ۲۰۶ ٭ [2] تاریخ شیراز ہند جونپور ص : ۶۸۹ ٭

جونپور میں ایک مدرسہ قائم کیا اور تدریس میں منہمک ہو گئے۔

علم و فضل :۔

جملہ تذکرہ نگاروں نے ملّا محمود جونپوری کے علم و فضل کی تعریف کی ہے۔

رحمان علی نے لکھا۔

"در علومِ حکمیہ و ادبیہ پایہ بلند داشت اگر بوجودش سرزمین جونپور

برزبوم شیراز تفاخر می جست روا بودی"[1]

غلام علی آزاد بلگرامی کے الفاظ ہیں" ہندوستان میں تو اُن کا کوئی نظیر نہ تھا۔ بلکہ ہفت اقلیم میں بھی اُن کا سا علم رکھنے والا کوئی نہ تھا۔

ایک روایت ہے کہ شاہجہان کے عہد میں ایک نابینا عالم ایکچ نامی شاہ ایران کا سفیر بن کر ہندوستان آیا۔ اُس نے دربار کے علماء سے مناظرہ کیا اور اُنھیں اپنی قوّتِ گویائی سے زچ کر دیا۔ شاہجہان کو اس صورتِ حال سے سخت افسوس ہوا۔ اُس نے اپنے وزیر نواب سعد اللہ خان کے مشورہ سے ملّا محمود جونپوری کو دربار میں بلایا۔ ملّا محمود جونپوری کو ناظم جونپور نے بصد منت و سماجت دربار میں بھیجا۔ دربار میں ایرانی عالم کے ساتھ اُن کی ملاقات ہوئی اور ہیولیٰ کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ ملّا محمود نے اپنے تبحر کا ایسا ثبوت دیا کہ ایرانی عالم نے اپنی شکست تسلیم کرکے ان کے ہاتھ چومے اور شاہجہان نے خوش ہو کر طشت بھر سونا اور چاندی اُن پر سے نچھاور کیا اور اپنے بیٹے شاہ شجاع کو اُن کی شاگردی میں دیا اور جونپور میں اُن کے مدرسہ کے لئے زمین عطا کی[2]

ملّا محمود نے ہندوستان کے خاص فن ناٹکا بھید کا گہرا مطالعہ کیا تھا علمِ ہیئت سے

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص: ۲۲۱ ؎

[2] ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ص: ۲۳ — ۲۴ ؎

خاصی دلچسپی تھی۔ اگرچہ اِس فن میں انہوں نے کوئی کتاب یادگار نہیں چھوڑی تاہم انہوں نے رصدگاہ کی تعمیر کے لئے بادشاہ سے مدد مانگی تھی جو جنگی مہمات کے پیش نظر مہیا نہ کی جاسکی اور رصدگاہ نہ بنائی جاسکی۔

وفات :-

مُلّا موصوف نے ۹ ربیع الاوّل ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۲ء کو جونپور میں وفات پائی۔ اُن کے اُستاد مولانا محمد افضل کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ بھی گھُل گھُل کر چالیس یوم کے اندر انتقال کر گئے۔ کسی نے اس مصرعہ سے دونوں کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ ع

زمحمود وافضل بگو آہ آہ [1]

تصنیفات :-

۱۔ الشمس البازغہ (فلسفہ)، تالیف ۱۰۴۲ھ

یہ کتاب درحقیقت ملّا موصوف کی اپنی کتاب "الحکمت البالغہ" کی شرح ہے۔ پہلے وہ متن پیش کرتے ہیں۔ آغاز "قلتُ" (میں نے کہا) سے کرتے ہیں اور پھر "اقولُ (میں کہتا ہوں) سے اس کی تشریح کرتے ہیں۔ متاخرین نے اس کے کئی حواشی لکھے ہیں۔

۲۔ فرائد فی شرح الفوائد (معانی و بلاغت)

کتاب کا سنِ تالیف لفظ "بلیغ" سے برآمد ہوتا ہے یعنی ۱۰۴۲ھ/۳۳-۱۶۳۲ء "فرائد" معانی و بیان کی مشہور کتاب فوائدِ غیاثیہ کی شرح ہے۔

۳۔ اقسام زبان پر ایک چہار ورقی رسالہ بزبان فارسی [2]

۴۔ رسالہ حرزِ ایمان۔

---

[1] ماثر الکرام ۲ : ۲۰۳ ج۔ [2] تذکرہ علمائے ہند ص : ۲۲۱ ج۔

یہ رسالہ شیخ محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) کے رسالہ تسویہ کے رد میں لکھا گیا ہے۔[1]

۵۔ تحقیق القبض۔

اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[2]

۶۔ دیوانِ فارسی۔

نمونہ کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔

---

[1] فہرست مخطوطات رضا لائبریری رامپور جلد ۲ : ۶۰۸ —— ۶۰۹

[2] برگ گل۔ تعلیمی پالیسی نمبر

مُسلم بن حجاج

مسلم بن حجاج بن وردبن کرشاد کا لقب عساکر الدین اور کنیت ابوالحسین ہے وہ عرب کے مشہور قبیلہ بنو قشیر سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے قشیری کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ امام مسلم کی تاریخ ولادت میں مختلف اقوال ہیں۔ ۲۰۲ھ، ۲۰۴ھ اور ۲۰۶ھ سالِ ولادت بتایا گیا ہے۔ آخری قول ابن خلکان کا ہے[1]۔ اُن کا وطنِ مالوف نیشاپور ہے۔

علامہ ذہبی کے بیان کے مطابق انہوں نے ۲۱۸ھ میں حدیث کی سماعت شروع کی تھی[2] انہوں نے نیشاپور میں اسحاق بن راہویہ اور امام محمد بن یحییٰ ذہلی سے سماعت کی۔

سماعتِ حدیث کے لئے عراق، حجاز، شام اور مصر کے بکثرت سفر کئے۔ بغداد متعدد بار جانا ہوا۔ آخری سفرِ بغداد ۲۵۹ھ میں کیا۔ رائے میں محمد بن مہران اور ابو غسان سے استفادہ کیا۔ عراق میں احمد بن حنبل اور عبداللہ بن مسلمہ۔ حجاز میں سعید بن منصور اور ابو مصعب، مصر میں عمرو بن سواد اور حرملہ بن یحییٰ سے سماعت کی۔ ان کے علاوہ امام محمد بن اسماعیل بخاری، احمد بن یونس، عون بن سلام ان کے شیوخ میں سے ہیں۔

امام مُسلم نہایت پاکیزہ خُو اور انصاف پسند تھے۔ نیشاپور میں جب امام بخاریؒ کے خلاف امام ذہلی نے فتویٰ دینا شروع کیا تو امام ذہلی سے علیحدگی اختیار کر لی۔

وفات:۔

امام مسلم کی وفات کا قصہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً اس سے امام صاحب

---

[1] وفیات الاعیان ج ۲، ص ۲۸۵۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۶۵۔

کی علمی شیفتگی اور انہماک کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ ایک حدیث تلاش کر رہے تھے۔ اس دوران میں کھجوریں کھانے لگے۔ حدیث تو مل گئی مگر کھجوریں بہت زیادہ کھا جانے سے موت واقع ہوگئی۔ علم حدیث کا یہ آفتاب ۲۵ رجب ۲۶۱ھ / ۵ مئی ۸۷۴ء کو نیشاپور میں غروب ہوا۔ نیشاپور شہر سے باہر نصیر آباد اُن کا مدفن ہے۔

تلامذہ :-

امام مسلم کے چند معروف تلامذہ یہ ہیں۔

۱۔ امام ترمذی صاحب الجامع
۲۔ محمد بن اسحاق بن خزیمہ۔
۳۔ محمد بن مخلد
۴۔ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی۔
۵۔ محمد بن اسحاق بن السراج
۶۔ ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الزاہد۔

تصنیفات :-

امام مُسلم سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ الصحیح المسلم۔
۲۔ المسند الکبیر۔
۳۔ کتاب الاسماء والکنیٰ۔
۴۔ کتاب العلل۔
۵۔ کتاب التمیز۔
۶۔ کتاب الوحدان۔
۷۔ کتاب الافراد
۸۔ کتاب الاقران۔
۹۔ کتاب سوالات احمد بن حنبل
۱۰۔ کتاب حدیث عمر بن شعیب۔
۱۱۔ کتاب الانتفاع
۱۲۔ کتاب مشائخِ مالک۔
۱۳۔ کتاب مشائخ الثوری
۱۴۔ کتاب مشائخ شعبہ
۱۵۔ کتاب من لیس لہ الاراو واحد
۱۶۔ کتاب المخضرمین
۱۷۔ کتاب اولاد الصحابہ
۱۸۔ کتاب اوہام المحدثین
۱۹۔ کتاب الطبقات
۲۰۔ کتاب افراد الشامیین [1]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ۔ ذہبی / سیرۃ البخاری ص ۲: ۱۴۴

شروح صحیح مُسلم :-

امام مسلم نے ۲۵۰ھ میں صحیح مسلم کی تکمیل کی۔ کثرت سے اس پر حواشی اور شرحیں لکھی گئی ہیں۔ کئی حضرات نے اختصارات تیار کئے اور ان اختصارات کی بھی شرحیں لکھی گئیں۔

چند اہم شروح یہ ہیں۔

۱۔ المنہاج فی شرح الصحیح المسلم بن الحجاج ۔ امام نووی (م ۶۷۶ھ)

۲۔ مختصر شرح نووی ۔ شیخ شمس الدین محمد بن یوسف القونوی (م ۷۸۸ھ)

۳۔ اکمال المعلم فی شرح مسلم ۔ قاضی عیاض مالکی (م ۵۴۴ھ)

۴۔ المعلم بفوائد کتاب مسلم ۔ ابو عبداللہ محمد بن علی المازری (م ۵۳۹ھ)

۵۔ المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ۔ ابوالعباس قرطبی (م ۶۵۶ھ)

۶۔ اکمال المعلم ۔ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ مالکی (م ۸۲۷ھ)

۷۔ المفہم فی شرح غریب مسلم ۔ صحیح مسلم کے الفاظِ غریبہ کی تشریح و توضیح ہے ۔ عبدالغافر بن اسماعیل فارسی (م ۵۲۹ھ)

۸۔ شرح صحیح مسلم ۔ عماد الدین عبدالرحمان بن عبدالعلی مصری ۔

۹۔ شرح صحیح مسلم ۔ ابوالفرج عیسیٰ بن مسعود (م ۷۴۴ھ)

۱۰۔ الدیباج علی صحیح المسلم بن حجاج ۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۱۱۔ وشی الدیباج ۔ سیوطی کی شرح کی تلخیص ہے جو علامہ مجموعی (م ۱۲۹۸ھ) نے کی ۔

۱۲۔ شرح صحیح مسلم ۔ اسماعیل بن محمد الانصاری (م ۵۳۵ھ)

۱۳۔ شرح صحیح مسلم ۔ شیخ تقی الدین ابوبکر محمد الحصنی (م ۸۲۹ھ)

۱۴۔ منہاج الابتہاج ۔ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب قسطلانی الشافعی (م ۹۲۳ھ) صرف نصف حصہ لکھا جا سکا ۔

۱۵۔ شرح صحیح مسلم ۔ مُلا علی قاری ۔

۱۶۔ شرح صحیح مسلم۔ علامہ عفیف الدین گازرونی (م ۷۵۸ھ)

۱۷۔ بغیۃ المسلم۔ شیخ سلیمان آفندی۔

۱۸۔ المطر الثجاج۔ ولی اللہ فرخ آبادی۔ فارسی زبان میں شرح ہے۔

۱۹۔ فتح الملہم۔ شبیر احمد عثمانی دیوبندی۔

متذکرۃ الصدر شرحوں کے علاوہ "اختصارات" کی شرحیں الگ ہیں۔ علامہ منذری (م ۶۵۶ھ) نے اختصار کیا جس کی چند شرحیں یہ ہیں۔

۱۔ شرح مختصر صحیح مسلم۔ عثمان بن عبد الملک الکرومی (م ۷۳۷ھ)

۲۔ شرح مختصر صحیح مسلم۔ محمد بن احمد الاسنوی (م ۷۶۸ھ)

۳۔ السراج الوہاج۔ نواب صدیق حسن خان۔

موسیٰ پاشا رومی

موسیٰ پاشا بن محمد بن قاضی محمود رومی کا لقب صلاح الدین اور عرف قاضی زادہ ہے۔ اُن کے والد بروسہ (روم) میں قاضی تھے۔ وہیں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کی غرض سے خراسان اور ماوراالنہر کا رُخ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کو خبر کئے بغیر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کسی طرح بہن نے سُن گُن پالی اور اپنے زیورات اُن کی کتابوں میں رکھ دیئے تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں چنانچہ انہوں نے خراسان اور ماوراالنہر کے علماء سے اکتسابِ علم کیا۔

۸۱۱ھ/ ۹-۱۴۰۸ء میں شیراز میں تھے۔ ۸۱۵ھ/ ۱۳-۱۴۱۲ء میں سمرقند کے بادشاہ الغ بیگ (م ۸۳۵ھ/ ۳۲-۱۴۳۱ء) بن شاہرخ بن تیمور کے دربار سے منسلک ہوئے اور بادشاہ کی فرمائش پر رصدگاہ کی تعمیر شروع کی لیکن رصدگاہ کی تکمیل سے پہلے فوت ہو گئے۔

سالِ وفات کے بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں ہے۔ قیاس ہے کہ ۸۲۳ھ/ ۱۴۲۰ء اور ۸۴۱ھ/ ۳۸-۱۴۳۷ء کے درمیان فوت ہوئے۔

قاضی زادہ سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:-

۱۔ شرح چغمنی۔ چغمین، بخارا کے نواح میں ایک قریہ ہے جہاں کے علامہ محمود بن محمد نے علم ہیئت میں ایک اہم کتاب "الملخص فی الہیئت البسیط" لکھی۔ یہ کتاب ۸۰۷ھ/ ۰۵-۱۴۰۴ء میں لکھی گئی تھی۔ مؤلف نے اس کا سال تالیف "ارخو" یا "رخوا" سے

نکالا ہے۔

قاضی زادہ نے ۸۱۵ھ/۱۳-۱۴۱۲ء میں "الملخص" کی شرح لکھی اور اُلغ بیگ کے نام معنون کی۔

۲۔ شرح اشکال التاسیس (ہندسہ) ۸۱۵ھ میں سمرقند میں مکمل ہوئی۔

۳۔ شرح التذکرہ (فلکیات)

۴۔ حاشیہ شرح الہدایت الحکمت۔

نصیر الدین طوسی

طوس صوبہ خراسان (ایران) کا ایک قدیم شہر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد جمشید پیش دادی نے رکھی تھی۔ زمانے کے انقلاب نے کئی بار طوس کو اجاڑا اور بسایا۔ کیانی دورِ سلطنت میں طوس تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ ایران کی حکومت کیخسرو کے ہاتھ میں آئی تو اس کے نامور سپہ سالار طوس بن نوذر بن منوچہر نے از سرِ نو آباد کیا۔

حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں ۲۹ھ / ۶۴۹ء میں یہاں اسلامی پرچم لہرایا۔ طوس کی شان و شوکت عباسی دورِ حکومت میں عروج پر تھی۔ طوس میں حمید بن قحطبہ کا ایک مربع میل میں پھیلا ہوا وہ عظیم الشان محل تھا جس کے باغ میں امام علی رضا اور ہارون الرشید کے مزار تھے۔ ابن خرداذبہ (م ۳۰۰ھ) کی روایت کے مطابق طوس کا سالانہ خراج سنتالیس ہزار آٹھ سو ساٹھ درہم یعنی ۱۱۹۶۵ روپے تھا

شاہانِ عجم کے زیرِ نگین طوس کی کوئی علمی و ثقافتی اہمیت نہ تھی مگر اسلامی دورِ اقتدار میں طوس کی قسمت جاگ اٹھی۔ نظام الملک طوسی جیسا مدبر اس کی پیشانی کا جھومر بن کر چمکا۔ فردوسی طوس کی ایک نواحی بستی میں پیدا ہوا۔ امام غزالی ضلع طوس کے ایک گاؤں میں متولد ہوئے اور محقق نصیر الدین کو بھی اس خاک سے نسبت ہے۔

عباسی عہد کا نہایت بارونق شہر آج کھنڈروں کی صورت میں دعوتِ غور و فکر دے رہا ہے۔ طوس کے کھنڈروں میں پانچ سو افراد کی آبادی کا ایک گاؤں "سجادیہ" ہے جس نے قدیم طوس کو کامل تباہی سے بچا رکھا ہے اور دنیا بھر کے سیاح اور فارسی ادب کے مداح فردوسی کے مزار پر حاضر ہونے کی خاطر ان کھنڈروں میں پہنچ جاتے ہیں۔

ولادت/خاندان:-

نصیر الدین طوسی ۱۱- جمادی الاولی ۵۹۷ھ/ ۱۸ فروری ۱۲۰۱ء کو طوس میں پیدا ہوا- ابو عبداللہ کنیت، محمد نام اور نصیر الدین لقب تھا- والد کا نام بھی محمد اور دادا کا حسن تھا- سلسلہ نسب یہ ہے- ابو عبداللہ نصیر الدین محمد بن محمد بن حسن بن ابو بکر-

نظامی بدایونی نے امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) کو خواجہ نصیر الدین طوسی کا والد ظاہر کیا ہے[1] - نہیں کہا جا سکتا نظامی بدایونی کو یہ مغالطہ کیوں کر ہوا- امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) اور خواجہ نصیر الدین کے درمیان سرے سے کوئی نسلی رشتہ نہیں ہے۔

تعلیم:-

علوم شرعی کی تعلیم خواجہ نے اپنے والد محمد بن حسن سے حاصل کی- اُن کے بعد ابو السعادات الاصفہانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا- معقولات کی تعلیم فرید الدین داماد سے پائی- جن کے ذریعے اُن کا سلسلہ تلمذ شیخ بو علی سینا تک پہنچتا ہے۔

کمال الدین بن یونس الموصلی اور معین الدین سالم بن بدران مصری معتزلی بھی اُن کے اساتذہ میں سے ہیں۔

خواجہ نصیر الدین آغاز شباب میں نیشاپور چلے گئے تھے جہاں اُنہیں سراج الدین قمری کے حلقۂ درس میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا- نیشاپور، دنیائے اسلام کا علمی و فکری مرکز تھا- علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) نیشاپور کے بارے میں رقمطراز ہیں-

"نیشاپور کی علمی حالت یہ تھی کہ اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ جو تعمیر ہوا، یہیں ہوا جس کا نام مدرسہ بیہقیہ تھا- امام الحرمین (امام غزالی کے استاد) نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی- عام شہرت ہے کہ دنیائے

---

[1] قاموس المشاہیر جلد دوم ص: ۲۶۰

اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ بغداد کا نظامیہ تھا۔ چنانچہ ابن خلکان نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فخر بغداد کے بجائے نیشاپور کو حاصل ہے بغداد کا نظامیہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا کہ نیشاپور میں بڑے بڑے دار العلوم قائم ہو چکے تھے۔ ایک وہی بیہقیہ جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ دوسرا سعدیہ، تیسرا نصریہ جس کو سلطان محمود کے بھائی نصر بن سبکتگین نے قائم کیا تھا۔ اُن کے سوا اور بھی مدرسے تھے جن کا سرتاج نظامیہ نیشاپور تھا۔[1]

نصیر الدین نے نیشاپور کے علمی ماحول سے بھرپور استفادہ کیا اور علومِ مروجہ میں کمال حاصل کیا۔

اسماعیلیوں کی قید میں:۔

تعلیم سے فراغت کے بعد بلادِ خراسان میں مغلوں کی چیرہ دستیوں کے پیشِ نظر خواجہ نصیر الدین۔ ناصر الدین محتشم کے بلانے پر قہستان چلا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسماعیلیوں کے رہنما نے کچھ فدائیوں کو مامور کیا تھا کہ وہ خواجہ کو نیشاپور سے اغوا کر کے قلعہ الموت لے آئیں۔ چنانچہ فدائیوں نے خواجہ کو ڈرا دھمکا کر الموت آنے پر مجبور کر دیا۔ خواجہ عرصہ تک ناصر الدین کے پاس قہستان میں رہا۔ اس کے ایما پر اخلاق ناصری لکھ کر اس کے نام معنون کی۔ اخلاقِ ناصری کے علاوہ اُسی کے ایما پر عین القضاۃ ہمدانی کی زبدۃ الحقائق کا ترجمہ کیا اور اس کے مشکل مقامات کی شرح بھی لکھی۔[2]

قہستان میں خواجہ نہایت آرام و اطمینان کی زندگی گزار رہے تھے لیکن اسماعیلیوں کا کردار انہیں پسند نہ تھا۔ انھوں نے ۶۳۴ھ میں خلیفہ مستعصم باللہ عباسی کی مدح میں قصیدہ

---

[1] الغزالی۔ ص ۲۸:
[2] مجالس المومنین ج ۲: ۲۰۱:

لکھا۔ اور ایک خط کے ساتھ بغداد بھیج دیا۔ یہ خط اور قصیدہ ابن العلقمی کے ذریعہ خلیفہ کے حضور پیش ہونا تھا جو اس وقت وزارت کے منصب پر فائز تھا۔ یہ خط کسی طرح ناصر الدین محتشم کے جاسوسوں نے اڑا لیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابن العلقمی نے محسوس کیا کہ اگر نصیر الدین کو خلیفہ نے بُلا لیا تو وہ خلیفہ کے مزاج میں دخیل ہو جائیں گے اور مجھے معزول کرا کے خود وزیر بن جائیں گے لہٰذا اُس نے قصیدے کی پشت پر یہ الفاظ لکھ کر ناصر الدین محتشم کے پاس بھیج دیا۔

"مولانا نصیر الدین بخلیفہ، روئے زمین آغازِ مکاتبت و مراسلات فرمودہ۔ این اندیشہ غافل نباید بود و این امرِ بزرگ را خورد نتواں شمرد[ل]"

بہر حال قصیدہ، ناصر الدین محتشم کو ملا۔ اور اُس نے ناراض ہو کر خواجہ کو حوالۂ زنداں کر دیا اور پھر اپنے ساتھ الموت لے گیا۔ جہاں بادشاہ علاء الدین خورشاہ نے انہیں "قلعہ میمون دژ" میں محبوس رکھا۔

خواجہ نے قید و بند میں لکھنے پڑھنے کا شغل جاری رکھا۔ باطنیوں کے کتب خانے سے خوب خوب استفادہ کیا اور چند کتابیں یہیں مرتب کیں۔

۶۵۵ھ میں قید و بند کا زمانہ ختم ہوا کیوں کہ اسی سال ہلاکو خان نے ممالک غربی پر یلغار کی اور یکے بعد دیگرا اسماعیلیوں کے شہروں پر قبضہ کر لیا اور قلعہ الموت کا قلع قمع کر دیا۔ باطنیوں کا سربراہ رکن الدین خورشاہ تھا جس نے خواجہ کے سمجھانے پر ہلاکو خاں کی اطاعت قبول کر لی۔

ہلاکو کی معیّت:۔

ل جیب السیر بحوالہ نذرِ عرشی ۲ : ۳۴۷ ؛

ہلاکو، خواجہ نصیر الدین کے فضل وکمال سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُن کو ممالک محروسہ کے تمام اوقاف کا متولی بنا دیا۔ انہوں نے اپنی طرف سے تمام شہروں میں نائب مقرر کر دیئے جو اوقاف کی آمدنی کا کچھ حصہ مقامی ضرورتوں کے لئے رکھ کر باقی رقم ہلاکو کے پاس بھیج دیتے تھے۔

ہلاکو نے خواجہ نصیر الدین ہی کی ترغیب پر بغداد پر حملہ کیا اور عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ عملاً انہیں وزیر کا سا اقتدار حاصل تھا اور وہ ہلاکو کے مزاج پر اس درجہ حاوی تھے کہ وہ اُن کی رائے کے بغیر کوئی بڑا کام نہ کرتا تھا۔

ایک بار ہلاکو نے ایک عہدے دار کے قتل کا حکم دیا۔ اس کے احباب و رفقاء دوڑے ہوئے خواجہ کے پاس آئے کہ اس کی جان بخشی کرائی جائے۔ خواجہ نے ہاتھ میں عصا، تسبیح اور اصطرلاب لیا اور خواجہ کے پیچھے پیچھے کچھ لوگ عود و لوبان سلگاتے ہوئے چلے، اس ہیئت کذائی میں جب یہ لوگ ہلاکو کے خیمے کے پاس پہنچے تو عود و لوبان اور بھی زیادہ جلانے لگے۔ خواجہ بار بار اصطرلاب کو دیکھنے لگے۔ ہلاکو کو خبر ہوئی اور اس نے خواجہ کو اندر بلا لیا۔ اور اس طرح آنے کا سبب دریافت کیا۔

خواجہ نے ایک من گھڑت افسانہ شروع کیا کہ علم نجوم سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت آپ پر ایک بڑی مصیبت آنے والی ہے اس لئے میں نے لوبان وعود جلایا اور دعائیں مانگیں کہ خداوند اس مصیبت کو دور کر دے۔ اس سلسلہ میں میرا مشورہ ہے کہ تمام سلطنت میں اس نوعیت کا فرمان جاری کر دیا جائے کہ جو لوگ قید میں ہیں وہ رہا کر دیئے جائیں گے۔ جو لوگ مجرم ہیں انہیں معاف کر دیا جائے گا اور جن لوگوں کے قتل کا اعلان ہو چکا ہے ان کی جان بخشی کی جائے گی۔

ہلاکو خواجہ کے بیان کردہ افسانے اور تجویز سے متاثر ہوا اور فوراً خواجہ کے حسب خواہش فرمان جاری کر دیا اس طرح وہ معزز عہدے دار قتل ہونے سے بچ گیا۔

مراغہ کی رصدگاہ:۔

فتح بغداد کے بعد خواجہ طوسی نے ہلاکو کو رصدگاہ قائم کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ ۵۶۷ھ/۷۲-۱۱۷۱ء میں مراغہ (تبریز) میں ایک عظیم الشان رصدگاہ قائم کی گئی جو دُنیا کی اہم رصدگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔

مذہب:۔

خواجہ طوسی مذھباً اثنا عشری تھے اور اپنے افکار کی تبلیغ واشاعت میں بہت سرگرم تھے۔

تصنیفات:۔

خواجہ نصیر الدین طوسی کو مروجہ علوم پر مہارت حاصل تھی۔ بہت کم ایسے باکمال پیدا ہوئے ہیں جو طوسی جیسی جامعیت کے حامل ہوں۔ چودہ سو سالہ اسلامی ثقافت نے بے شمار باکمال پیدا کئے ہیں لیکن "محقق" کا خطاب صرف دو ہی باکمالوں کو حاصل ہوا پہلے محقق طوسی کو اور پھر محقق دوانی کو۔ ان کا مطالعہ وسیع اور کتب خانہ بے نظیر تھا۔ اُن کے کتب خانہ میں چار لاکھ کے لگ بھگ کتابیں تھیں۔ پروفیسر براؤن لکھتا ہے۔

5. "Mongol Army which Destroyed Baghdad. He Profited by the plunder of many Libraries to Rich his own, which Finally came to comprise According to Ibn Shakir more than 4,00.000 Volumes."

براؤن خواجہ کی تصنیفی صلاحیت پر رائے دیتا ہے۔

---

1. A Literary History of Persia Vol. II PP. 485

"*He was the Most Productive Writer on Religious, Phisolophical, Mathematical Physical and Astronomical Subjects.*"

خواجہ نے عربی اور فارسی میں تصنیف وتالیف کی ہے۔ براؤن نے "۵۶" کتابیں بتائی ہیں۔ اہم تصنیفات یہ ہیں:۔

فلسفہ و منطق:۔

۱۔ شرح کتاب الاشارات والتنبیہات۔

کتاب الاشارات (شیخ بوعلی سینا) فلسفہ کے اہم متون میں سے ہے۔ امام فخرالدین رازی (م ۶۰۶ھ) نے اس کی شرح لکھی تھی اور ابن سینا کے نظام فکر کے پرخچے اڑا دئے تھے۔ خواجہ طوسی نے امام رازی کے اعتراضات کا جواب دیا۔ امام رازی کو تعصب اور تنگ نظری کا شکار گردانا ہے۔ حالانکہ امام رازی، خواجہ کے استاد فریدالدین داماد نیشاپوری کے استاد تھے۔

"شرح اشارات" کے بارے میں مولانا عبدالسلام ندوی کہتے ہیں:۔

"اس (شرح) میں اُس (خواجہ) کی کوئی چیز طبعزاد نہیں ہے اس سے پہلے علامہ سیف الدین آمدی نے "کشف التمویہات عن الاشارات والتنبہات" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں امام رازی کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے تھے۔ محقق طوسی نے اس کتاب اور امام رازی کی شرح اشارات کے مباحث کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور اس میں کوئی معتدبہ اضافہ نہیں کیا۔"[۲]

---

1. *A Literary History of Persia Vol. II PP. 485.*

[۲] حکمائے اسلام جلد دوم ص: ۲۵۴

۲۔ نقد المحصل

امام رازی کی مشہور کتاب "محصل افکار المتقدمین والمتأخرین" کا جواب ہے۔

۳۔ تجرید المنطق۔ ۴۔ اساس الاقتباس۔

۵۔ رسالہ ردِ تحقیقِ نفس الامر۔ ۶۔ رسالہ در تحقیقِ ماہیتِ علم۔

۷۔ رسالہ الی نجم الدین الکاتبی فی اثبات واجب الوجوب

۸۔ اثبات عقلِ فعال ۹۔ بقاء النفس بعد بوارِ الجسد

۱۰۔ اخلاق ناصری

ارسطو کی اخلاقیات کے ترجمہ اور شرحوں کے علاوہ حکمائے اسلام نے اخلاق کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اِن میں سب سے زیادہ مشہور ابن مسکویہ (۱۰۳۰ء) کی "تہذیب الاخلاق" ہے۔ اخلاقِ ناصری کی یہی اصل ہے۔ اخلاقِ ناصری فارسی کے ادبیات عالیہ میں شمار ہوتی ہے۔

ریاضی:۔

۱۔ جامع الحساب بالتختِ والتراب

۲۔ رسالہ فی الجبر والمقابلہ

۳۔ تحریر اصولِ اقلیدس

۴۔ الرسالۃ الشافیہ

۵۔ تحریر المخروطات

ان کے علاوہ ریاضی کے تقریباً سولہ رسالے ہیں جن میں سے بارہ کی فہرست جناب شبیر احمد خان غوری نے دی ہے[۱]

---

[۱] نذر عرشی ج ۳: ۳۵۶ ؎

ہیئت :-

۱- تحریر المجسطی ۲- تذکرہ در ہیئت

۳- رسالہ لبست باب (اصطرلاب کے استعمال سے متعلق ہے)

۴- زیچ ایلخانی۔

رصد گاہ مراغہ میں طوسی اور اُن کے رفقائے کار نے بارہ سال کام کیا اور اسی عرصہ کے مشاہدات کا نتیجہ "زیچ ایلخانی" کی شکل میں نمودار ہوا۔ ایلخان۔ ہلاکو کا نام تھا اور اسی کے نام پر یہ زیچ ہے۔

ان کے علاوہ بھی ہیئت میں اُن سے کتابیں یادگار ہیں۔

وفات :-

خواجہ نے ذی الحجہ ۶۷۲ھ / جون ۱۲۷۴ء میں وفات پائی اور مشہد میں دفن ہوئے جنازہ میں اکابر و اعیان نے شرکت کی۔

ولی الدین عراقی

ولی الدین عراقی آٹھویں صدی ہجری کے معروف عالم دین تھے۔ اُن کا نام محمد اور والد کا نام عبداللہ تھا۔ اُن کے تفصیلی حالات تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھے۔ اُن کی شہرت کا دارومدار "مشکوٰۃ المصابیح" ہے۔

ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی (م ۵۱۶ ھ) نے صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں سے ایک انتخاب "مصابیح" کے نام سے تیار کیا۔ اس میں چار ہزار چار سو چوراسی (۴۴۸۴) احادیث تھیں جن میں سے دو ہزار چار سو چونتیس (۲۴۳۴) صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی گئی تھیں "مصابیح" میں بہت سی احادیث ایسی بھی تھیں جن کے رواۃ اور الفاظِ حدیث میں کوئی فرق نہ تھا۔

۷۳۷ ھ/۱۳۳۶ء میں شیخ ولی الدین نے "مصابیح" کی نئے سرے سے ترتیب و تدوین کی اور "مشکوٰۃ المصابیح" نام رکھا۔ مشکوٰۃ کو بہت جلد حلقۂ محدثین میں قبولیت حاصل ہوگئی جس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ قارئین حدیث کو ایک ہی کتاب میں زندگی کے تمام معاملات کے لئے احادیث مل جاتی ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح کے مختلف زبانوں میں کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی

شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/۲۱ فروری ۱۷۰۳ء کو اپنی ننھیال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت عمرؓ اور والدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے اُن کے بزرگ شیخ شمس الدین مفتی اسلامی حکومت کے آغاز میں برصغیر آئے اور رہتک کے مقام پر سکونت پذیر ہوئے۔ پہلے یہ خاندان علم و فضل میں ممتاز تھا لیکن بعد میں خاندان کے اکثر افراد نے سپاہیانہ زندگی اختیار کر لی۔

شاہ ولی اللہ کے دادا شیخ وجیہ الدین صاحب السیف والقلم تھے چنانچہ شاہ عبدالرحیم نے قرآن مجید اُن ہی سے پڑھا تھا۔ لیکن شیخ وجیہ الدین کی شہرت ایک تیغ آزما کی حیثیت سے ہے۔ وہ اورنگ زیب عالمگیر کے لشکر میں سردار تھے اور جب کھجوہ کے مقام پر اورنگ زیب اور شجاع کے درمیان معرکہ ہوا تو اورنگ زیب کے اُن چند باہمت اور وفادار سرداروں میں سے تھے جو لشکر کے تتر بتر ہو جانے کے باوجود ثابت قدم رہے تھے۔

شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم بلند پایہ عالم اور صاحب فہم صوفی تھے۔

شاہ ولی اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ دس سال کی عمر میں وہ فوائد الضیائیہ (شرح جامی) پڑھتے تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں تفسیر بیضاوی کا ایک جزو پڑھ کر فراغت حاصل کی اس سال اپنے والد ماجد سے طریقۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ عمر کا سترہواں سال تھا کہ شاہ عبدالرحیم ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء کو فوت ہوئے

اُن کی مسندِ تدریس کو رونق بخشی اور تقریباً بارہ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء کے آخر میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے اگرچہ ہندوستان میں کتبِ حدیث کی سند مولانا محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کی تھی تاہم مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے دورانِ قیام میں شیخ ابو طاہر مدنی سے استفادہ کیا اور اجازتِ حدیث حاصل کی۔ رجب ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء میں بخیریت وطن واپس آئے۔

مراجعت وطن سے آخر دم تک تقریباً تہائی صدی مسلمانوں کی دینی و سیاسی ابتر حالت کو بہتر بنانے کے لئے کوشاں رہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے جس زمانہ میں آنکھیں کھولی تھیں مغل سلطنت کا تناور درخت زمین بوس ہو رہا تھا۔ طوائف الملوکی عام تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سیاسی قوت بن رہی تھی۔ دینی لحاظ سے جاہل پیروں اور مکار صوفیوں نے بدعات و خرافات کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ان حالات میں شاہ صاحب نے امتِ مسلمہ کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی۔

شاہ صاحب ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء کو فوت ہوئے اور دہلی کے مہندیوں کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ اُن کے صاحبزادوں نے اصلاحی مشن کو جاری رکھا اور اصلاحِ اُمت کا اہم فریضہ انجام دیا۔

تصنیفات

شاہ ولی اللہؒ سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں[1]۔

قرآن

۱۔ فتح الرحمان فی ترجمۃ القرآن ۲۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

---

[1] مجموعہ وصایا اربعہ ۲۰ — ۲۱ ؎

۳۔ فتح الخبیر ۴۔ مقدمہ در فن ترجمۂ قرآن۔

۵۔ تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء

حدیث:۔

۶۔ المسوی شرح موطا (عربی) ۷۔ المصفّٰی شرح مؤطا (فارسی)

۸۔ اربعون حدیثاً ۹۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین

۱۰۔ النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر۔

۱۱۔ الفضل المبین ۱۲۔ الارشاد الی مہمات علم الاسناد۔

۱۳۔ تراجم ابواب بخاری ۱۴۔ شرح تراجم بعض ابواب بخاری۔

۱۵۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔

فقہ و کلام و عقائد:۔

۱۶۔ حجۃ اللہ البالغہ ۱۷۔ البدور البازغہ

۱۸۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف

۱۹۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید

۲۰۔ السر المکتوم فی اسباب تدوین العلوم

۲۱۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین

۲۲۔ المقالہ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیۃ ، ۲۳۔ حسن العقیدہ۔

۲۴۔ المقدمۃ السنیہ ۲۵۔ فتح الودود

۲۶۔ مسلسلات ۲۷۔ رسالہ عقائد

تصوّف:۔

۲۸۔ التفہیمات الالہیہ ۲۹۔ فیوض الحرمین

۳۰۔ القول الجمیل ۳۱۔ ہمعات

۳۲۔ سطعات ۳۳۔ لمحات

۳۴۔ الطاف القدس ۳۵۔ ہوامع (شرح حزب البحر)

۳۶۔ الخیر الکثیر ۳۷۔ شفا القلوب

۳۸۔ کشف العینین فی شرح الرباعیتین

۳۹۔ زہراوین ۴۰۔ فیصلہ وحدت الوجود والشہود

سیر و سوانح:۔

۴۱۔ سرور المحزون ۴۲۔ ازالۃ الخفاعن خلافت الخلفاء

۴۳۔۴۹۔ انفاس العارفین (یہ کتاب سات مختلف رسائل کا مجموعہ ہے۔ رسائل یہ ہیں۔ بوارق الولایت، شوارق المعرفت، امداد فی مآثر الاجداد، نبذہ الابریز فی اللطیفۃ العزیزیہ العطیۃ الصمدیہ فی الانفاس المحمدیہ، انسان العین فی مشائخ الحرمین، جزو اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف)

مکتوبات:۔

۵۰۔ مکتوبات ۵۱۔ مکتوب المعارف مع ضمیمہ مکتوب ثلاثہ

۵۲۔ مکتوبات فارسی (مشمولہ کلمات طیبات) ۵۳۔ مکتوبات (مشمولہ "حیات ولی")

۵۴۔ مکتوبات (شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات۔ مرتبہ خلیق احمد نظامی)

نظم:۔

۵۵۔ قصیدہ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم۔

۵۶۔ دیوان اشعار عربی (جسے شاہ عبدالعزیز دہلوی نے جمع کیا اور شاہ رفیع الدین نے مرتب کیا)

صرف:۔ ۵۷۔ صرف میر (منظوم۔ فارسی)

متفرق:۔ ۵۸۔ رسالہ دانش مندی۔

یوسف بن ابی بکر (سکاکی)

سراج الدین ابو بکر یوسف بن ابی بکر بن محمد المعروف بہ سکاکی ۲ جمادی الاولیٰ ۵۵۵ھ/۱۰ مئی ۱۱۶۰ء کو خوارزم میں پیدا ہوئے۔ تذکروں میں "سکاکی" عرف کی مختلف وجوہ ملتی ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ شہر "سکاکہ" کی طرف نسبت ہے جو نیشاپور (ایران) عراق یا یمن میں واقع ہے۔ یہ رائے رکھنے والے "سکاکہ" کے محل وقوع کے بارے کوئی حتمی رائے نہیں رکھتے، نیز سکاکی خوارزم کا رہنے والا تھا۔ اس لئے "سکاکہ" کی صفتِ نسبتی کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔

دوسری رائے ہے کہ سکاکی کے جد امجد "ابن سکاک" تھے اور سکاکی خاندانی نام ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ سکاکی دھات کا کام کرتا تھا اور چاقو چھریاں بناتا تھا اور اس پیشے کی نسبت سے سکاکی مشہور رہا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن سکاکی نے ایک قلمدان تیار کیا جو نفاست اور مہارتِ فن کے اعتبار سے بے نظیر تھا۔ اُس نے یہ قلمدان ملک کے حکمران کو "تحفۃً" دیا اور شاہی انعام واکرام سے نوازا گیا۔ اُس کی موجودگی میں ایک اجنبی دربار میں باریاب ہوا۔ جس کا تزک واحتشام سے استقبال کیا گیا۔ اُس نے نووارد کا اکرام وتعظیم دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کون شخص تھا؟ اس پر معلوم ہوا کہ اجنبی ایک "عالم" ہے۔ سکاکی نے محسوس کیا کہ کسی فن میں مہارت حاصل کرنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ علم کی تحصیل کی جائے چنانچہ کافی بڑی عمر میں پڑھنے لگے۔

سکاکی نے مختلف علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ان کے تمام اساتذہ کے نام اوراقِ تاریخ میں محفوظ نہیں۔ فقہ کی تعلیم انھوں نے سدیدالخیاتی اور محمد بن صاعد بن محمد ہراتی سے حاصل کی۔ سکاکی حنفی المسلک تھا۔

۶۲۶ھ/۲۹-۱۲۲۸ء میں صوبہ فرغانہ میں قصبۂ "المالیغ" کے قریب کے گاؤں میں فوت ہوئے جو مشہور فلیسفوف الکندی کا مولد ہے

تصنیف و تالیف:-

سکاکی ترکی زبان کا شاعر تھا اور اس کا کلام محفوظ ہے مگر اس کی شہرت کا دارومدار "مفتاح العلوم" پر ہے جو اہل علم کی رائے میں علمِ معانی کے موضوع پر لکھی گئی جملہ کتابوں میں جامع ترین ہے "مفتاح العلوم" دوبار طبع ہو چکی ہے مکمل مخطوطات بہت کم ملتے ہیں۔

کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔ علم الصرف، علم النحو، اور علم البیان والمعانی کتاب میں موضوعات کا حق ادا کیا گیا ہے مگر ترتیب اس قدر غلط ہے کہ "مفتاح العلوم" طلبہ میں مقبول نہ ہو سکی۔ اس کے علاوہ سکاکی کی زبان نہایت مشکل ہے۔ فقرات طویل اور تراکیب نامانوس ہیں۔

کتاب کے تیسرے حصے کا خلاصہ محمد بن عبدالرحمان قزوینی (م ۱۳۲۸ھ) نے "التلخیص المفتاح" کے نام سے کیا اور "التلخیص" اس موضوع پر حرفِ آخر بن گئی جس کی شروح و حواشی بکثرت لکھے گئے

مؤلف "پنج گنج"

"پنج گنج" کا مؤلف معلوم نہیں ہو سکا۔ ابوانوف کی تحقیق یہ ہے۔
"تمام معلوم نسخوں میں سے کسی ایک میں بھی مؤلف کا نام مذکور نہیں" [۱]

---

[۱] فہرست مخطوطات ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ص : ۹۳ ۔

مؤلف "میزان الصرف"

"میزان الصرف" جس قدر متداول ہے اِسی قدر اِس کا مؤلف گمنام ہے۔ کتاب کی شرحیں بھی ملتی ہیں مگر شارحین بھی مؤلف کے بارے میں خاموش ہیں۔ بعض شارحین بھی اصل مؤلف کی طرح گمنام ہیں۔ ایوانوف "شرح میزان فی علم الصرف" کے تعارف میں لکھتے ہیں۔

"مؤلف اور شارح دونوں کا نام مذکور نہیں"[1]

ایک دوسرے فہرست نگار لکھتے ہیں۔

"از مؤلف گمنام این نسخہ کہ ناقص است فقط چہار باب دارد و بگمانِ غالب در قرنِ نہم ہجری تالیف شدہ"[2]

البتہ "میزان الصرف" کے مؤلف، جناب حافظ نذر احمد صاحب کے بقول سراج الدین اودھی ہیں۔[3]

---

[1] فہرست مخطوطات۔ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۲: ۶۸۹۔

[2] فہرست مخطوطاتِ شیرانی ج دوم ۲: ۶۱۳۔ [3] جائزہ مدارس عربیہ پاکستان ۴: ۵۵۔

کتابیات

اُردو

۱- آبِ حیات	محمد حسین آزاد	لاہور (۱۹۵۷ء)
۲- آثارِ خیر	محمد سعید احمد مارہروی	آگرہ (۱۳۲۳ھ)
۳- آئمہ تلبیس	ابوالقاسم رفیق دلاوری	لاہور (۱۹۷۵ء)
۴- آئینہ حقیقت نما	اکبر شاہ خان نجیب آبادی	کراچی (۱۹۵۸ء)
۵- احمد معمار لاہوری	محمد عبداللہ چغتائی	لاہور (۱۹۵۷ء)
۶- اکمل التاریخ (جلد اول)	محمد یعقوب ضیا قادری	بدایوں (۱۳۳۳ھ)
۷- انفاس العارفین (ترجمہ)	شاہ ولی اللہ	لاہور (۱۹۷۴ء)
۸- ایک نادر روزنامچہ	سید مظہر علی سندیلوی	لکھنؤ (۱۹۵۴ء)
۹- ۱۸۵۷ء کے مجاہد	غلام رسول مہر	لاہور (۱۹۶۰ء)
۱۰- باغی ہندوستان (الثورۃ الہندیہ)	عبدالشاہد خان شروانی	بجنور (۱۹۴۷ء)
۱۱- بحر العلوم	محمد یوسف کوکن عمری	مدراس (س-ن)
۱۲- بزمِ تیموریہ	صباح الدین عبدالرحمان	اعظم گڑھ (۱۹۴۸ء)
۱۳- بستان المحدثین (ترجمہ)	شاہ عبدالعزیز مترجمہ عبدالسمیع دیوبندی	کراچی (۱۹۵۸ء)
۱۴- البیان فی علوم القرآن	عبدالحق حقانی	
۱۵- تاریخ ادبیاتِ ایران (ترجمہ)	رضازادہ شفق ترجمہ رفعت	دہلی
۱۶- تاریخ بخارا	آرمینیس ویمبرے ترجمہ نفیس الدین احمد	لاہور (۱۹۵۹ء)
۱۷- تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم	ابوالحسن علی ندوی	لکھنؤ

۱۸۔ تاریخ شیراز ہند جونپور	سید اقبال حسین	جونپور (۱۹۶۳ء)
۱۹۔ تاریخ مدرسہ عالیہ (حصہ دوم)	عبدالستار	ڈھاکہ (۱۹۵۹ء)
۲۰۔ تاریخ مشائخ چشت	خلیق نظامی	دہلی (۱۹۵۳ء)
۲۱۔ تذکرۃ الاعزاز	ازہر ابن انور شاہ	دیوبند (۱۹۵۳ء)
۲۲۔ تذکرہ اہل دہلی	سر سید احمد خان / مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی	کراچی (۱۹۵۵ء)
۲۳۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ	مناظر احسن گیلانی	کراچی (۱۹۵۹ء)
۲۴۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل	عنایت اللہ فرنگی محل	لکھنؤ (۱۳۴۹ھ)
۲۵۔ تذکرہ غوثیہ	گل حسن شاہ	
۲۶۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری	محمد علی حیدر	لکھنؤ (۱۹۲۷ء)
۲۷۔ تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ)	رحمان علی / ترجمہ محمد ایوب قادری	کراچی (۱۹۶۱ء)
۲۸۔ تلامذہ غالب	مالک رام	نکودر (س۔ن)
۲۹۔ تواریخ حبیب اللہ	عنایت احمد کاکوروی	کراچی
۳۰۔ جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان	حافظ نذر احمد	لائل پور (۱۹۶۰ء)
۳۱۔ حقیقت رامپور	ضیاء الحق	بدایوں (۱۹۴۰ء)
۳۲۔ حکمائے اسلام جلد دوم	عبدالسلام ندوی	اعظم گڑھ
۳۳۔ حیات امام طحاوی	سید فخر الحسن	دیوبند (س۔ن)
۳۴۔ حیات جامی	محمد اسلم جیراجپوری	دہلی (س۔ن)
۳۵۔ حیات شبلی	سید سلیمان ندوی	اعظم گڑھ (۱۹۴۳ء)
۳۶۔ حیات غوث الاعظم	سید محمد اشرفی	کچھوچھا شریف (۱۹۶۴ء)
۳۷۔ حیات وحید الزماں	محمد عبدالحلیم چشتی	کراچی (۱۹۵۷ء)

۳۸۔ حیاتِ ولی	رحیم بخش دہلوی	لاہور (۱۹۵۵ء)
۳۹۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول	غلام سرور لاہوری / ترجمہ مفتی محمود عالم و اقبال احمد فاروقی	لاہور (۱۹۷۲ء)
۴۰۔ دائرہ معارف اسلامیہ		لاہور
۴۱۔ رودِ کوثر	شیخ محمد اکرام	لاہور (۱۹۵۸ء)
۴۲۔ الروض الازہر فی مآثر القلندر	تقی علی قلندر	رامپور (۱۳۲۶ھ)
۴۳۔ سفینۃ الاولیاء (ترجمہ)	دارا شکوہ / ترجمہ محمد علی لطفی	کراچی (۱۹۵۹ء)
۴۴۔ سیر الاحناف	سید ابو محمد کاوش ندوی	بجنور (۱۹۳۱ء)
۴۵۔ سیرت البخاری	محمد عبد السلام مبارک پوری	لاہور (۱۹۶۸ء)
۴۶۔ سیرِ علماء	عبد الحلیم شررؔ	لکھنؤ (۱۹۳۰ء)
۴۷۔ صدر یار جنگ	شمس تبریز خان	لکھنؤ (۱۹۷۲ء)
۴۸۔ علمائے حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں	انتظام اللہ شہابی	دہلی (س۔ن)
۴۹۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی	محمد میاں	دہلی (۱۹۴۲ء)
۵۰۔ الغزالی	شبلی نعمانی	لاہور (۱۹۵۸ء)
۵۱۔ الفہرست	ابن ندیم الوراق / ترجمہ محمد اسحٰق بھٹی	لاہور (۱۹۶۹ء)
۵۲۔ فہرست کتب خانہ ریاست رامپور	احمد علی شوق	رامپور (۱۹۲۸ء)
۵۳۔ قاموس المشاہیر	نظامی بدایونی	بدایون (۱۹۲۴ء)
۵۴۔ قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں کے علمی کارنامے	عبد الرحمان	دہلی (۱۹۵۰ء)
۵۵۔ قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب	ذوالفقار احمد بھوپالی	آگرہ (۱۹۲۶ء)
۵۶۔ قیصر التواریخ	کمال الدین حیدر حسینی	لکھنؤ (۱۹۰۷ء)

۵۷۔ لباب المعارف العلمیہ جلد اوّل	عبد الرحیم	آگرہ (۱۹۱۸ء)
جلد دوم	عبد الرحیم	لاہور (۱۳۵۷ھ)
۵۸۔ مآثر الامراء (ترجمہ)	شاہنواز خان / ترجمہ محمد ایوب قادری	لاہور (۱۹۷۲ء)
۵۹۔ مجموعہ وصایا اربعہ	مرتبہ محمد ایوب قادری	حیدرآباد (۱۹۶۶ء)
۶۰۔ محمد احسن نانوتوی	محمد ایوب قادری	کراچی (۱۹۶۶ء)
۶۱۔ مشاہیر اسلام (جلد اوّل)	عبد الغفور رامپوری	آگرہ (۱۳۲۷ھ)
۶۲۔ مشاہیر اُمت	قاری محمد طیّب	دیوبند (۱۹۳۳ء)
۶۳۔ مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں	محمد عمران خان	اعظم گڑھ (س۔ن)
۶۴۔ مفید المفتی	عبد الاوّل جونپوری	لکھنؤ (۱۳۲۶ھ)
۶۵۔ مقالات دینی و علمی	مولوی محمد شفیع	لاہور (س۔ن)
۶۶۔ مقالاتِ شبلی (حصہ سوم)	شبلی نعمانی	اعظم گڑھ (۱۹۵۵ء)
۶۷۔ مقالاتِ عرشی	امتیاز علی عرشی	لاہور (۱۹۷۰ء)
۶۸۔ مقالات مولوی محمد شفیع (جلد چہارم)	مولوی محمد شفیع	لاہور (۱۹۷۲ء)
۶۹۔ مکاتیبِ ابوالاعلیٰ جلد دوم	مرتبہ عاصم نعمانی	لاہور (۱۹۷۳ء)
۷۰۔ مکاتیب غالب	مرتبہ امتیاز علی عرشی	بمبئی (۱۹۳۷ء)
۷۱۔ ملفوظاتِ عزیزی	ترجمہ انتظام اللہ شہابی و محمد علی لطفی	کراچی (۱۹۶۰ء)
۷۲۔ نذرِ عرشی	مرتبہ مالک رام و مختار الدین احمد	دہلی (۱۹۶۵ء)
۷۳۔ نزہت الخواطر (ترجمہ) جلد دوم	سید عبد الحیٔ / ترجمہ ابو یحییٰ امام خان	لاہور (۱۹۵۰ء)
۷۴۔ وقائع عبد القادر خانی	مرتبہ محمد ایوب قادری	کراچی (۱۹۶۱ء)
۷۵۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں	ابوالحسنات ندوی	اعظم گڑھ (۱۹۳۶ء)

۷۶۔ ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر	صباح الدین عبدالرحمان	اعظم گڑھ (۱۹۶۴ء)
۷۷۔ یادگارِ غالب	الطاف حسین حالی	لاہور (س۔ن)

عربی

۱۔ آثار الاول من علماء فرنگی محل	عبدالباری فرنگی محلی	لکھنؤ (س۔ن)
۲۔ اختلاف الفقہا	ابو جعفر احمد طحاوی / مرتبہ صغیر حسن معصومی،	اسلام آباد
۳۔ اعلام	خیر الدین زرکلی	بیروت
۴۔ اکتفا القنوع بما ہو مطبوع	اڈورڈ فنڈیک	قاہرہ (۱۸۹۶ء)
۵۔ تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ذہبی۔	
۶۔ حسن المحاضرہ جلد اوّل	جلال الدین سیوطی	قاہرہ
۷۔ دیوان متنبّی	احمد بن حسین الکندی (المتنبّی)	لاہور
۸۔ سبحۃ المرجان	غلام علی آزاد بلگرامی	بمبئی (۱۳۰۳ھ)
۹۔ شرح سلم العلوم	قاضی محمد مبارک	
۱۰۔ شرح سلم العلوم	احمد عبدالحق	
۱۱۔ الشقائق النعمانیہ	طاش کبری زادہ	قاہرہ (۱۳۱۰ھ)
۱۲۔ طبقات الشافعیہ	تاج الدین سبکی	قاہرہ (۱۳۲۴ھ)
۱۳۔ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ	عبدالحئی لکھنوی	قاہرہ (۱۳۲۴ھ)
۱۴۔ کشف الظنون	حاجی خلیفہ چلپی	استانبول (۱۳۶۰ھ)
۱۵۔ نزہۃ الخواطر جلد ششم	سیّد عبدالحئی رائے بریلوی	حیدرآباد (۱۹۵۰ء)
۱۶۔ نور الانوار	ملّا احمد جیون	کراچی

۱۷- وفیات الاعیان	ابن خلکان	

فارسی

۱- اتحاف النبلاء	نواب صدیق حسن خان	بھوپال
۲- اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	دہلی (۱۳۲۳ھ)
۳- تذکرہ علمائے ہند	رحمان علی	لکھنؤ (۱۹۱۴ء)
۴- تراجم الفضلاء	فضل امام خیرآبادی مرتبہ انتظام اللہ شہابی	کراچی (۱۹۵۵ء)
۵- خلاصۃ التواریخ (مخطوطہ)	فضل امام خیرآبادی	کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد
۶- رسالۃ الاعجاز (مخطوطہ)	احمد بیگ لاہوری	کتاب خانہ نوشاہیہ ساہن پال گجرات
۷- علم الصیغہ	عنایت احمد کاکوروی	کراچی
۸- عمل صالح جلد سوم	محمد صالح کنبوہ	لاہور (۱۹۷۲ء)
۹- فہرست کتب خانہ دانشکدہ حقوق دانش گاہ تہران	تقی دانش پژوہ	تہران (۱۳۳۹ش)
۱۰- فہرست مخطوطات شفیع	ڈاکٹر بشیر حسین	لاہور (۱۹۷۲ء)
۱۱- فہرست مخطوطات شیرانی جلد دوم	" "	لاہور (۱۹۷۱ء)
۱۲- فہرست نسخہ ہای خطی کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد (ج اول)	محمد حسین تسبیحی	راولپنڈی (۱۹۷۲ء)
۱۳- فہرست مشروح بعضی کتب نفیسہ قلمیہ کتب خانہ آصفیہ جلد دوم	سید تصدق حسین	حیدرآباد (۱۳۵۷ھ)

۱۴۔ اللوائح — عبدالرحمان جامی/مرتبہ محمد حسین تسبیحی — تہران (۱۳۴۲ھ ش)
۱۵۔ مآثر الکرام — غلام علی آزاد بلگرامی — آگرہ (۱۹۱۰ء)
۱۶۔ مجالس المومنین — نوراللہ شوستری — تہران

رسائل

۱۔ اقبال ریویو (کراچی) جولائی ۱۹۶۵ء
۲۔ برگِ گل (کراچی) تعلیمی پالیسی نمبر (۱۹۷۵ء)
۳۔ تاریخ وسیاسیات (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۱
۴۔ تحریک (دہلی) اگست ۱۹۵۷ء
۵۔ الرحیم (حیدرآباد) جلد ۴، شمارہ ۱۱
۶۔ الزبیر (بہاول پور) کتب خانہ نمبر
۷۔ العلم (کراچی) جنوری تا مارچ ۷۲ ۱۹ء
۸۔ فاران (کراچی) مئی ۱۹۵۳ء
۹۔ الفرقان (لکھنؤ) ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ محرم ۱۳۹۵ھ
۱۰۔ معارف (اعظم گڑھ) جلد ۷۵، شمارہ ۳
جلد ۶۸، شمارہ ۳
جلد ۶۹، شمارہ ۳
جلد ۹۳، شمارہ ۳
جلد ۹۵، شمارہ ۲ تا ۶

تکملہ

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے "تذکرہ مصنفین درسِ نظامی" کو قبولِ عام بخشا۔ بعض اہلِ علم نے مشورہ دیا کہ "وفاق المدارس العربیہ پاکستان"، "تنظیم المدارس پاکستان" اور "وحدۃ مدارس السلفیہ پاکستان" نے اپنے نصابوں میں جن کتابوں کا اضافہ کیا ہے اُن کے مصنفین کے حالات بھی کتاب میں شامل ہونے چاہئیں۔ چنانچہ نصابات کا جائزہ لینے سے محسوس ہوا کہ درسِ نظامی کے سولہ ۱۶ علوم میں سے دس ۱۰ میں حسب ذیل کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۔ صرف (عربی)	علم الصرف	مشتاق احمد چرتھاولی
۲۔ نحو (عربی)	علم النحو	مشتاق احمد چرتھاولی
	النحو الواضح	علی الجارم
	الفیہ	ابن مالک
	شرح الفیہ	ابن عقیل
۳۔ منطق	تیسیر المنطق	عبداللہ گنگوہی
۴۔ فقہ	تاسیس النظر	عبداللہ بن عمر دبوسی
	رسم المفتی	ابن عابدین شامی
	کتاب الخراج	یحیٰی بن آدم
	بدایۃ المجتہد	ابن رشد

۵۔ عقائد و کلام	رسالہ حمیدیہ	حسین الجسر
	عقائد المرام	
۶۔ اصولِ تفسیر	مقدمہ فی اصول التفسیر	ابن تیمیہ
	الاتقان فی علومِ القرآن	جلال الدین سیوطی
۷۔ حدیث	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابن حجر عسقلانی
	مؤطا امام مالک	مالک بن انس
	مؤطا امام محمد	محمد بن حسن شیبانی
۸۔ اصولِ حدیث	کوثر النبی	عبد العزیز پرہاروی
	مدارج طبقات الحدیث	احمد رضا خان بریلوی
	الفضل الموہبی	احمد رضا خان بریلوی
۹۔ ادب	روضۃ الادب	مشتاق احمد چرتھاول
	القراۃ الرشیدہ	علی عمر
	طریقۃ جدیدہ	محمد امین مصری
	القراۃ الراشدہ	سید ابو الحسن علی ندوی
	مختارات من ادب العرب	سید ابو الحسن علی ندوی
	قصیدہ بُردہ	محمد بن سعید بوصیری
۱۰۔ عروض	الکافی فی العروض والقوافی	
	محیط الدائرہ	کرنیلیو فنڈیک

متذکرۃ الصدر کتب میں سے بعض کے مؤلفین کے حالات کتاب میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔ باقی مصنفین کے حالات الف بائی ترتیب سے درج کئے جا رہے ہیں۔

نصابات کے جائزے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تاریخ، جغرافیہ اور اخلاقیات کے موضوعات پر بھی چند کتابیں نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ جن کے مؤلفین کے حالات بآسانی دستیاب ہیں اس لئے انہیں نظرانداز کردیا گیا ہے

اختر راہی

۲۴ ربیع الاخری ۱۴۰۲ھ

ابنِ تیمیہ

تقی الدین ابو العباس احمد بن شیخ شہاب الدین عبدالحلیم بن شیخ عبدالسلام بن ابی محمد عبداللہ بن ابی القاسم الخضر بن محمد بن خضر بن عبداللہ ابنِ تیمیہؒ ۱۰ ربیع الاولیٰ ۶۶۱ھ/ ۲۲ جنوری ۱۲۶۳ء کو حرّان میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے اصل نام کے بجائے اپنی کنیت "ابنِ تیمیہؒ" سے مشہور ہوئے۔ اس کنیت کے بارے میں قابلِ استناد روایت یہ ہے کہ تیمیہ اُن کی دادی تھیں جو سات پُشت پہلے گزری تھیں۔ وہ اپنے دور کی بہت بڑی عالمہ اور عابدہ وزاہدہ تھیں۔ اُن کی اولاد میں ہر فرد "ابن تیمیہ" کہلاتا رہا یعنی "ابن تیمیہ" خاندانی کنیت تھی۔

امام ابن تیمیہؒ کے خاندان میں علم وفضل اور زہد وعبادت کی روایت چلی آ رہی تھی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے خاندان میں حاصل کی۔ سات سال کے تھے کہ اُن کا خاندان حرّان سے ترکِ سکونت کر کے دمشق چلا گیا۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے مشاہیرِ وقت سے استفادہ کیا۔ اُن کے شیوخ کی تعداد دو سو سے زائد ہے جن میں شیخ شمس الدین حنبلی، شیخ زین الدین بن المنجیؒ اور ابن ابی الیسر کے نام نمایاں ہیں۔

امام ابنِ تیمیہؒ کا عنفوانِ شباب تھا کہ اُن کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی۔ سترہ برس کی عمر میں افتاء وتصنیف شروع کی اور اکیس سال کی عمر میں مسندِ درس کو زینت دی۔ امام ابن تیمیہؒ فلسفۂ وحدت الوجود کے شدید مخالف تھے اور شیخ اکبر ابن عربی پر سخت الفاظ میں تنقید کرتے تھے۔ وہ آئمہ اربعہ کے مقلد نہیں تھے اور بعض مسائل میں منفرد رائے رکھتے تھے۔ انہوں نے تجدید واحیائے دین کی خدمت

انجام دیتے ہوئے معاصر مذہبی طبقے پر بھی تنقید کی۔ یہی سبب تھا کہ انہیں طرح طرح کے مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

امام ابنِ تیمیہؒ کے مصائب کا سلسلہ ۶۹۵ھ سے شروع ہوا اور اُن کے دمِ واپسیں تک جاری رہا۔ اُن پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ اُنہیں برس ہا برس قید خانوں میں محبوس رکھا گیا۔ عوام کی نگاہ میں بے وقعت بنانے کی خاطر کیا کیا الزامات نہ لگائے گئے۔ مخالفین کی ضد کا یہ عالم تھا کہ جیل میں انہیں قلم و دوات سے محروم کر دیا گیا تاکہ اُن کے خیالات تحریری شکل میں بھی لوگوں تک نہ پہنچ سکیں۔ اُنہوں نے قلم و دوات سے محرومی کے بعد کوئلے سے لکھنا شروع کیا۔ کوئلے سے لکھا ہوا اُن کا ایک خط دستیاب ہوا تھا۔ جس میں انہوں نے لکھا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں اللہ کی عنایت سے بہت خوش ہوں۔ اللہ جو کچھ کرتا ہے نصرتِ اسلام کے لئے کرتا ہے۔ اسلامی عظمت دُنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ نے رسول کو اعلیٰ ذکر کے لئے بھیجا اور شیطان کی کوشش یہ ہے کہ وہ اپنے عساکر سے اسلامی شوکت پر ڈاکے ڈالے۔ ازل سے یہ الٰہی سُنت چلی آتی ہے کہ وہ حمایتِ حق کے لئے ایسے افراد کو انتخاب کرتا ہے کہ جو کاشانۂ باطل پر آگ برساتے ہیں۔ ابلیس نے صرف دین اسلام کی مخالفت نہیں کی بلکہ تمام ادیان و ملل و انبیاء و رسل کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں۔

مجھ پر میرے مخالفین نے مختلف الزامات لگائے لیکن اللہ نے انہیں ذلیل کیا۔ مجھے بدعتی کہا گیا ہے حالانکہ معاملہ اُلٹا ہے۔ کتاب و سنت کے علم کے بعد وہی شخص بدعتی رہ سکتا ہے کہ جسے ہوس دَم نہ لینے دے

اور جو اہواءِ انسانی کا پرستار ہو۔

......[1] اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے جہاد کا موقعہ دیا اور میں نے حسبِ مقدور باطل کی قلعی کھولی[2]"

امام ابن تیمیہؒ نہ صرف صاحبِ قلم تھے بلکہ انہوں نے میدانِ جہاد میں تلوار بھی چلائی۔ ۶۹۹ھ میں اُنہوں نے غازان کے حملے کو روکا۔ جب تاتاری دمشق پر حملہ آور ہوئے اور فوج بھاگ گئی تو امام ابن تیمیہؒ ہی تھے جنہوں نے فوج کو غیرت دلائی اور اس کے ساتھ خود میدانِ جنگ میں آئے۔ اس کے بعد چند سال جہاد میں مشغول رہے۔

امام ابن تیمیہؒ سنتِ یوسفی ادا کر رہے تھے کہ کچھ اوپر بیس روز بیمار رہ کر ۲۰ ذی قعدہ ۷۲۸ھ/ ۲۷ ستمبر ۱۳۲۸ء کو فوت ہوئے اور مقبرہ صوفیہ میں مدفون ہوئے۔ اُن کے جنازہ میں دو لاکھ افراد نے شرکت کی تھی۔

امام ابن تیمیہؒ زبردست خطیب، شاعر، سریع القلم مؤلف اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ اُن سے تاریخ ساز کتب یادگار ہیں۔ کتابوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ "فوات الوفیات" میں ایک سو باسٹھ کتابوں کی فہرست دی گئی ہے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف نے امام ابن تیمیہؒ کی تصنیفات کی فہرست تیار کی ہے[3] جس میں قرآن، حدیث، فقہ، عقائد، اخلاق و تصوف، فلسفہ و منطق اور متفرق موضوعات پر ۵۹۱ کتابیں شمار کی ہیں۔

اگرچہ امام ابن تیمیہؒ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ قید و بند میں گزرا۔ اِس کے باوجود اُن کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں علامہ ابن قیمؒ اور علامہ ابنِ کثیر جیسے یادگارِ زمانہ عالم شامل ہیں۔

---

[1] اس جگہ امام ابنِ تیمیہؒ کی عبارت پڑھی نہ جا سکی۔ سوانح امام ابن تیمیہؒ ص ۱۱۷

[2] ایضاً ص ۱۱۶-۱۱۷ [3] دیکھئے۔ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ۸۰۸-۸۳۴ ص

ابنِ رُشد

ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رُشد ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں سپین کے شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے خاندان کے بزرگ "رُشدؔ" کی نسبت سے ابنِ رشد کے نام سے معروف ہوئے۔ اُن کے خاندان میں نسل در نسل علم وفن کی روایت چلی آرہی تھی۔ اُن کے دادا اور والدِ ماجد قرطبہ کے قاضی اور جامع مسجد کے خطیب تھے۔

ابن رشد کی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیا گیا۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد سے قرآن مجید اور حدیث کی کتاب مؤطا حفظ کی۔ اس کے بعد ابوالقاسم بن بشکوال، ابوبکر بن سمحون، ابوجعفر بن عبدالعزیز اور ابو عبداللہ مازری سے علم حدیث کی تکمیل کی، فقہ کے لئے ابومحمد بن رزق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فلسفہ ابن باجہ اور ابوجعفر بن ہارون الرجالی جیسے اساتذۂ وقت سے پڑھا۔

ابن رشد کو اپنے ہم سبق ساتھی ابن طفیل (م ۵۷۸ھ) کے توسط سے ابویعقوب یوسف الموحد کے دربار میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ ابن طفیل کی رحلت کے بعد ابویعقوب یوسف نے انہیں مراکش بلالیا اور درباری طبیب مقرر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ خود ابن طفیل نے شاہ سے کہا تھا کہ اُس کی جگہ صرف ابن رُشد ہی پُر کر سکتا ہے۔

ابن رُشد پہلے اشبیلیہ اور پھر قرطبہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ اُنہوں نے قاضی کی حیثیت سے کسی خاص امام کی تقلید کو ضروری خیال نہیں کیا اُنہوں نے قرآن و سنت اور فقہاء کے نظائر کی روشنی میں فیصلے کئے۔

ہر صاحبِ کمال کے حاسد ہوتے ہیں۔ ابن رشد پر بے دینی اور الحاد پھیلانے کا

الزام لگایا گیا اور اُن کی فلسفیانہ کتابوں کو تلف کر دینے کے فتوے دیئے گئے۔ چنانچہ یعقوب المنصور نے انہیں قرطبہ کے قریب "لوسینا" میں جلاوطن کر دیا۔ جلاوطنی کا زمانہ ابنِ رشد نے کس مپرسی کے عالم میں گزارا آخر یعقوب المنصور پر واضح ہوگیا کہ ابن رُشد کے خلاف مہم میں حاسدوں کی ذاتی اغراض شامل ہیں چنانچہ ابن رشد رہا کر دیئے گئے مگر وہ رہائی کے ایک سال بعد ہی ۹ صفر ۵۹۵ھ/۱۰۔ دسمبر ۱۱۹۸ء کو مراکش میں فوت ہوگئے۔

ابن رشد بیک وقت ممتاز عالم دین، طبیب، ہیئت دان تھے۔ اُنہوں نے یونانی مفکروں کی کتابوں کی تشریح و توضیح میں بڑا نام پایا۔ مختلف موضوعات پر ابن رشد کی ۵۲ کتابیں اصل یا تراجم کی شکل میں موجود ہیں۔ اہم کتب یہ ہیں۔

۱۔ بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد (فقہ)

۲۔ تہافۃ التہافۃ الفلاسفہ (فلسفہ) امام غزالیؒ کی تہافۃ الفلاسفہ کا جواب ہے۔

۳۔ فصل المقال۔ مذہب اور فلسفہ کی تطبیق کے موضوع پر ہے۔

۴۔ الکلیات (طب)

ابنِ عابدین شامی

سید محمد امین بن عمر، معروف بہ ابن عابدین شام کے حنفی فقہاء میں سے ہیں۔ بلند پایہ عالم، محدّث اور محقق تھے۔ عام روایت کے مطابق ۱۲۶۰ھ/۴۴-۱۸۴۳ء میں فوت ہوئے مگر مفید المفتی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ "تحقیق یہ ہے کہ ۱۲۵۲ ہجری میں اُن کی وفات ہوئی"۔

ابن عابدین شامی سے کئی کتابیں یادگار رہیں۔ معروف ترین یہ ہیں:-

۱۔ ردالمحتار حاشیہ درالمختار

شمس الدین، محمد بن عبداللہ الغزی (م ۱۰۰۴ھ) نے فقہ حنفی میں "تنویر الابصار" (تالیف ۹۹۵ھ) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ تنویر الابصار کی مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں۔ خود مؤلف نے ایک شرح "منح الغفار" لکھی۔ محمد علاء الدین حصکفی (م ۱۰۸۸ھ) نے شرح بہ نام "درالمختار" لکھی۔

ابن عابدین شامی نے "درالمختار" کی ضخیم شرح "الردالمختار" کے نام سے پانچ جلدوں میں لکھی یہ کتاب علمائے احناف میں متداول ہے۔ شارح نے فقہی جزئیات میں جس دقیقہ رسی کا ثبوت دیا ہے بہت کم کتابوں میں یہ خوبی موجود ہے۔

ابن عابدین کی باقی کتابوں میں سے حسب ذیل معروف ہیں۔

۱۔ رسائل ابن عابدین۔

مختلف موضوعات پر چند رسائل ہیں۔ ان میں سے ایک رسالہ "رسم المفتی" ہے جو بعض مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ اس رسالے میں علامہ شامی نے فقہا کے طبقات،

فقہی کتابوں کے مدارج اور فتویٰ نویسی کے اصول وضوابط پر جامعیت سے بحث کی ہے۔

یہ رسالہ فتویٰ نویسی کے اصولوں پر عمدہ تحریر ہے۔

۲۔ الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی۔

۳۔ شفاء العلیل فی حکم الوصیت بالختمات والبقالیل

۴۔ تکملہ ردمختار

ابنِ عقیل

بہاؤالدین عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن محمد، حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے۔ اسی نسبت سے "ابنِ عقیل" کی کنیت سے معروف ہوئے۔ اُن کے اسلاف "ہمدان" یا "آمد" میں مقیم تھے۔ وہیں سے اس خاندان کے افراد مختلف علاقوں میں پھیلے۔ ابن عقیل کے والدین قاہرہ (مصر) میں مقیم تھے۔ وہیں ۶۹۴ھ/۹۵-۱۲۹۴ء میں ابنِ عقیل پیدا ہوئے۔

ابنِ عقیل بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ زبان میں لکنت تھی۔ اپنے علم و فضل کے سبب علم نحو کے آئمہ میں شمار ہوتے تھے۔ تشنگانِ علم کا ایک مجمع اُن کے ہاں لگا رہتا تھا۔ وہ طلبہ سے نہایت اچھا سلوک کرتے تھے۔ اُنہیں مالی امداد بھی دیتے تھے۔

ابن عقیل ۷۶۹ھ/۶۸-۱۳۶۷ء میں قاہرہ ہی میں فوت ہوئے۔ اُن کی شہرت ایک نحوی کی حیثیت سے ہے مگر وہ قرآن و سنت پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں :-

۱- التعلیق الوجیز علی الکتاب العزیز (تفسیر قرآن) ابن عقیل اسے مکمل نہ کر سکے۔

۲- الجامع النفیس (فقہ شافعی)

۳- تیسیر الاستعداد لرتبۃ الاجتہاد۔ الجامع النفیس کی تلخیص ہے۔

۴- المساعد فی شرح التسہیل۔

۵- شرح الفیہ ابن مالک۔ ابن مالک کی پیچیدہ اور مشکل منظوم کتاب کی عام فہم اور سلیس شرح ہے۔

ابنِ مالکؒ

ابو عبداللہ جمال الدین محمد بن عبداللہ بن مالک الطائی الشافعی ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء میں اندلس کے جیان نامی ایک مقام پر پیدا ہوئے۔ وہ اندلس سے ترک سکونت کر کے دمشق گئے اور وہیں ۶۷۲ھ/۷۴-۱۲۷۳ء میں فوت ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں علامہ سخاوی (م ۶۴۳ھ) کا نام ملتا ہے۔

ابن مالک علم نحو میں مہارت خصوصی رکھتے تھے اور انہیں شعر کہنے پر ماہرانہ قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے تصنیف و تالیف میں مصروف زندگی گزاری معاشرے میں علم و فضل اور خدا ترسی و تقویٰ شعاری کے باعث عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) کو اُن کا احترام اِس درجہ ملحوظِ خاطر تھا کہ نماز کے بعد مسجد سے گھر تک اُن کی مشایعت کرتے تھے۔

ابن مالک کی حسب ذیل کتابوں کا ذکر "زرکلی" نے کیا ہے۔

۱- الفیہ۔ عواملِ نحو کی منظوم تشریح پر مشتمل ہے۔ چونکہ نظم کے اشعار ایک ہزار ہیں۔ اسی لئے "الفیہ" مشہور ہوئی۔ اشعار مشکل اور بعید الفہم ہیں۔ اسی لئے یہ کتاب مقبول نہ ہو سکی۔

۲- تسہیل الفوائد (مطبوعہ۔ نحو)

۳- الضرب فی معرفت لسان العرب

۴- الکافیۃ الشافیہ (غیر مطبوعہ) تین ہزار اشعار پر مشتمل علم نحو کی کتاب ہے۔

۵- شرح الکافیۃ الشافیہ۔

۶- سبک المنظوم وفک المختوم (غیر مطبوعہ- نحو)

۷- لامیۃ الافعال (مطبوعہ)

۸- عدۃ الحافظ وعمدۃ اللافظ (غیر مطبوعہ) اس کتاب کی شرح بھی مؤلف کے قلم سے ہے۔

۹- ایجاز التعریف (غیر مطبوعہ، صرف)

۱۰- شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح (مطبوعہ)

۱۱- اکمال الاعلام بمثلث الکلام (مطبوعہ)

۱۲- مجموعہ رسائل- دس رسائل کا مجموعہ ہے۔

۱۳- تحفۃ المودود فی المقصور والممدود (منظوم، مطبوعہ)

۱۴- العروض-

۱۵- الاعتضاد فی الفرق بین الظاء والضاد-

ابوالحسن علی ندوی

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی جو علمی حلقوں میں "علی میاں" کے نام سے معروف ہیں۔ ۶ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ / ۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء کو تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ اُن کا نسبی تعلق شہید بالاکوٹ حضرت سیّد احمد شہید (م ۱۲۴۶ھ) کے خانوادے سے ہے۔ اُن کے والدِ ماجد حکیم سید عبدالحئی رائے بریلوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم تھے اور بلند پایہ ادیب اور مؤرخ تھے۔ اردو ادب کا ہر طالب علم "گلِ رعنا" اور عربی دان حلقہ "نزہت الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر" کے حوالے سے حکیم صاحب کے مقام سے آگاہ ہے۔

مولانا علی میاں نے ابتدائی مکتبی تعلیم خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی۔ ابھی نو سال کے تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی پرورش اور تعلیم و تربیت بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی مرحوم کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ علی میاں نے ندوۃ العلماء میں تعلیم پائی۔ ندوہ کے اساتذہ میں سے مولانا حیدر حسن خان اور شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی سے بطورِ خاص استفادہ کیا۔ مؤخر الذکر کی صحبت سے عربی ادب و انشاء کا وہ ذوق پیدا ہوا کہ آج مولانا علی میاں عربی زبان کے ایک بڑے ادیب ہیں اور ان کی تحریریں عالمِ عرب میں اسی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں جیسے اُن کی اردو کتابیں برصغیر میں مقبول ہیں۔ ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہو کر دیوبند گئے اور چند ماہ ٹھہر کر مولانا سیّد حسین احمد مدنی سے استفادہ کیا۔ اُس زمانے میں مولانا احمد علی لاہوری مرحوم کے درسِ قرآن کی شہرت تھی چنانچہ استفادہ علمی کی خاطر لاہور آئے اور دورۂ قرآن میں شریک رہے۔

مولانا علی میاں نے علمی زندگی کا آغاز دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس کی حیثیت سے

کیا اور آج کل ناظم کی حیثیت سے اپنی مادرِ علمی کی خدمت بجا لا رہے ہیں۔ مولانا علی میاں کہنہ مشق ادیب، باشعور مؤرخ اور متبحر عالم دین ہیں۔ اُن کے قلم سے بیسیوں کتابیں اور سینکڑوں مقالات نکل چکے ہیں۔

مولانا علی میاں علمائے سلف کا زندہ نمونہ ہیں۔ وہ خلیق، ملنسار اور اپنے علم و فضل کو سادگی کی چادر میں چھپائے ہوتے ہیں۔ ممتاز اقبال شناس اور ماہر تعلیم ڈاکٹر یوسف حسین خان مرحوم کے الفاظ میں "اِس زمانے میں علماء کی آبرو ہیں"۔

مولانا علی میاں کی اہم اور معروف کتابیں یہ ہیں:۔

تاریخ و سوانح

۱۔ سیرت سید احمد شہیدؒ (جلد اوّل و دوم)

۲۔ کاروانِ ایمان و عزیمت۔ سیرت سید احمد شہیدؒ کا تتمہ و تکملہ ہے۔

۳۔ جب ایمان کی بہار آئی۔ (تحریک جہاد و اصلاح سید احمد شہیدؒ)

۴۔ تاریخ دعوت و عزیمت (چار جلدیں)

۵۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ (عربی اور اُردو)

۶۔ ہندوستانی مسلمان (عربی۔ اُردو)

۷۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش (عربی اور اُردو)

۸۔ حیات عبدالحیٔ (مولانا حکیم سید عبدالحیٔ رائے بریلوی کی مفصل سوانح حیات)

۹۔ ذکرِ خیر۔ مولانا علی میاں کی والدۂ ماجدہ کی سوانح حیات)

۱۰۔ صحبتے با اہلِ دل

۱۱۔ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری

۱۲۔ تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی

۱۳۔ پرانے چراغ مع سینے کے داغ

دینیات

۱۴۔ معرکۂ ایمان و مادیت (تفسیر سورۂ کہف)

۱۵۔ رحمت عالم۔ سیرت بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (دو حصے)

۱۶۔ ارکانِ اربعہ

۱۷۔ منصب نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین

۱۸۔ مولانا محمد الیاس اور اُن کی دینی دعوت

۱۹۔ کاروانِ مدینہ

۲۰۔ مذہب و تمدن

۲۱۔ مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

۲۲۔ قادیانیت

عربی زبان و ادب

۲۳۔ قصص النبیین (چار حصے)

۲۴۔ القراۃ الراشدہ

۲۵۔ مختارات من ادب العرب (دو حصے)

متفرق

۲۶۔ روائع اقبال۔ اردو ترجمہ "نقوشِ اقبال" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

۲۷۔ مکتوبات مولانا محمد الیاسؒ

۲۸۔ مکاتیب یورپ

۲۹۔ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

ان کے علاوہ مولانا علی میاں کی گئی تقاریر، مضامین اور خطوط رسائل اور پمفلٹوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا علی میاں نے کئی بار عالمِ اسلام کا دورہ کیا ہے۔ وہ عالمِ اسلام کے کئی تعلیمی اور علمی اداروں سے وابستہ ہیں۔ بھارت میں دارالمصنّفین اعظم گڑھ کے رُکن ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ میں شامل ہیں۔ المجمع العلمی دمشق، مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ، مجلس انتظامی اسلامک سنٹر جنیوا اور موتمر عالم اسلامی بیروت کی مجلس عاملہ کے رُکن ہیں۔ ان کی علمی اور دینی خدمات کے پیشِ نظر ۱۳۹۹ھ کے "فیصل ایوارڈ" کی نصف رقم انہیں دی گئی ہے۔

احمد رضا خاں بریلوی

مولانا احمد رضا خان بن مولوی نقی علی خان ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "المختار" ہے۔ نسباً پٹھان تھے۔ انہوں نے علوم مروجہ کی تحصیل اپنے والدِ ماجد اور دوسرے اہلِ علم سے کی۔ اُن کے اساتذہ میں مرزا غلام قادر بیگ بریلوی، مولانا عبدالعلی رامپوری (م ۱۲۹۷ھ) اور شاہ ابوالحسن نوری میاں مارہروی (م ۱۳۲۴ھ) کے نام نمایاں ہیں۔ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں شاہ آلِ رسول مارہروی کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی اور اُن سے سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کی نیز سندِ حدیث سے سرفراز ہوئے۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں اپنے والدِ ماجد کے ہمراہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے ارضِ حجاز گئے اور حرمین کے علماء سے اسناد حاصل کیں۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی ذہین اور طباع عالم تھے۔ انہوں نے جفر، نجوم، ہیئت اور ریاضی جیسے علوم میں بھی خصوصی دلچسپی لی اور ان علوم میں تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔ علومِ دینیہ میں فقہی کتابوں پر اُن کا استحضار اور مسائل کی جزئیات پر اُن کی نظر اپنی مثال آپ تھی۔ اِس کا ثبوت "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" کی مجلدات سے ملتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں فارسی، عربی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ انہوں نے محبت اور عقیدت سے بھرپور نعتیں کہی ہیں اور انہیں اپنی نعت گوئی پر فخر تھا۔ خود کہتے ہیں:۔

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رسا کی قسم

مولانا موصوف تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اُن کی اکثر تصنیفات کے نام تاریخی ہیں نیز اُن کی منظومات میں کئی تاریخی قطعات ہیں۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو بریلی میں فوت ہوئے۔

مولانا احمد رضا خان کثیر التصانیف عالم تھے۔[1] اُن کی چند اہم کتابیں یہ ہیں:۔

۱۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن

۲۔ مدارج طبقات الحدیث

۳۔ الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی

۴۔ العطایا النبویہ فی الفتاوٰی الرضویہ۔ بارہ جلدوں میں ہے پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

۵۔ اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام

۶۔ جد الممتاز۔ حاشیہ رد المختار

۷۔ حسام الحرمین

۸۔ شرح قصیدہ غوثیہ (فارسی)

۹۔ حدائقِ بخشش (نعتیہ دیوان)

---

[1] مکمل فہرستِ تصانیف کے لئے دیکھئے: ظفر الدین۔ المجمل المعدد لتالیفات المجدد

حسین آفندی الجسرؒ

حسین بن محمد بن مصطفیٰ الجسرؒ طرابلس الشام میں ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان۔ آل الجسرؒ میں علم و ادب کی روایت کافی مستحکم تھی۔ حسین بن محمد نے ابتدائی تعلیم وطنِ مالوف میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۲۷۹ھ/۶۳-۱۸۶۲ء میں جامعہ ازہر میں داخل ہوئے۔ پانچ سال زیرِ تعلیم رہ کر وطن واپس گئے۔

حسین بن محمد نے پوری زندگی عربی زبان و ادب کی خدمت میں گزاری۔ ان کی ادارت میں رسالہ "طرابلس" شائع ہوتا رہا۔ وہ ایک صحافی، ادیب، شاعر اور صاحبِ نظر عالم کی حیثیت سے معروف تھے۔ رجب ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں اپنے وطنِ مالوف میں فوت ہوئے۔

حسین بن محمد کی تصنیفات یہ ہیں۔

۱۔ الرسالۃ الحمیدیہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیہ و حقیقۃ الشریعۃ المحمدیہ (عقائد)

۲۔ الحصون الحمیدیہ (عقائد)

۳۔ نزہت الفکر۔ مؤلف نے اپنے والد محمد بن مصطفیٰ الجسرؒ کے حالات میں یہ کتاب لکھی ہے۔

۴۔ اشارات الطاعت فی حکم صلاۃ الجماعت

۵۔ ریاض طرابلس الشام۔ مقالات کا مجموعہ ہے۔

۶۔ الکواکب الدریہ فی فنون الادبیہ

عبدالعزیز پرہاروی

ابو عبدالرحمٰن عبدالعزیز بن احمد بن حامد قریشی تقریباً ۱۲۰۹ھ/۹۵-۱۷۹۴ء میں کوٹ ادو کی مضافاتی بستی بڑھیاراں میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد ملتان آکر خواجہ حافظ محمد جمال چشتی سے اکتسابِ فیض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فہم و ذکا کا وافر حصہ عطا کیا تھا۔ سالوں کا کام ہفتوں میں کر لیتے تھے۔ قلم میں اس قدر روانی تھی کہ یوسف زلیخا (جامیؒ) کی نقل (جس سے دو جزو کم تھے) ایک دن میں تیار کر لی۔

مولانا عبدالعزیز علوم دینیہ پر گہری نظر رکھنے والے عالم تھے اور فنِ طب اُن کا ذریعہ معاش تھا۔ نہایت خود دار اور متوکل علی اللہ عالم تھے۔ ایک بار ملتان کے حاکم مظفر خان نے انہیں علاج کی غرض سے طلب کیا مگر انہوں نے فقراء کے طرزِ عمل کے مطابق دربار میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔

خواجہ حافظ محمد جمال چشتیؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ تیس سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ/۲۴-۱۸۲۳ء میں وفات پائی۔ انہوں نے تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، منطق، طب اور فلکیات کے موضوعات پر گراں قدر کتابیں یادگار چھوڑی ہیں[1] جن میں سے بعض طبع ہو چکی ہیں۔ کتابیں یہ ہیں :-

ا۔ نبراس۔ شرح لشرح العقائد

متداول اور معروف کتاب ہے۔ پہلی بار ۱۳۱۸ھ میں ملتان سے شائع ہوئی۔ برصغیر کے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اختر راہی۔ تذکرہ علمائے پنجاب

معروف عالم مولانا مناظر احسن گیلانی اپنے زمانہ طالب علمی کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جب شرح عقائد شروع ہوئی تو میرے ایک پنجابی ملتانی استاد مولانا محمد اشرف مرحوم نے شرح عقائد کی ایک گمنام شرح کا پتہ دیا اس کا نام نبراس ہے اور اب بھی لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ یہ ملتان ہی کے ایک غیر معروف بزرگ مولانا عبدالعزیز کی تصنیف ہے۔

.... اس کتاب میں عام درسی مذاق سے زیادہ مفید چیزیں ملنے لگیں اور اس کے مطالعہ میں زیادہ لذت ملنے لگی۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ علم کلام کا تصوف کے نظری حصہ سے جو تعلق ہے سب سے پہلے اس کا سراغ مجھے نبراس ہی کے چراغ کی روشنی میں ملا۔ اس میں کتابی الجھنوں سے زیادہ واقعات سے دماغوں کو قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے"[1]

۲۔ کوثر النبی (اصول حدیث) محمد جی نامی ایک عالم نے اس کی تلخیص "منتخب کوثر النبی" کے نام سے تیار کی ہے جس کے خطی نسخے ملتے ہیں۔

۳۔ الناہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہؓ۔

۴۔ انوار جالیہ (رسالہ جالیہ) ۔عربی، فارسی اور اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

۵۔ ایمان کامل ۔ (فارسی ۔منظوم)

۶۔ نعم الوجیز فی اعجاز القرآن العزیز

۷۔ الصمصام فی اصول تفسیر القرآن

۸۔ سر السماء

---

[1] مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۴۴

۹۔ تمام الکلام فی عقائد الاسلام (فارسی)

۱۰۔ اکسیر اعظم (طب)

۱۱۔ زمرد الطب

۱۲۔ الدر المکنون (عربی۔ تعویذات و عملیات)

عبداللہ بن عمر دبوسی

قاضی ابوزید عبداللہ بن عمر دبوسی، دبوس کے رہنے والے تھے جو سمرقند اور بخارا کے درمیان ایک قصبہ ہے پانچویں صدی کے بلند پایہ حنفی فقیہ تھے۔ ۴۳۰ھ/۳۹-۱۰۳۸ء میں فوت ہوئے اور بخارا میں دفنائے گئے۔

قاضی ابوزید عبداللہ کی حسبِ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ تاسیس النظر فی اختلاف الائمہ۔

عبدالاول جونپوری مؤلف "مفید المفتی" نے "علم خلافیات" میں اسے پہل کوشش قرار دیا ہے۔ آئمہ مجتہدین کے باہم اختلافات بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ کتاب الاسرار

۳۔ تقویم الادلہ

عبدُاللہ گنگوہی

مولانا عبداللہ گنگوہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ مکتبی تعلیم کے بعد انگریزی مدرسہ میں پڑھ رہے تھے کہ اُن کا تعارف مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی (م ۱۳۳۴ھ) سے ہوا۔ جو اُن کے محلہ کی مسجد کے ایک حجرے میں رہائش رکھتے تھے۔ مولانا کاندھلوی نے ان کی پابندی نماز اور مسجد سے تعلق کو دیکھتے ہوئے انہیں عربی تعلیم کا شوق دلایا چنانچہ انہوں نے مولانا کاندھلوی سے "میزان الصرف" کا سبق لینا شروع کر دیا۔ یہی اسباق اُن کے عالم و فاضل بننے کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئے چنانچہ انگریزی مدرسہ کی تعلیم رُک گئی اور وہ علوم اسلامیہ میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔

کتب متداولہ کی تحصیل کے بعد مدرسہ امدادیہ تھانہ بھون میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ مدرسہ امدادیہ کے زمانۂ ملازمت میں انہوں نے مولانا اشرف علی تھانویؒ سے علمی و دینی استفادہ کیا۔ مولانا تھانویؒ مثنوی معنوی کا درس دیتے تھے جس میں مولانا عبداللہ گنگوہی باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔

کچھ عرصہ مدرسہ امدادیہ میں مدرس رہ کر ۲ شوال ۱۳۲۷ھ/ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے وابستہ ہو گئے۔ تقریباً پونے دو سال وہاں فرائض تدریس انجام دے کر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء کو بیماری اور ضعفِ طبیعت کی بنیاد پر مستعفی ہو گئے۔ اُن کے قائم مقام ظفر احمد تھانوی (م ۱۳۹۴ھ) ہوئے جو اُن کے خصوصی شاگرد تھے۔

مولانا عبداللہ کو اپنے استادِ گرامی مولانا محمد یحییٰ سے بڑی محبت تھی۔ چنانچہ مدرسہ

مظاہر العلوم سے علیحدگی کے بعد کاندھلہ چلے گئے اور وہیں مدرسہ عربیہ سے منسلک رہے۔ آخر ۱۵۔ رجب ۱۳۳۹ھ/ ۲۶ مارچ ۱۹۲۱ء کو کاندھلہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

مولوی محمد یحییٰ صاحب کی وفات کے بعد اپنے استاذ زادہ مولوی محمد زکریا صاحب سے مولوی صاحب کو محبت بڑھ گئی تھی اور باوجود عمر میں بڑے ہونے کے اُن کا احترام فرمانے لگے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ مولوی زکریا صاحب میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر بتاؤ۔ خواب یہ ہے کہ آسمان سے ایک بڑا انار گرا اور زمین پر گرتے ہی اس کے سب دانے جُدا جُدا ہو گئے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب تشریف رکھتے ہیں اور فرمارہے ہیں۔ بھائی! اس انار میں ایک دانہ میرا بھی ہے۔ یہ خواب سُنا کر تعبیر کا تقاضا کیا اور جب مولوی زکریا صاحب نے بار بار یہی جواب دیا کہ مجھے تعبیر دینا نہیں آتی تو فرمایا۔ اچھا میں تعبیر بتاؤں۔ کہ وہ دانہ میں ہوں اور میں تو آخر مولوی صاحب کا ہوں ہی۔ اور یہ بشارت ہے میری موت اور پھر مغفرت کی چنانچہ چند ماہ بعد اُسی سال مولانا کا وصال ہو گیا۔[1]

مولانا عبداللہ گنگوہی نے مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی تھی۔ اُن کی رحلت کے بعد تجدید بیعت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی (م ۱۳۴۶ھ) کے ہاتھ پر کی۔ مولانا مدنی رحمہ اللہ نے ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں انہیں اجازتِ بیعت سے سرفراز کیا۔

مولانا عبداللہ گنگوہی بڑے کامیاب مدرس تھے۔ اُن سے سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا۔ اُن کے نامور شاگردوں میں مولانا شبیر علی رحمہ اللہ برادر زادہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ شامل ہیں۔

مولانا گنگوہی کی تدریس کے بارے میں مولانا ظفر احمد عثمانی (تھانوی) نے لکھا ہے:۔

"مولانا پڑھاتے کم تھے۔ اجرائے قواعد زیادہ کراتے تھے۔ مجھے یاد ہے
کہ نحو میر پڑھنے کے زمانے میں ایک دوست کو خط لکھا تو اس میں
ایک عربی شعر بھی خود بنا کر لکھا تھا۔

انا ما رایتک من زمن
فاذ داخنی قلبی الشجن

حضرت حکیم الامت (مولانا تھانوی) نے یہ دیکھ لیا تو ایک طمانچہ رسید
کیا کہ ابھی سے شاعری؟ ـــــ مگر استاد سے فرمایا کہ میں نے ظفر کو
سزا تو دی کہ یہ وقت شعر و شاعری کا نہیں مگر آپ کے طرزِ تعلیم سے خوشی
ہوئی کہ نحو میر پڑھنے کے زمانے میں اس کو صحیح عربی لکھنا آگئی"۔

مولانا عبداللہ گنگوہی صاحبِ قلم بھی تھے۔ اُن سے حسب ذیل تالیفات یادگار ہیں:۔

۱۔ اکمال الشیم۔

شیخ احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطا اللہ (م ۷۰۹ھ) نے ایک کتاب "الحکم" کے
نام سے لکھی۔ "الحکم" کے مضامین ابواب میں منقسم نہ تھے۔ شیخ علی متقی (م ۹۷۵ھ)
نے اِسے مرتب کیا اور "تبویب الحکم" نام رکھا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا خلیل احمد
مہاجر مدنی (م ۱۳۴۶ھ) نے کیا اور اسے "اتمام النعم" کے نام سے موسوم کیا۔ اسی اردو
ترجمہ "اتمام النعم" کی اردو شرح "اکمال الشیم" ہے۔

اکمال الشیم ۱۳۳۸ھ میں تالیف ہوئی اور چند بار زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی ہے۔

۲۔ تیسیر المبتدی۔ قواعدِ زبان پر ابتدائی رسالہ ہے جو مدرسہ امدادیہ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں
تالیف کیا تھا (۳) تیسیر المنطق (۴) تسہیل النحو۔ ترجمہ نحو میر

علی الجارم

علی بن صالح بن عبد الفتاح الجارم۔ جو علی الجارم کے مختصر نام سے معروف ہیں۔ مصر کے ایک مقام "رشید" میں ۱۲۹۹ھ/۸۲-۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے قاہرہ میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۲۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد اعلیٰ تربیت کے لئے انگلستان چلے گئے۔ چار سال بعد وطن واپس آئے اور دار العلوم قاہرہ میں مدرس ہو گئے۔ لغت اور ادب سے گہری دلچسپی تھی مختلف انجمنوں سے وابستہ رہے۔ المجمع اللُّغوی اور المجمع العلمی العربی کے رُکن تھے۔

علی الجارم ایک انشا پرداز، شاعر، لُغوی اور صاحبِ علم وفضل شخصیت تھے۔ ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء میں فوت ہوئے۔ علی الجارم کی حسب ذیل تالیفات ہیں۔

۱۔ خاتمۃ المطاف
۲۔ سیدۃ القصور
۳۔ دیوان الجارم (چار جلدیں)
۴۔ العرب فی اسبانیا
۵۔ مراح العربیہ
۶۔ الشاعر الطموح
۷۔ شاعر ملک
۸۔ غاوۃ رشید
۹۔ ہاتف الاندلس
۱۰۔ فارس بن حمدان
۱۱۔ شرح المکافات
۱۲۔ ادب الاسلام
۱۳۔ تصحیح وتحشیہ کتاب البخلاء
۱۴۔ علم النفس وآثارہ فی التربیۃ والتعلیم
۱۵۔ تہذیب کتاب الفخری فی التاریخ
۱۶۔ النحو الواضح
۱۷۔ البلاغۃ الواضحہ

مالک بن انس

امام دارالہجرۃ ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر معتبر روایت کے مطابق ۹۳ھ/۱۲-۷۱۱ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے بزرگوں کا اصل وطن یمن تھا مگران کے پردادا ابو عامر نقلِ مکانی کرکے مدینہ منورہ آ گئے تھے اور وہی پہلے فرد تھے جنہوں نے اس خاندان میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

امام مالک نے قرآن مجید کی قرأت مدینہ کے امام القراء نافع بن عبدالرحمٰن سے کی۔ حدیث کی تعلیم حضرت عبداللہ رض بن عمر رض کے فیض یافتہ غلام حضرت نافع (م ۱۱۷ھ) سے حاصل کی۔ بارہ برس اُن کی خدمت میں رہے تھے۔ حضرت نافع کے علاوہ دوسرے شیوخِ حدیث سے بھی استفادہ کیا مگر طلبِ علم کی خاطر مدینہ منورہ سے باہر نہ گئے یہی سبب ہے کہ "موطا" میں اُن صحابہ کرام رض سے بہت کم روایات ملتی ہیں جو مدینہ منورہ سے باہر رہے۔

امام مالک اپنے شیخ حضرت نافع کی رحلت پر مسندِ درس پر بیٹھے اور ۶۲ سال نشرواشاعتِ حدیث میں مصروف رہے ۱۱ ربیع الاوّل ۱۷۹ھ/۴ جون ۷۹۵ء کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفنائے گئے۔

امام مالک کی کئی کتابوں کا ذکر ملتا ہے مگر ان میں سب سے زیادہ اہم "مؤطا" ہے امام موصوف نے اس کتاب کی تالیف عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی فرمائش پر شروع کی تھی مگر اس سے پہلے کہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچتی، خلیفہ کا انتقال ہوگیا مؤطا امام مالک میں ۱۷۲۵ احادیث ہیں۔

"مؤطا" کے معنی —— روندا ہوا، نرم اور آسان بنایا ہوا، تیار کیا ہوا۔ آتے ہیں اور اس کتاب کے بارے میں یہ تمام معانی بطورِ استعارہ مراد لئے جا سکتے ہیں۔

مؤطا امام مالک کی بیسیوں شرحیں لکھی گئی ہیں۔ شارحین میں مالکی علماء کے علاوہ دوسرے مکاتبِ فکر کے اہلِ علم بھی شامل ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ نے مؤطا کی فارسی شرح مصفیٰ اور عربی میں مسوّیٰ کے نام سے لکھی ہے۔ مولانا محمد زکریا صاحب نے چھ ضخیم جلدوں میں مؤطا کی شرح "اوجز المسالک الی مؤطا مالک" لکھی ہے جس میں متقدمین کی شرحوں کا خلاصہ آگیا ہے۔ اِن کے علاوہ مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا اشفاق الرحمٰنؒ کے حواشی قابلِ ذکر ہیں۔

محمد بن حسن شیبانی

امام ابو عبداللہ محمد بن حسن بن فرقد ۱۳۲ھ/ ۵۰ - ۷۴۹ء میں واسط (عراق) میں پیدا ہوئے۔ اصلاً حرسہ (نزد دمشق) کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد فوج میں ملازم تھے۔ وہ بنو شیبان کے مولیٰ تھے۔ اس لیے شیبانی کی صفتِ نسبتی سے مشہور ہوئے۔

امام محمد شیبانی نے کوفہ میں نشوونما پائی اور امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اٹھارہ سال کے تھے کہ امام ابوحنیفہ کا انتقال ہوگیا چنانچہ فقہ حنفی کی تکمیل امام ابوحنیفہ کے شاگردِ رشید امام ابویوسف (م ۱۸۲ھ) سے کی۔ اُن کے علاوہ امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) اور امام مالک (م ۱۷۹ھ) سے بھی علمی وفقہی استفادہ کیا۔

امام محمد، ہارون الرشید کے عہد میں عہدۂ قضا پر فائز رہے۔ آخری زمانۂ عمر میں رَے کے قاضی تھے۔ فرائضِ منصبی کے ساتھ درس و تدریس کی محفل سجائے رکھی اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ تدوینِ فقہ کی طرف بطورِ خاص توجہ دی اور حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی کے مرتب کرنے کا سہرا اُن ہی کے سر ہے۔ فقہ حنفی میں ان کی کتابوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

فقہ حنفی کے طلبہ جانتے ہیں کہ جب "صاحبین" کے حوالے سے کوئی مسئلہ بیان کیا جاتا ہے تو اس کے مصداق امام ابویوسف اور امام محمد ہوتے ہیں۔ جب "طرفین" کا لفظ آتا ہے تو اس سے امام ابوحنیفہ اور امام محمد مراد لئے جاتے ہیں۔ "شیخین" سے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی ذات مراد لی جاتی ہے۔

امام محمد بارعب اور جاذبِ نظر شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تحریر و تقریر کا بہترین ملکہ دیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۹۹۰ کتابیں تالیف کیں مگر آج اُن کی جو کتابیں دستیاب ہیں وہ تیس سے زائد نہیں ہیں۔ امام موصوف اپنی تالیفات پر بار بار نظر ثانی کرتے رہے۔ اور اس قدر حک و اضافہ کرتے رہے کہ ایک ہی کتاب کے مختلف ایڈیشن مستقل بالذات کتابیں نظر آنے لگیں۔ ان کی تالیفات میں ادبی اور لسانی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

امام محمد کی حسب ذیل کتابیں ملتی ہیں۔

۱۔ کتاب المبسوط۔ "الاصل" کے نام سے بھی معروف ہے۔

۲۔ الجامع الکبیر　　　۳۔ الجامع الصغیر

۴۔ السیر الکبیر　　　۵۔ السیر الصغیر

۶۔ الزیادات۔ کتاب المبسوط کا تتمہ و تکملہ ہے۔

۷۔ زیادت الزیادات۔ یہ کتاب الزیادات کے ضمیمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

۸۔ کتاب المؤطا روایت از امام مالک

۹۔ کتاب الآثار　　　۱۰۔ کتاب الرد علی اہل المدینہ

۱۱۔ المخارج فی الحیل　　　۱۲۔ کتاب الحجج المبینہ

۱۳۔ الامالی / الکیسانیات　　　۱۴۔ الاکتساب فی الرزق المستطاب

۱۵۔ الاحتجاج علی مالک　　　۱۶۔ الجرجانیات

۱۷۔ الرقیات　　　۱۸۔ العقائد الشیبانیہ

۱۹۔ کتاب الاکراہ　　　۲۰۔ کتاب الشروط

۲۱۔ کتاب مناسک الحج　　　۲۲۔ کتاب السمعیات

۲۳۔ کتاب الکسب　　　۲۴۔ الہارونیات

متذکرۃ الصدر کتابوں میں سے اوّل الذکر چھ کتابیں متونِ ستہ یا ظاہر الروایۃ کے نام سے مشہور ہیں یعنی یہ وہ چھ کتابیں ہیں جو امام محمدؒ سے بروایت ثقات مروی ہیں۔ ان کتب ظاہر الروایتہ کے مندرجات کو چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں ابوالفضل محمد بن محمد بن احمد المروزی المعروف بہ الحاکم الشہید نے اپنی تالیف "الکافی" میں یکجا کیا اور مکرر روایات کو حذف کر دیا۔

"کتاب الآثار" بھی فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں سے ہے۔ "الرد علی اہل المدینۃ" کو امام شافعی (م ۲۰۴ھ) نے اپنی کتاب الام میں نقل کیا ہے اور اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ امام محمد شیبانی کی متذکرۃ الصدر کتابوں میں سے پہلی چودہ طبع ہو چکی ہیں۔

امام محمد شیبانی سے ایک زمانے نے فیض پایا۔ اُن کے نامور شاگردوں میں امام شافعی اور ابو عبید القاسم جیسے فقہا شامل ہیں۔

امام محمد ستاون سال کی عمر میں ہارون الرشید کے دارالخلافہ "رے" میں ۱۸۹ھ/۵-۸۰۴ء میں فوت ہوئے[1] نماز جنازہ ہارون الرشید نے پڑھائی اور جبل طبرک پر دفنائے گئے۔ اتفاق سے اُسی روز امام ابوالحسن علی المعروف بہ کسائی نحوی بھی "رے" میں فوت ہوئے تھے۔ اس موقع پر ہارون الرشید نے بادیدۂ گریاں کہا۔

آج فقہ اور نحو کو ہم نے رے کی زمین میں دفن کر دیا ہے۔

---

[1] عام تذکرہ نگار امام محمد بن حسن شیبانی کا سالِ وفات ہی لکھتے ہیں۔ کسی نے تاریخ نہیں لکھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد کی ایک خطی کتاب "عرائس نامہ" دیا اور اس نامہ کے حوالے سے امام کی وفات ۱۴-جمادی الآخر ۱۸۹ بروز شنبہ لکھی ہے۔ [ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) جلد ۱۰۳ ص ۲۴۷]

محمد بن سعید بوصیری

ابو عبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بن حسن یکم شوال ۶۰۸ھ/۷ مارچ ۱۲۱۳ء کو مصر کے ایک قریہ "دلاص" میں پیدا ہوئے[1]۔ وہ مشہور بربر قبیلے "صنہاجہ" سے تعلق رکھتے تھے مقامِ ولادت کی نسبت سے "دلاصی" اور قبیلے کے لحاظ سے "صنہاجی" مشہور ہوئے اور جب بعد میں مصر کے ایک دوسرے مقام "بوصیر" میں سکونت اختیار کر لی تو "بوصیری" کی صفتِ نسبتی نے باقی نسبتوں کو ماند کر دیا۔

محمد بن سعید نے علومِ متداولہ کی تحصیل کی۔ اُن کے شیوخِ حدیث اور علمی ترقیوں کی تفصیل معلوم نہیں ہے تاہم اُن کے شہرہ آفاق قصیدہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حدیث، سیرت و مغازی اور علم کلام پر عبور رکھتے تھے۔ اِسی طرح معانی و بیان اور زبان کی نزاکتوں سے آگاہ تھے۔

امام بوصیریؒ فن خطاطی کے ماہر تھے اور خوشنویسی اُن کا ذریعہ معاش تھا۔ ایک عرصہ مصر کے شہر بلبیس میں مقیم رہے۔ وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر سے بحیثیت خوشنویس وابستہ تھے۔ وزیر موصوف کی شان میں انہوں نے چند قصائد بھی لکھے ہیں۔ بوصیری کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ انہوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ مختلف درباروں میں ضائع کیا ہے۔ خود کہتے ہیں ؎

خَدَمْتُهُ بِمَدِيحٍ أَسْتَقِيلُ بِهِ
ذُنُوبَ عُمْرٍ مَضَى فِي الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ

---

[1] بعض تذکرہ نگاروں نے ان کی جائے پیدائش "بہنسا" لکھی ہے۔

امام بوصیریؒ نے جس زمانے میں زندگی گزاری وہ سیاسی طور پر طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کا زمانہ تھا۔ خلافت بغداد کی شان و شوکت روبہ زوال تھی اور آخر ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء میں منگولوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ان حوصلہ شکن حالات میں بوصیری نے درباری زندگی کو خیرباد کہا۔ پہلے بیت المقدس گئے اور دس سال وہاں رہے۔ یہاں سے ارضِ حجاز روانہ ہو گئے۔ مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مقیم رہے۔

امام بوصیریؒ صوفی صافی تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے مشہور بزرگ ابوالعباس احمد المرسی (م ۶۸۶ھ) سے فیض حاصل کیا تھا۔ آخری زندگی میں اپنے مرشد کے شہر اسکندریہ میں مقیم تھے کہ ۶۹۴ھ یا ۶۹۵ھ/۹۶-۱۲۹۵ء میں وہیں فوت ہوئے اور فسطاط میں دفنائے گئے۔

امام بوصیریؒ کی وجہ شہرت معروف نعتیہ قصیدہ "الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ" ہے۔ جو عرفِ عام میں "قصیدہ بردہ" مشہور ہے۔ تاہم بوصیری کا مجموعہ کلام "دیوان بوصیریؒ" شائع ہو چکا ہے۔

قصیدہ بردہ کے بارے میں روایت ہے کہ امام بوصیری یہ قصیدہ لکھنے سے پہلے فالج میں مبتلا تھے۔ انہوں نے کافی علاج کیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کی خاطر یہ قصیدہ لکھا۔ رات کو سوئے تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ انہوں نے امام بوصیری کو ایک چادر اوڑھا دی۔ صبح بیدار ہوئے تو اپنے آپ کو تندرست محسوس کیا۔ اس نسبت سے "یہ قصیدہ بردہ" مشہور ہوا۔

قصیدہ بردہ کے بعد بھی امام بوصیری نے نعتیہ قصائد لکھے جن میں سے ہمزیہ زیادہ اہم ہے تاہم جو مقبولیت "قصیدہ بردہ" کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسری نعتیہ نظم کو نہ ہو سکی الہامی کتابوں کے علاوہ قصیدہ بردہ اُن چند اہم اور مقبول کتابوں میں سے ہے جن کی

کثرت سے شرحیں لکھی گئی ہیں[1]

قصیدہ بردہ ۱۶۲ - اشعار کا میمیہ قصیدہ ہے جس میں مدح رسول کے ساتھ استغفار اور مناجات کے اشعار ہیں۔ قصیدہ بردہ کے بارے میں سلفی عالم مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے لکھا ہے۔

"بوصیری کا مشہور قصیدہ بُردہ ہے۔ بلا شبہ اس میں کہیں کہیں مقامِ نبوت سے تجاوز ہو گیا ہے لیکن اس کا ہر شعر درد و سوز سے بھرا ہوا ہے۔ راقم اپنی وہابیت کے باوجود اسے پڑھتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔"

ایک دوسرے ندوی عالم مولانا محمد ناظم صاحب لکھتے ہیں :-

"بوصیری کا یہ قصیدہ . . . عشق رسولؐ میں ایک لاثانی شہرت رکھتا ہے اس میں سوزِ عشق ہے۔ دردِ دل ہے۔ اس میں ہجر و فراق کے واردات ہیں۔ اس میں نفسِ انسانی کے مکائد کا ذکر ہے۔ فطرتِ انسانی میں جو عصیاں کی طرف میلان ہے، اس کا بیان ہے۔ اس میں نفسِ امارہ کی پنہاں شرارتوں اور فریب کاریوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں حکیمانہ اشعار ہیں جن میں حکمت کے موتی اور وعظ و پند کے بہت سے بول ہیں۔ بعض اشعار ضرب الامثال کے طور پر مستعمل ہیں۔ دردِ دروں، سوزِ عشق اور رسولِ کریمؐ سے والہانہ عشق و اخلاص نے قصیدہ کی زبان کو بے حد مؤثر بنا دیا ہے اپنے موضوع پر یہ قصیدہ ایک لاثانی شاہکار ہے زبان کی سلاست، بیان کی شیرینی، ترکیب کی چستی، بندش کی ہم آہنگی اور فن بدیع و جناس کے اتباع کی وجہ سے یہ قصیدہ عربی زبان کے بہترین قصائد میں شمار کیا جاتا ہے۔"

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ پروفیسر فضل احمد عارف - (انوارِ بردہ ۸۱ - ۱۰۶ م)

مشتاق احمد چرتھاولی

مولانا مشتاق احمد چرتھاول ضلع مظفر نگر (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے درسی کتب مولانا نظام الدین کیرانوی سے پڑھیں۔ بعد میں اجمیر گئے اور وہیں سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد تدریس و تعلیم سے منسلک ہوتے دہلی میں عملی زندگی کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد احمد آباد چلے گئے۔ وہاں سے رنگون اور پھر دہلی آ گئے۔ آخر میں مستقلاً دیوبند منتقل ہو گئے اور تصنیفی زندگی شروع کی۔ "اشاعت الادب" کے نام سے ایک کتب خانے کی بنیاد رکھی جو خوب پھلا پھولا۔ ۱۹۵۲/۱۳۷۱-۷۲ھ میں دیوبند میں فوت ہوئے۔

مولانا مشتاق احمد کی تالیفات میں سے فارسی اور عربی زبان کے آسان نصاب نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ ان نصابوں کی تفصیل یہ ہے۔

عربی نصاب

- عربی کا آسان قاعدہ
- علم الصرف (چار حصے)
- علم النحو مع ترکیب اردو
- عوامل النحو
- عربی گفتگو نامہ
- عربی صفوۃ المصادر

فارسی نصاب

———— فارسی زبان کا آسان قاعدہ

———— فارسی بول چال

———— لطائف فارسی

———— صرف ونحو فارسی

ان کے علاوہ چند کتابچے مثلاً سرسید کا اسلام، کالج کا اسلام اور فسانۂ عبرت اُن کی یادگار ہیں۔

یحییٰ بن آدم القرشی

ابو زکریا یحییٰ بن آدم بن سلیمان بنو قریش سے تعلق ولا رکھتے تھے اور اسی نسبت کے سبب "قرشی" مشہور ہوئے۔ اُن کی تاریخ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ اُن کے شیوخ حدیث میں سے ایک مسعر بن کدام ہیں جو ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے تھے۔ اگر یہ قیاس کیا جائے کہ یحییٰ بن آدم نے لڑکپن کی حدود سے نکل کر اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تو یحییٰ بن آدم کا سالِ ولادت ۱۳۵ھ اور ۱۴۰ھ کے درمیان ہوگا۔

یحییٰ بن آدم علم و فضل میں بلند مرتبے کے حامل تھے۔ قرآن و حدیث اور فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے قرأت قرآن اسماعیل بن عیاش اور حمزہ بن حبیب الزیات سے کی تھی، جو اپنے دور کے ماہرینِ فن میں شمار ہوتے تھے۔ خصوصاً حمزہ بن حبیب الزیات تو قراءِ سبعہ میں شامل ہیں۔ اُن کے شیوخِ حدیث میں مسعر بن کدام کے ساتھ فطر بن خلیفہ سفیان ثوری، یونس بن اسحاق، فضیل بن عیاض، وکیع بن الجراح، عیسیٰ بن طہمان اور بہت سے دوسرے اہلِ علم کے نام ملتے ہیں۔ یحییٰ بن آدم تبع تابعین میں سے ہیں کہ اُنہیں عیسیٰ بن طہمان جیسے تابعی سے شرفِ صحبت حاصل تھا۔

تمام تذکرہ نگاروں نے اُن کے علم و فضل اور ثقاہت و عدالت کا ذکر کیا ہے انہوں نے عہد عباسی کے پانچ حکمرانوں - ابو جعفر منصور، مہدی، ہادی، ہارون، امین اور مامون کا زمانہ تھا لیکن وہ حکومت کے مناصب سے دُور رہے اور عمر بھر تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مشغول رہ کر ۱۵ ربیع الاول ۲۰۳ھ/۲۰ ستمبر ۸۱۸ء کو فم الصلح کے مقام پر فوت ہوئے۔ مامون کے وزیر حسن بن سہل نے نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔

یحییٰ بن آدم کے ان گنت تلامذہ میں یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن ابی شیبہ جیسے اہلِ علم شامل ہیں یحییٰ بن آدم کی تصنیفات میں سے مندرجہ ذیل تین کتابوں کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے۔

۱۔ کتاب الفرائض

۲۔ کتاب الخراج

۳۔ کتاب الزوال

لیکن اِن میں سے صرف کتاب الخراج دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہی ہے۔ خراج کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ابن ندیم اور حاجی خلیفہ چلپی نے بیس سے زائد کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ "کتاب الخراج" کے نام سے تین مؤلفین۔ امام ابو یوسف، یحییٰ بن آدم اور قدامہ بن جعفر کی کتابوں کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج اپنے طرز کی منفرد کتاب ہے انہوں نے ۱۷۳ عنوانات کے تحت خراج اور اس کے متعلقات پر احادیث و آثار یکجا کئے ہیں۔

"کتاب الخراج" پہلی مرتبہ ۱۸۹۶ء/۱۳۱۴ھ میں جوینبول (W. JUYNBOLL) کی تعلیقات کے ساتھ لیڈن سے شائع ہوئی۔ اِس کے بعد احمد محمد شاکر مرحوم کی تصحیح و تنقیح سے ۱۹۲۹ء میں قاہرہ سے چھپی۔ پاکستان میں ریاض الحسن نوری کے مزید اضافات سے مکتبہ العلمیہ لاہور نے شائع کی ہے۔

کتابیات

کتب

الاعلام ج ۴، ۷	خیرالدین زرکلی	بیروت
اکمال الشیم	عبداللہ گنگوہی	ادارہ اشرفیہ پاکستان کراچی (۱۳۷۹ھ)
انوار النظر فی آثار الظفر	ظفر احمد عثمانی	مجلس صیانۃ المسلمین لاہور (۱۳۸۸ھ)
انوارِ بردہ	فضل احمد عارف	علمی کتاب خانہ لاہور (س۔ن)
تاریخ مظاہر	محمد زکریا سہارنپوری	کتبخانہ اشاعت العلوم سہارنپور (۱۳۹۲ھ)
تذکرۃ الخلیل	محمد عاشق الٰہی میرٹھی	مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ (۱۳۸۹ھ)
تذکرہ علمائے پنجاب	اختر راہی	مکتبہ رحمانیہ لاہور (۱۹۸۰ء)
حدائق الحنفیہ	فقیر محمد جہلمی	مطبع منشی نولکشور۔ لکھنؤ۔
حیاتِ امام ابوحنیفہؒ	ابوزہرہ / مترجمہ غلام احمد حریری	مکتبہ سلفیہ۔ لاہور
حیاتِ خلیل	محمد ثانی حسنی ندوی	مکتبہ اسلام۔ لکھنؤ۔ (س۔ن)
حیاتِ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ	ابوزہرہ / مترجمہ رئیس احمد جعفری	مکتبہ سلفیہ لاہور (۱۹۷۱ء)
حیاتِ مالک	سید سلیمان ندوی	مکتبۃ الشرق۔ کراچی
دائرہ معارف اسلامیہ	-	دانش گاہ پنجاب لاہور
سوانح ابن تیمیہؒ	ڈاکٹر غلام جیلانی برق	مکتبہ اُردو لاہور (س۔ن)
المجمل المعدد لتالیفات المجدد	ظفر الدین بہاری	مرکزی مجلسِ رضا۔ لاہور (۱۹۷۴ء)

مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں   محمد عمران خان   مطبع معارف اعظم گڑھ (س۔ن)

معجم المولفین   رفعت رضا کحالہ   دمشق (۱۹۵۸ء)

مفید المفتی   عبدالاول جونپوری   لکھنؤ (۱۳۲۶ھ)

رسائل

ضیا بار   (سرگودھا بابت ۱۹۷۷ء)

معارف   (اعظم گڑھ)   جلد ۱۰۳